وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا

جو کچھ تمہیں رسول دیں اسے پکڑ لو جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما تخافون ان تعذبوا او ان یخسف بکم ان تقولوا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فلان (دارمی)

اختلافِ اُمّت کا المیہ

مکمل

بہ ترمیم و اضافہ

دوسرا ایڈیشن

جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل سنّت والجماعت کون لوگ ہیں اور جو فرقے آج اپنے آپ کو اہل سنّت والجماعت کہلانے کے مدّعی ہیں وہ سوادِ اعظم سے کٹ کر مختلف ائمہ کی تقلید کرنے کی وجہ سے حنفی شافعی مالکی اور حنبلی ہیں۔ بنیادی طور پر کسی وقت اہل سنّت والجماعت تھے مگر اس وقت صرف اہل حدیث ہی اہل سنت والجماعت کہلانے میں حق بجانب ہیں۔ نیز فتنہ انکار حدیث مرزائیت اور کمیونزم یا سوشلزم وغیرہ کو بھی بالواسطہ تقلیدی موشگافیوں نے ہی تقویت پہنچائی ہے۔

فیض عالم

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ... مذہب حقیقت کیا ہے
... کو پڑھنے سے پتہ چل جاتا ہے

... دین و سنت کیا ہے۔ اور فقہ حنفیہ کیا ہے کتاب پڑھنے سے واضح ہوگا۔
اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو دین و دنیا کی ... علم میں ترقی دے آمین ثم آمین

فقط والسلام
محمود الحسن

بار اوّل ۱۹۶۹ء	ایک ہزار
بار دوم ۱۹۷۹ء	ایک ہزار
قیمت	55/-
ناشر	محمد عبدالمنعم
طابع	فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

ملنے کے پتے :

۱۔ حکیم فیض عالم صدیقی جامع اہلحدیث محلہ مستریاں جہلم
۲۔ فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

نوٹ :- کتاب پڑھ کر واپس کریں
شکریہ

انتساب

دوپہر کا وقت، اساڑھ کا مہینہ، لُو کے بگولے، سورج آسمان سے آگ برسا رہا ہے۔ سطح ارضی کُرہ ناری ہو رہی ہے۔ ایک پیرمرد ریل سے بابو پر سوار ایک بڑ کے درخت کے نیچے پہنچ کر بابو سے اُترتے ہیں۔ ان کے ساتھ دو تین مسکین طبع بے ریش بھی ہیں مگر وہ خود بابو سے زین اُتار کر بوسیدہ سی رسی کی لگام اس کے گلے میں لپیٹ کر اسے کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک ساتھی کنوئیں سے پانی نکالتا ہے۔ دوسرا ایک تھیلے سے روٹی کے چند ٹکڑے نکال کر رومال پہ رکھ دیتا ہے۔ پیرمرد نہایت سکون اور وقار سے اپنے ساتھیوں کیساتھ مل کر ما حضر تناول کرتے ہیں۔ سائے میں بیٹھے ہوئے دیہاتی دیکھکر حیران ہوتے ہیں۔
ایک بولا : عجب مسافر ہیں نہ کسی سے کچھ مانگتے ہیں نہ کچھ پوچھتے ہیں۔ **دوسرا بولا :** کوئی پیر ہوگا اور رنگ دکھانا چاہتا ہوگا۔
تیسرے نے کہا : یار مجھے تو کوئی اللہ والا نظر آتا ہے۔ **چوتھے نے** تحریک کی آؤ خود چل کر پوچھتے ہیں۔

اس عرصہ میں پیرمرد بھی چند لقمے لیکر ٹھنڈا پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ دیہاتیوں کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی پیرمرد نے کہنا شروع کیا :

"بھائیو! اللہ کو ایک جانتے ہو تو اُسے ایک مانو۔ نبی علیہ السلام کی سنت پر عمل کرو۔ شادی بیاہ، پیدائش اور موت پر بیہودہ خرچ نہ کرو۔ قبر پرستی اور پیر پرستی سے بچو۔ جو مانگنا ہے صرف اللہ سے مانگو۔ عزت، ذلت، زندگی، موت، تنگی، فراخی سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔

پیرمرد یہ کہہ کر اپنا راستہ لیتے ہیں۔

کوئی نہیں جانتا یہ بوڑھا کہاں سے آیا ہے۔ کہاں جا رہا ہے۔ البتہ اس کے جانے کے بعد ایک بولا : بڑے میاں نے باتیں تو سچی کی ہیں۔

دُوسرا بولا : مگر ہم اپنے باپ دادا کی رسمیں کیسے چھوڑ دیں ؟
تیسرے نے کہا : میاں سچی بات تو وہی ہے جو بڑے میاں نے کہی ہے مگر کوئی مانے یا نہ مانے اسکی مرضی !
چوتھے نے گرہ لگائی : یار عجب بڈھا تھا نہ کسی سے کچھ مانگا۔ نہ لیا۔ آیا، بیٹھا۔ روکھی سوکھی تھیلے سے نکالی، کھائی، پانی پیا اور چلتا بنا۔
پانچویں نے کہا : کوئی پہنچا ہوا بزرگ معلوم ہوتا ہے۔
چھٹا بولا : چھوڑ دیار۔ کہتا ہے باپ دادا کی رسمیں چھوڑ دو۔ یہ نہ کرو وہ کرو۔ قبروں سے حاجتیں نہ مانگو۔ مجھے تو کوئی وہابی نظر آتا ہے۔

کاشکہ

مجھے اس پیرمرد کا اتہ پتہ معلوم ہوتا جو دین کی تبلیغ میں بے لوث گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو کتاب و سنت کی طرف بلاتا تھا ———— تو

اس کتاب کا انتساب اسی کے نام سے کرتا

———— مصنف

فہرست عنوانات

مُصنّف

نام: فیض عالم ابن قاضی دین محمد صدیقی

مولد: قریۂ الفتح پور۔ من مضافات راجوری مقبوضہ کشمیر

پیدائش: اپریل ۱۹۱۸ء

تعلیم: اینگلو ورنیکولر مڈل۔ درس نظامیہ کا نصاب منشی فاضل پنجاب۔ ادیب کامل الہ آباد۔
فرسٹ کلاس انگلش انڈین آرمی۔

۱۹۳۲ء میں ضلع کٹھوعہ کے ایک سو فیصدی ہندو آبادی کے علاقہ میں مدرس تعینات ہوا۔ پہلی ستیارتھ پرکاش۔ کلیات آریہ مسافر۔ ترک اسلام۔ گیتا۔ رامائن اور مہابھارت وغیرہ کا مطالعہ کیا اور ساتھ ہی رمل، جفر، تعویذ گنڈہ بازی اور نقاشی کا شغل اختیار کیا۔ اور طب کا مطالعہ بھی شروع کیا۔

۱۹۳۶ء میں فوج میں بھرتی ہوا اور ایک برٹش رجمنٹ سے وابستگی کی وجہ سے بائیبل کا مطالعہ کیا۔ اور مرزائیت سے بھی روشناس ہوا۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۱ء تک ایک "ہرنگ" فقیر کی صورت میں تمام ہندوستان کی سیاحت کی۔ اس عرصہ میں ہندو جوگیوں، اداسیوں، سنیاسیوں، جٹا دھاریوں اور بیراگیوں کے علاوہ ہر خیال کے مسلمان فقیروں سے مل بیٹھنے کا موقع ملا۔ ۱۹۳۲ء سے چلہ کشی اور اوراد و وظائف کا جو شغل شروع کیا تھا اس عرصہ میں اکثر ان اشغال میں وقت گزرتا رہا۔ اور اس کے ساتھ حبس دم کی مشق کی اور مختلف شعبدہ بازیوں اور استدراجی ہتھکنڈوں سے واقف ہوا۔

۱۹۴۲ء کے آخر تک مختلف گدی نشینوں کی زیارت میں وقت گزرا۔ اس تمام سیاحت کا حاصل ان لوگوں کی ظاہری اور باطنی زندگیوں کے مطالعہ کے علاوہ طبی تجربات سے استفادہ بھی تھا۔

۴۳ء سے تقسیم ملک تک اپنے ملک میں درس و تدریس، صحافت اور طبابت کے شغل میں مشغول رہا۔ تقسیم ملک سے فائر بندی تک توشہرہ محاذ پر رہا۔ پھر بشارت ضلع جہلم میں پہنچ کر مولوی دوست محمد مدرس کے ذریعہ جماعت اہلحدیث سے متعارف ہوا۔ پولیس کی زندگی ارادۃً گفتہ آید در حدیث دیگراں کی نذر ہوگئی۔

۶۲ء میں دوہر بالہ ضلع جہلم میں ایک مسجد اور دینی مدرسہ کی بنیاد رکھ کر قرآنی تعلیم کا کام شروع کیا۔ مگر ایک غریب الوطن کی یہ ادا چند تقدس مآب معتقدین کی فطری کم ظرفیوں پر ایک تازیانہ ثابت ہوئی۔ مسجد کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی تدریس کے رستے میں محکمہ اوقاف کو درخواستیں دیکر کام میں روڑے اٹکائے گئے۔ اشتہار تقسیم کیے گئے۔ لڑکوں کو گھر جا جا کر قرآن خوانی سے روکنے کی کوششیں کی گئیں۔ زندگی کے ان تمام نشیب و فراز نے مجھے یہ راستہ سمجھایا کہ صحیح دین صرف کتاب و سنت پر عمل ہے۔ اور گذشتہ زندگی کے ان تمام تجربات کا حاصل آپ کے سامنے ہے۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

دیباچہ طبع دوم

"اختلاف امت کا المیہ" کی تالیف کا سبب وہ شعاع نور تھی جس کی روشنی نے میرے وجدان کے سامنے مشرکانہ اور مبتدعانہ افعال و اعمال کے علاوہ پیر پرستی، قبر پرستی، رسوم پرستی، علماء پرستی، امام پرستی کے گھناؤنے مناظر پیش کیے تھے۔ میں نے دیکھا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ہر چیز کی پرستش ہو رہی ہے اللہ کا خوف دلوں سے اٹھ چکا ہے، قوم کی اجتماعی طاقتوں کو نفسانیت کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ قرآنی محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کی تفتیحات پر زور دیا جا رہا ہے۔ صحیح احادیث سے غض بصر کرتے ہوئے موضوع احادیث، فقہاء کے اقوال، صوفیا کی شطحیات پر عقائد کی تعمیر ہو رہی ہے۔ ہر طرف خانقاہوں، جھوٹے پیروں اور مدعیان اتقاء کا زور ہے۔ مشرکانہ اعمال کا نام احسان اور کفرانہ افعال کو ایمان کے نام سے پکارا جا رہا ہے اور ایمان ایک نقش نشان ہو کر رہ گیا ہے۔

جامد تقلید نے احساسِ ملت کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔ ادراک، تدبر، تفکر، تعقل اور شعور کی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں۔ تنگ نظری، تنگ خیالی، تنگ فکری، تنگ ظرفی سے علماء سو کی کھیلوں نے ملک کو بھر دیا ہے۔ علمی تنزل نے عمل کو مفقود، اخلاق کو تباہ اور دین و ایمان کی صورت کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔

عجم نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو شہید کر کے جس بغض کی بنیاد رکھی تھی، یہود نے مجوس سے مل کر جس طرح سیدنا ذوالنورینؓ کو شہید کیا تھا [illegible] داریاں، اسلام دشمن تحریک کی صورت میں اپنے پر پُرزے نکالتی ہوئی [illegible] نداختند کے سایہ میں چند اللہ کے بھولے بھالے نیک بندوں [illegible] "[illegible] مذاہب" کی صورت میں جاگزیں ہونے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔

الغرض میں نے جدھر دیکھا حقانیت کا آفتاب عالمتاب طواغیت و ابالسہ کے تاریک

تبیسی بادلوں سے ڈھانپا ہوا نظر آیا۔

ان حالات میں اختلافِ امت کا المیہ تالیف ہوا۔ نصف سے زیادہ مفت تقسیم ہوگیا۔

اور چند ماہ میں تقاضہ شروع ہوگیا کہ اس کا دوسرا ایڈیشن طبع کرایا۔ مگر اس کے بعد حقیقت مذہب شیعہ، مقام صحابہ، بنات الرسول، واقعہ کربلا، عترتِ رسول، شہادتِ ذالنورین، امیر المومنین مروان بن الحکم رض۔ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۳۔۴ کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر، سلطان مدینہ شہید صدیقہ کائنات رض۔ سیدنا حسین بن علی رض۔ راجوری ذغیرہ کی تالیفات میں اس قدر منہمک ہوا کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملی۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں جو کچھ ہوا اب خود اس بات کا یقین نہیں آتا کہ یہ سب کچھ میری قلم سے نکلا ہے۔

اب حبیب مکرم مولانا محمد عبد المنعم فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان کی خواہش پر اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت کا کام ان کے سپرد کر رہا ہوں۔

مجھے یہاں اس بات کی وضاحت کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ کہ کتاب کا غالب حصہ حنفی مذہب کے مالہ وماعلیہ کی نذر ہوگیا تھا۔ اس کی اہم ترین وجہ یہ تھی کہ پاک و ہند میں سلطان قطب الدین ایبک کی وجہ سے اس مذہب کو عروج نصیب ہوا ورنہ قطب الدین ایبک سے پہلے پاک و ہند میں صرف اہلحدیث تھے یا ظاہری مذہب کے پیروکار۔ احناف کو یہاں تمام افغان حکمرانوں اور مغلیہ خاندان کی سرپرستی حاصل رہی۔ مگر اس بات کے باوجود چونکہ ان لوگوں کے سامنے کوئی متفقہ لائحہ عمل نہ تھا اس لئے وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ان میں متعدد ذیلی مذاہب پیدا ہوتے چلے گئے۔ جن میں سے آگے چل کر دو نے خاص شہرت حاصل کی۔ دیوبندی اور بریلوی۔ دیوبندیوں کی علمیت چونکہ اہل حدیث علماء کی رہین منت تھی۔ اس لئے وہ کسی حد تک مشرکانہ اعمال سے بچے رہے۔ مگر بریلویوں نے شرک و بدعت کی تمام حدود پھلانگ ڈالیں۔ آگے چل کر دیوبندی بھی دینی طور پر حیاتی و مماتی کے چکر میں پھنس گئے اور سیاسی طور پر ہر مقام پر چڑھتے سورج کے سامنے ڈنڈوت کرنے سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔ جماعت اسلامی تبلیغی جماعت، ہزاروی گروپ، حسین علی آف واں بھچراں کے عقیدت مند۔ قاری

طیب کی یزید دشمنی کے نظریات کے حامل، حیاتیئے، مماتیئے، درخواستیئے۔ بنوریئے۔ غرضیکہ ان گنت نظریات میں بٹے ہوئے سبھی دیوبندی کہلاتے ہیں۔

میں نے آج سے دس سال پہلے بھاشانی اور بھٹو کے متعلق جو کچھ کہا تھا زمانے نے دیکھ لیا کہ وہ کس طرح سچ ثابت ہو کر رہا۔ حالانکہ بھٹو اس وقت سیاست کے پالنے میں ہی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ منکرین حدیث جو میرے علم و یقین کے مطابق منکرین حدیث نہیں بلکہ منکرین قرآن ہیں اور مرزائیت پر جو کچھ لکھا تھا۔ وہ کس طرح سچ ثابت ہو کر رہا۔

اب چند معروضات قارئین کے سامنے پیش کر کے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ امام ابو حنیفہ کے متعلق بعض مقامات پر اس قسم کے کلمات زیر قلم آگئے ہیں۔ جو ذاتی طور پر مجھے خود پسند نہیں تھے۔ مگر یہ سب کچھ مختلف کتب کے اقتباسات ہیں۔ میں ذاتی طور پر سیدنا امام ابو حنیفہ رح کے شرف و مجد اور علم و فضل کا قائل ہوں۔ میں آنجناب کی علمی اور سیاسی بصیرت کا مداح اور ثنا خوان ہوں۔ زیر نظر تالیف میں جہاں کہیں حضرت امام کے متعلق کوئی سخن گسترانہ بات درمیان میں آگئی ہے وہ حضرت امام کے مقلدین کی اپنی تالیفات کا پرتو ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام نے نہ کسی کو اپنی تقلید کے لئے کہا نہ کسی مکتبۂ فکر کی بنیاد رکھی۔ یہ سب کچھ افترا حضرت امام کے سر تھوپا جا رہا ہے۔ معاصرین سے ان کے معمولی قسم کے فروعی اختلافات ضرور ہوں گے۔ مگر ہمیں ان کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ یہ سب سبائیت کی کارفرمائیاں ہیں کہ جو پورے طور پر اس کے ہتھے نہ چڑھا اس کے لئے اس نے نہایت چابکدستی کئی پیچ پیچ گھاٹیاں تیار کر کے اُسے صراط مستقیم سے برگشتہ کر کے ہی دم لیا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی کے حقیقی نانا ہمیں امام باڑہ تعمیر کرتے نظر آتے ہیں له اور یہ لطیفہ تو بالکل تازہ ہے کہ حامد میاں نامی ایک دیوبندی عالم جنہیں خدام القرآن کی قرآن کانفرنسوں میں شمولیت کی وجہ سے کچھ شہرت ملی۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا کی صحت پر ہی مجھ سے نہ صرف الجھے بلکہ ایک مکتوب میں یہ

له

لکھنے سے بھی نہ ہچکچائے کہ تصوف کے چاروں طرق کے معلّم اوّل صرف علیؓ ہیں۔[له]
حضرت امام پر رفض نے جو اتہامات لگائے اور جن اتہامات کو آج ان کے مقلّدین
بڑے فخر سے ان کی دینی خدمات قرار دے رہے ہیں یہ حضرت امامؒ پر صرف اتہام اور افتراء
ہی نہیں بلکہ دینی روح اور حقائق اسلامی کو مجروح کرنے کا حربہ ہے۔

چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امامؒ نے زید بن علی، یحییٰ بن زید، عیسیٰ بن زید بن
علی بن حسین، عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار اور ابراہیم کے خروج کو
نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ درپردہ ان کی امداد کرتے رہے اور خلافت متوقعہ کے خلاف ان
کے خروج کو مبنی برحق قرار دیا۔ گویا اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضرت امام دین سے بالکل بے بہرہ
تھے اور ان کی نظروں سے یہ تصریحات نہیں گزری تھیں۔

۱ عن زیاد بن علاقۃ قال سمعت عرفجۃ
قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم یقول ستکون ھنات وھنات
فمن اراد ان یفرق امر ھذہ
الامۃ وھی جمیع فاقتلوہ
کائناً من کان (۱)

صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۶
طبع مصر

حضرت زیاد بن علاقہ حضرت عرفجہؓ
سے روایت کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان
کرتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے کہ عنقریب فتنے پر فتنہ برپا
ہوگا تو جو شخص اس امت کا کلمہ متفرق
کرنا چاہے کہ امت اس پر متفق ہو جب کہ
ہو تو ایسے آدمی کو قتل کر دو خواہ وہ کوئی ہو۔

من خلع یداً من طاعۃ لقی
اللہ یوم القیمۃ لا حجۃ لہ و
من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ

جس نے خلیفہ وقت کی بیعت سے ہاتھ
کھینچا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایسے
جائے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ

[له] حامد میاں

مات میتۃ جاھلیۃ (۲)

(صحیح مسلم)

ہو گی اور جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ
(خلیفہ اسلام کی) بیعت اس کی گردن میں
نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

من فارق الجماعۃ شبراً فقد
خلع ربقۃ الاسلام عن
عنقہ الا ان یراجع (۳)

(متفق علیہ)

جس نے ایک بالشت بھر بھی جماعت
میں تفرقہ ڈالا تو گویا اس نے اپنی
گردن سے اسلام کی اطاعت کی ذمہ داری
اتار دی جب تک وہ اپنے اس فعل
سے رجوع نہ کرے۔

اس موضوع پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر یہاں ان تین تصریحات پر
ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یا تو حضرت امامؒ کو ایسی
تصریحات کا علم نہ تھا۔ اس صورت میں وہ منصب امامت تو درکنار ایک عام مسلمان
کی علمی سطح سے بھی گئے گذرے تھے۔ اور اگر انہیں علم تھا اور اس کے باوجود انہوں نے
خلفائے وقت کے خلاف سازشوں میں حصّہ لیا۔ تو ان کا اسلام سے کوئی تعلق
نہ تھا اور وہ خود ان تصریحات کی روشنی میں واجب القتل تھے۔ (۴)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امامؒ جیسا نابغہ عصر ان حقائق سے بے خبر نہیں ہو سکتا
تھا اور وہ کسی صورت میں بھی کسی باغی یا خروج کرنے والے کی ہمنوائی نہیں کر سکتا
تھا۔ اس قسم کی تمام خرافات کہ حضرت امامؒ نے فلاں فلاں کے خروج کو مبنی برحق
قرار دے کر اس کی درپردہ مدد کی آپ کی ذات پر بہت بڑا بہتان اور افترا ہے۔

حضرت امام ۸۰ ہجری میں بزمانہ امیرالمومنین عبدالملکؒ بن مروانؓ پیدا ہوئے۔
اور ۱۵۰ ہجری میں امیرالمومنین المنصور عباسی کی خلافت کے زمانہ میں فوت ہوئے۔
گویا آپ کی زندگی میں چھ اموی اور دو عباسی خلفا گذرے۔

آپ کے زمانہ میں نو علویوں نے مختلف اوقات میں خلافت موقتہ کے خلاف
خروج کئے :

۱ - زید بن علی نے بزمانہ امیر المومنین ہشام بن عبدالملک اپنے مزعومہ امام جعفر (صادق) کی موجودگی ۱۲۲ ہجری میں کوفہ میں خروج کیا۔

۲ - زید بن علی بن حسینؒ - اس کے خروج کی وجہ اپنے چچازاد بھائیوں سے جھگڑا تھا۔ زید اپنا مقدمہ لے کر امیر المومنین ہشام بن عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دوسری پارٹی کا سرغنہ جعفر بن حسن مثنیٰ تھا - زید لحیم شحیم سانولے رنگ کا عیدن نامی ایک سندھن لونڈی کے بطن سے تھا - بڑی مشکل سے سیڑھیاں چڑھ کر خلیفہ کے حضور حاضر ہوا۔ جعفر بن حسن مثنیٰ کے حق میں فیصلہ ہوا۔ زید بڑبڑاتا ہوا وہاں سے چل نکلا۔ کوفیوں نے سبز باغ دکھائے۔ سیدنا داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے سمجھایا مگر باز نہ آیا۔ اور کوفیوں کے چکمہ میں آکر خروج کر دیا اور مارا گیا۔

زید کے تین بیٹے یحییٰ، حسین اور عیسیٰ تھے - آٹھ بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک بیٹی امام محمد بن ابراہیم اللامام عباسی کے نکاح میں تھی -

۳ - یحییٰ بن زید بن علی بن حسینؒ نے ۱۲۶ھ میں خراسان میں امیر المومنین ولید اموی کے زمانہ میں خروج کیا۔ باپ کی بغاوت کے وقت عمر ۱۴ سال تھی - بھاگ کر الحکم بن لیشر بن امیر مروانؓ کے گھر میں پناہ لی۔ خراسان میں خروج کر کے قتل ہوا۔

۴ - عبداللہ بن معاویہ نے ۱۲۷ ہجری میں کوفہ میں امیر المومنین مروان کے زمانہ میں خروج کیا۔ ہرات میں قتل ہوا۔ اسے بھی شیعوں نے مہدی کا خطاب بخشا۔

۵ - محمد الارقط نے بزمانہ امیر المومنین ابوجعفر منصور عباسی کوفہ میں مذکورہ امام کے زمانہ میں خروج کیا۔

۶ - ابراہیم بن عبداللہ نے بھی اسی زمانہ میں بصرہ میں خروج کیا۔

۷ - عیسیٰ بن زید بن علی بن زین العابدین نے ۱۳۸ھ میں کوفہ میں امیر المومنین ابوجعفر منصور عباسی کے زمانہ میں خروج کیا۔ امیر المومنین نے شکست دی -

اور قتل ہوا۔ مرتے وقت اس کی وصیت کے مطابق اس کے دو لڑکے ایک آدمی لے کر عباسی خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بقول عمدۃ الطالب صفحہ ۲۷۹ خلیفہ نے ان کی سرپرستی قبول فرما کر ان کے وظائف جاری کر دیئے۔

۸ - محمد الارقط نے ۱۴۵ ہجری میں مدینہ میں امیر المومنین المنصور کی خلافت کے زمانہ میں خروج کیا۔ مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ باپ کا نام عبداللہ تھا۔ یہ دور شیعوں کے "اصلی" امام جعفر (صادق) کا تھا۔ چنانچہ کافی کی روایت ہے کہا ابوعبداللہ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو واللہ میں تمہارے بیٹے کو بچپن ہی سے زیادہ منحوس و شوم سمجھتا ہوں۔ اصلاب آباء نے ارحام النساء میں اس سے زیادہ منحوس نطفہ نہیں ڈالا۔ واللہ وہ مقتول ہوگا (الشافی ترجمہ اصول الکافی شائع کردہ شمیم بکڈپو کراچی ص ۴۳۲ تا ۴۴۶)

محمد الارقط کو کشف اور اخضر بھی کہا گیا ہے۔ شیعوں کے نزدیک تو محمد الارقط ایک منحوس انسان تھا۔ مگر ہمارے سنیوں نے اسے نفس زکیہ بنا کر یہاں تک بہتان باندھنے سے شرم نہ کی کہ حضرت امام مالکؒ اور امام اعظمؒ در پردہ اس کی بغاوت کے ہمنوا تھے۔

۹ - ابراہیم بھی بغاوت کر کے قتل ہوا۔

قابل غور امر یہ ہے کہ حضرت نعمان بن ثابت جنہیں امام اعظمؒ کہا جاتا ہے ان کے متعلق اس قسم کا تصور بھی قلب و روح پر کپکپی طاری کر دیتا ہے۔ کہ انہوں نے کسی باغی کی مدد کی تھی۔ حضرت امام ایک کامیاب تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک علمی آدمی تھے۔ وہ اول سے آخر تک سیاست سے الگ تھلگ رہے۔ آخری ایام میں بغداد کی تعمیر کے وقت وہ تعمیری کاموں کے جز وقتی نگران تھے اور ان کا مقام خلفائے وقت کی نظروں میں اتنا بلند تھا کہ مرنے کے بعد انہیں شاہی قبرستان یعنی مقبرہ خیزران میں دفن کیا گیا۔

---

[1] مزید تفصیل کے لئے میری تالیفات حقیقت مذہب شیعہ اور عترت رسول دیکھئے۔ نیز سید علی احمد عباسی کی تالیف سیرت امام اعظم کا مطالعہ کیجئے۔

میں مکرر اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ آج فقہ حنفیہ کے نام سے جو اسفار لہو الحدیث کا مجموعہ دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے ایک حصے کو گمراہ کرنے کا موجب بن رہا ہے۔ اس کا ایک لفظ بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ سے تعلق نہیں رکھتا۔ میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ زیر نظر کتاب میں جس ابو حنیفہ کا ذکر بار بار آیا ہے وہ میرے نزدیک ایک خیالی شخصیت ہے۔ اس خیالی شخصیت کا اس امام ابو حنیفہؒ سے کوئی تعلق نہیں جس کا ان سطور میں ذکر کیا گیا ہے۔

فیض عالم

۱۵ر جولائی ۱۹۷۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

اسلام

قرآن اور حدیث

اسلام کے معنے تسلیم کرنا، مان لینا اور جھک جانا ہیں۔ ہم نے جس وقت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کہا اُس وقت زبان کے اس اقرار کے ساتھ قلبی طور بھی جب تک اِسے تسلیم نہ کریں گے مسلمان اور مومن کہلانے کے مستحق نہیں ہوں گے۔ صرف زبانی اقرار کامل الایمان ہونے کے لیے کافی نہیں، مگر دُوسری صدی ہجری کے آخر میں ہی کچھ اس قسم کے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ جہاں تک زبانی اقرار کا تعلق تھا وُہ تمام مسلمانوں میں موجُود تھا۔ لیکن عجمی تاثرات نے جب اسلام کے سیدھے سادے مسلّمات میں ذہنی پراگندگیوں کی بنیاد ڈالی شروع کی اور اس ذہنی پراگندگی نے اپنے برگ و بار سے قلوب و اَذہان کو متاثر کرتے ہوئے کچھ خود ساختہ مفروضات کے تاثرات چھوڑے تو وُہ آہستہ آہستہ اِس قدر راسخ ہوتے چلے گئے کہ جہاں تو اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے احکام، خود ساختہ مفروضات سے ٹکراؤ نہ کھاتے تھے وہاں سرِ تسلیم خم رہا، مگر جہاں ٹکراؤ شروع ہوا وہاں اپنے خود ساختہ مفروضات کو اوّلیات کا مقام دے کر قرآن و حدیث کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ پھر اس قاعدہ کے تحت کہ ایک جھوٹ کو سچ ثابت

کرنے کے لیے کئی اور جھوٹ گھڑنے پڑتے ہیں، اپنے خود ساختہ مفروضات کو سچ ثابت کرنے کے لیے کئی اصطلاحات وضع کی گئیں۔ حالانکہ واضح اور صاف حکم تھا کہ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی اطاعت صرف اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ جس طرح قرآن لاریب کتاب ہے اسی طرح وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کی روشنی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بھی واجب العمل ہیں۔ اور اس پر مسلمانوں کے بظاہر تمام فرقے متفق ہیں کہ قرآن پاک خاتم الانبیاء کے ذریعے تمام عالم کی دائمی رہنمائی کے لیے نازل ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اسی پیغامِ الٰہی کی تبلیغ اور اس کا قیام تھا۔ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ اور فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے احکام اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔ رسول اللہ نے اس کے ایک ایک حکم اور ایک ایک آیت کی تشریح کی۔ اور قرآن کی تعلیم کا کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑا۔ دُنیا کے تمام علوم و فنون کے خاص اصول و قواعد ہیں۔ اور ان کی ایک رُوح ہوتی ہے۔ جسے ہم موجودہ اصطلاح میں ان فنون کی سائنس کہہ سکتے ہیں۔ جب تک اس رُوح اور سائنس سے واقفیت نہ ہوگی اس وقت تک ان علوم کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہی حال کلام اللہ کا ہے۔ اور اس کی رُوح کے سب سے بڑے عارف رسول اللہؐ ہیں۔ اور رسول اللہؐ کی بیان کردہ تشریح کو ہی ہم حدیث کہتے ہیں۔ احادیث کے شرعی احکام وحی اور الہام پر مبنی ہیں۔ رسول اللہؐ نے انہیں کسی انسان یا عجمی عناصر سے حاصل نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کی رُوح کے شناسا صحابہؓ تھے۔ جن کے سامنے نزولِ قرآن کی پوری تاریخ تھی۔ ان کی زبان اور قرآن کی زبان ایک تھی۔ ان کے سامنے ۲۳ سال کی مدت میں قرآن نازل ہوتا رہا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھا انھیں پڑھایا انھیں سمجھایا۔ اور یہ امر واشگاف ہے کہ صحابہؓ کی ترجمانی کسی مذہبی عقیدہ کی بنا پر نہ تھی۔ بلکہ خالص علمی اصولوں کی بنا پر تھی۔ اس کے بعد جو فقہ مُرتب ہوئے لازماً ان کے اختلافی مفہوم و منشاء کے لیے صحابہؓ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے تھا۔ جنہوں نے اس کی ایک ایک دفعہ کو برتا۔ اس پر عمل کیا۔ اور علی التواتر ڈیڑھ

سو سال کے عرصہ سے زائد مدت تک بلا اختلاف عمل ہو

اِختلاف کب اور کیسے شروع ہُوا؟

اختلاف کی خشتِ اول اس وقت رکھی گئی جب سیدنا فاروق اعظمؓ کی سیلابِ اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں مدینتہ النبیؐ میں مجوسی، یہودی، عیسائی، مزدکی اور بے دین غلاموں کی کثرت اصل آبادی سے تین گنا بڑھ گئی۔

خصوصی طور پر ایران کی ہزارہا سالہ حکومت کی تباہی سے مجوسی مرزبانوں، دہقانوں، جاگیرداروں اور موبدوں کے دلوں میں تنفر، کینہ، عداوت اور دشمنی کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ہرمزان نامی ایک عیار مجوسی گورنر کی سرپرستی اور جفینہ اور جون ایلیا نامی عیسائی غلاموں کی سازش سے جن میں موخرالذکر سیدنا علیؓ کا غلام تھا فاروق اعظمؓ کو عین فجر کی نماز سے چند لمحات پہلے فروز ابولولو نامی ایک مجوسی غلام نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو شدید زخمی کر دیا۔ اور آپ ان زخموں کی تاب نہ لا کر مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ فاروق اعظمؓ کے بعد سیدنا ذوالنورینؓ اجماع امت سے منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ آپ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال نہایت پُرسکون اور امن و امان کے تھے۔ مگر آپ کی مخالفت کی کھچڑی پکتی رہی۔ اور انہی ایام میں عبداللہ بن سبا نامی ایک شاطر یہودی عالم نے کوفہ، بصرہ، اور مصر میں طوفانی دورے کر کے ان زیر زمین تخریبی عناصر کو کھل کر کام کرنے پر اُبھارا۔ اور آخر سیدنا ذوالنورینؓ عین حرم نبوی کے سامنے ہیں ۸۴ سال کی عمر میں دو ماہ کے شدید محاصرے کے بعد شہید کر دیئے گئے۔ اور انہی قاتلین سیدنا ذوالنورینؓ نے اپنے بچاؤ کے لئے "خاک از تودۂ کلاں بردار" کے مصداق سیدنا علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر سیدنا علیؓ مدینہ میں رہے تو ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ اس لئے انہیں مدینہ کی بجائے کوفہ لے گئے۔

*کوفہ ایک نئی بستی تھی۔ جہاں مفتوحہ ممالک کے نو مسلم مرکزِ خلافت کی طرف کھچے چلے آئے۔ خوارج کے فتنہ نے یہیں سے سر اُٹھایا۔ عبادت گذاری،

پرہیزگاری، ثابت قدمی، استقلال، عُلوِ ہمّت اور جہادی سپرٹ اِن میں بدرجۂ اتم موجُود تھی۔ لیکن اِن کے عقائد کی بنیاد رائے اور قیاس پر تھی۔ جس نے انہیں صراطِ مستقیم سے دُور جا پھینکا اور آخران کا حشران کا خاتمہ تھا۔

اور آج شیعیت بطور ایک مذہب کے مروّج ہے۔ مگر حقیقتاً یہ ایک سیاست پر مبنی ایرانی تحریک تھی۔ آگے چل کر یہ تحریک ایک مذہب کی صورت اختیار کر گئی اور کئی ایک شاخوں میں بٹ گئی۔ آج ہم انہیں امامیہ، اِثنا عشریہ، زیدیہ، اسماعیلیہ وغیرہ ناموں سے پہچانتے ہیں۔ مگر ابتدا میں یہ صرف دو شاخوں میں بٹی ہُوئی تھی۔ بنیادی طور پر دونوں کا عقیدہ ایک تھا اور اس وقت تک ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ کے بعد سلسلۂ خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد تک محدُود ہے۔ ان کے نزدیک امامت کا آسمانی حق ان کو دیا گیا ہے۔ کہ صرف امام ہی اسلام کے جائز اور ناقابلِ خطا رہبر ہوتے ہیں۔ دُوسرا گروہ کہتا تھا کہ امام کے اندر خدائی رُوح ہوتی ہے اور بعض اوقات اِن کا یہ دعویٰ بھی دیکھنے اور سُننے میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ (نعوذ باللہ) دھوکے سے درمیان میں کُود پڑے۔ اور خدائی امام علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔

اِن حالات میں متذکرۃ الصدر دونوں فرقے یا گروہ جن میں سے ایک قریباً قریباً دُنیا سے ناپید ہو گیا ہے اور دُوسرا مختلف صُورتوں میں موجُود ہے۔ یہ اہلِ سُنت والجماعت سے الگ ہیں۔ زیرِ نظر کتاب صرف اہلِ سُنّت والجماعت کے متعلق ہے۔

اُموی دَور میں اسلام:

حضرت علی کی خلافت کے خاتمہ کے بعد دمشق نے حریمِ خلافت کا لبادہ اوڑھا اور تقریباً ایک صدی تک دارُالخلافت دمشق رہا۔ کوفہ کی مرکزیت ختم ہوگئی اور نومسلموں کے قافلے بجائے کُوفہ کے دمشق وارد ہونا شروع ہُوئے۔ مگر دمشق کی تہذیب بھی خالص عربی تہذیب نہ سہی، حجاز کی قربت کی وجہ سے قریباً قریباً عربی تہذیب تھی۔ وُہی عربوں کی سی سادگی اِن میں موجُود تھی۔ البتہ جب ولید بن عبدالملک کے دَور میں محمد بن قاسم سندھ

تک، قتیبہ بن مسلم باہلی ترکستان تک اور مُوسیٰ بن نصیر مراکش تک فتوحات کے پھریرے اُڑاتے پہنچے تو عجمی تہذیب کا کافی اثر مرکز تک پہنچنا شروع ہو گیا۔ مگر مرکز کی گرفت مضبوط تھی اور کسی بے راہروی نے کسی مقام پر بھی راہ نہ پایا۔ اُمویوں سے اقتدار چھن جانے کے بعد پھر عراق کے دن پھرے اور اُمویوں کے خاتمہ میں بھی سب سے بڑھ کر عجمیوں کا ہاتھ تھا۔

عبّاسی دَور:

حریمِ خلافت کا مقام بغداد کو ملا۔ نومسلموں کے قافلوں نے بجائے دمشق کے بغداد کا رُخ کیا۔ ہر قسم کے عُلوم و فنون کے ماہر بغداد اور کوفہ میں آباد ہونے شروع ہو گئے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دُنیا سے تشریف لے گئے ایک صدی کے قریب زمانہ گذر چکا تھا۔ فیضانِ نبوّت سے مستفیض گروہ بھی اس دُنیا سے رختِ سفر باندھ کر رخصت ہو چکا تھا۔ خیر القرون قرنی ثمّ الّذین یلونھم ثمّ الّذین یلونھم اب تیسرے دَور میں داخل ہو چکا تھا۔ عراق میں نئی تہذیب سر اُٹھا رہی تھی۔ عجمی تأثرات نت نئے واقعات سامنے لا رہے تھے۔ مدینۃ النّبی سے دُوری نے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرّسول کی گرفت بھی کسی حد تک ڈھیلی کر دی تھی۔ مجموعی طور پر اسلام حجازی اقدار اور عجمی اقدار میں بٹ چکا تھا۔

اہل الرّائے اور اہلحدیث:

یہی گویا اہلسنّت کے دو گروہوں میں بٹ جانے کی ابتدا تھی۔ ایک اہل الرّائے کا گروہ جو کُوفہ میں امام ابُو حنیفہؒ کی قیادت میں قائم ہُوا۔ اور دُوسری اہلحدیث کی جماعت جو حجاز میں امام مالک بن انسؒ کی سرکردگی میں پیدا ہُوئی۔ آگے چل کر مؤخّر الذّکر میں امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ بھی شامل ہو جاتے ہیں اور وُہ اس طرح کہ ان دو ائمہ نے بھی قرآن و حدیث کو ہی استنباطِ مسائل کی بنیاد بنایا۔ مگر امام ابُو حنیفہؒ حدیث کے اصلی وطن سے دُور تھے اور عراق کے لوگ بھی شہری زندگی کے عادی ہو چکے تھے۔ اس لیے امام موصوف فقہیہ مسائل میں عقل اور رائے، اجتہاد اور استحسان کے اُصولوں سے کام لینے لگے

اور پھر ان کے مقلدین ان کے قیاسی مسائل کے استعمال میں اس حد تک بڑھ گئے کہ بالکل فرضی مسائل سے تعرض کرنے لگے۔ اور قرآن و حدیث کے مقابلہ میں امام موصوف کے قیاسی مسائل کو ترجیح دینے لگے۔ تقلید کے اس دور میں بدعات و خرافات کثرت سے پھیلے جن کی بنیاد محض وہم اور جہالت پر تھی۔ وہ شریعت کی اصل روح کو نظر انداز کر کے امام موصوف کے اجتہاد کے پابند ہو گئے۔

اِن تمہیدی سطور کے بعد آیئے ذرا وضاحت سے اور کھل کر واقعات کا جائزہ لیں مگر اس کے لیے اپنے مقرر کردہ مفروضات کو یکسر نظر انداز کرنا ضروری ہے۔ گویا کلیتہً خالی الذہن ہو کر سوچنا ہو گا کہ مذاہبِ اربعہ کی بنیاد دوسری صدی ہجری کے وسط میں رکھی گئی۔ اِن مذاہب کے ظہور سے پہلے جو مسلمان تھے وہ کن نظریات کے پابند تھے؟ اِن میں تبع تابعین بھی تھے اور تابعین بھی۔ اور سب سے بڑھ کر صحابہ کرام کا مقدس گروہ تھا۔ وہ کس کے مقلد تھے؟ اِن کے لیے کیا کسی تقلید کی ضرورت نہ تھی اگر تھی تو وہ کس کے مقلد تھے؟ یہاں اس کے سوا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں کہ وہ براہِ راست قرآن و سنت کی روشنی سے مستنیر تھے۔ پھر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے مسائل کو حل کرتے تھے تو ڈیڑھ سو سال بعد اس مسخرہ پن کی کیا ضرورت پیش آئی؟

پھر لطف یہ کہ اجتہاد کے منصب پر آپ نے صرف چار آئمہ کو فائز کیا ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ امام صرف چار نہیں بلکہ گیارہ ہوئے۔ اور گیارہ کی تقلید ہوتی رہی۔ سات تو مٹ گئے اور چار کے مذاہب باقی رہ گئے۔

امام مالکؒ:

مدینہ منورہ نزولِ وحی کا مقام اور اہلِ سنت کا گہوارہ تھا۔ وہاں ایک خاص نوعیت کا مدرسہ قائم ہوا۔ جس کی ابتدا حضرت عمرؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ زیدؓ بن ثابت۔ عبداللہ بن عباسؓ اور اُمّ المؤمنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی۔ اِن کے بعد اس مدرسہ کے روحِ رواں سعید بن مسیبؒ۔ عروہ بن زبیرؒ۔ قاسم بن محمدؒ۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ۔ سلیمان

بن یسارؒ۔ خارجہ بن زیادؒ اور عبیداللہ بن عبداللہؓ ہوئے۔ گویا مدینہ منورہ اہلحدیث کی مرکزی درسگاہ بن گیا۔ ۹۵ھ میں قال اللہ اور قال الرسول کی فضا میں مالکؒ بن انس اصبحی پیدا ہوئے۔ آپ نے تمام زندگی مدینہ میں گذاری۔ صرف ایک بار مکہ معظمہ میں حج کے لیے تشریف لے گئے۔ اور مدینہ منورہ میں ہی آپ نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

امام شافعیؒ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ امام مالک بڑے عالی ہمت، صاحبِ جرأت، راسخ العقیدہ اور قوی الایمان عالم تھے۔ آپ نے ایمان اور عقیدہ کی خاطر مصائب زمانہ اور ستم ہائے روزگار کو بڑے صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ طلاق مکرہ کے عدم جواز پر فتوے دینے پر آپ کو کوڑے لگائے گئے۔ ربیعہ بن عبدالرحمٰن رائی۔ نافع۔ ابنِ عمرؓ کے غلام زہری۔ ابوالزناد یحییٰ بن سعید انصاری آپ کے اساتذہ میں سے قابلِ ذکر ہیں۔ مؤطا امام مالک آپ کی تصنیف ہے۔ جسے امام شافعیؒ کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر صحیح ترین کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ امام مالکؒ اپنے اجتہاد میں صرف قرآن و حدیث پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں امام شافعی اور امام محمد بن حسن شیبانی جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کے مقلدین میں یحییٰ لیثی اندلسی راوی مؤطا۔ اسد بن فرات التونسی متوفی ۲۱۳ھ مصنف مدونہ جو مالکیوں کا علمی سرمایہ ہے۔ عبدالسلام التنوخی متوفی ۲۴۰ھ۔ عبدالرحمٰن بن قاسم متوفی ۱۹۱ھ۔ عبداللہ بن وہب متوفی ۱۹۷ھ۔ اشہب بن عبدالعزیز قیسی متوفی ۲۰۴ھ۔ عبداللہ بن عبدالحکم متوفی ۲۱۴ھ اور ان کے بیٹے محمد خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

فقہ مالکی کے مشاہیر میں ابوالولید باجی۔ ابوالحسن لخمی۔ ابنِ رشد الکبیر۔ ابن رشد الحفید ابن العربی صاحب العواصم من القواصم۔ ابوالقاسم بن جزی متوفی ۷۴۱ھ مؤلف القوانین الفقہیہ فی تلخیص مذہب مالکی۔ سیدی خلیل متوفی ۷۷۶ھ قابلِ ذکر ہیں۔

مالکی مذہب مدینہ میں پیدا ہوا اور تمام مغربی ممالک میں پھیل گیا۔ چونکہ مغربی ملکوں کا منتہائے سفر حجاز ہی تھا۔ نیز مغرب اقصیٰ کے لوگ بدوی معاشرت اور سادہ زندگی کے دلدادہ تھے۔ مغرب اقصیٰ۔ الجزائر۔ تونس۔ طرابلس الغرب کے باشندوں کا مذہب

یہی رہا۔ اسی طرح بالائے مصر۔ سوڈان۔ بحرین اور کویت میں بھی مالکیوں کی اکثریت ہے ان کی تعداد اس وقت ساڑھے چار اور پانچ کروڑ کے درمیان بیان کی جاتی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا امام مالک نے اپنے شاگردوں اور مقلدین کو اپنی تقلید کی رغبت دلائی اور انہیں یہ بتایا کہ ایک امام کی تقلید فرض ہوتی ہے۔ اگر صورت یہ تھی تو محمد بن حسن شیبانی نے امام ابوحنیفہؒ کی شاگردی کے بعد امام مالکؒ کی شاگردی کیوں اختیار کی۔ پھر ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام یعنی امام شافعیؒ کو یہ جرأت کس بنا پر پیدا ہوئی کہ وہ امام مالک سے علم حاصل کر کے اپنے نئے مذہب کی بنیاد رکھیں۔ مندرجہ بالا تنقیحات سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ امام مالکؒ نے الگ کسی مذہب کی سرے سے بنیاد رکھی ہی نہیں۔ وہ قرآن و حدیث کے معلم تھے۔ ان کی وفات کے بعد یارانِ طریقت نے خود بہ تکلف فرما کر انہیں امامت اور اجتہاد کے منصب پر بٹھایا اور ان کی تقلید کو اپنے لیے فرض قرار دے لیا۔

موطا کے متعلق جب عباسی خلیفہ نے آپ کو کہا کہ آپ حکم دیں تو موطا کی نقول کر کے تمام ممالکِ اسلامیہ میں اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی جائے تو آپ نے سختی سے منع کر دیا۔ پھر آج ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مالکی بارسالِ ید نماز پڑھتے ہیں۔ مگر امام ممدوح نے بارسال ید نماز پڑھی۔ نہ موطا میں اس قسم کی کوئی حدیث بیان کی، نہ مالکی فقہ کے انسائیکلوپیڈیا یعنی مدونہ میں اس قسم کا کوئی حوالہ ہے۔ پھر آج بارسالِ ید نماز پڑھنے کی رسم کہاں سے تراشی گئی۔ کس نے تراشی اور کب تراشی؟ میں بڑے وثوق، یقین اور اعتماد سے کہتا ہوں کہ مالکی مذہب سرے سے کوئی مذہب ہی نہیں۔ یہ یارانِ طریقت کا خود ساختہ مذہب ہے۔ اور امام مالکؒ جیسے متدین۔ پرہیزگار۔ متبع کتاب و سنت اور بزرگ کی طرف تقلید کی نسبت آپ کی ذات پر بہت بڑا بہتان ہے۔ مالکی کہلانا ایک شاگردانہ نسبت تھی جو آگے چل کر حنفیوں کی دیکھا دیکھی ایک مذہب کی صورت میں منتقل ہو گئی۔ اور یہ شکل اختیار کیے بغیر حنفیت کے قیاسی مسائل کی اصلاح ناممکن تھی۔

آج تک مقلدین کی طرف سے بڑے زور شور اور بلند بانگ دعاوی کے ساتھ یہ باتیں باور کرانے کی کوششیں جاری ہیں کہ تقلید فرض ہے۔ تقلید انتہائی تحقیق اور بھرپور دینی بصیرت کا نتیجہ ہے۔ یہ کہتے وقت وہ اس بات کو قطعاً بھول جاتے ہیں کہ تقلید فرض تو درکنار مباح بھی نہیں بلکہ بدعت اور ضلالت ہے۔ پھر یہ کہا جاتا ہے کہ آج تمام عالمِ اسلام ائمہ اربعہ کی تقلید پر مجتمع ہے۔ اگر تقلید گمراہی تھی تو عالمِ اسلام تقلید پر مجتمع کیسے ہوا۔ اس کے جواب میں تاریخ اور فلسفہ تاریخ کی ورق گردانی کی ضرورت ہے

فقہ حنفی کی ترقی کے اسباب کسی دوسرے مقام پر بیان کیے جا چکے ہیں۔ یہاں فقہ مالکی کے ترقی کے مالۂ و ماعلیہ اور اس کا پس منظر بیان کیا جاتا ہے:

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۲ھ مطابق ۵ اگست ۷۵۰ء اموی خلافت کا آخری تاجدار مروان بن الحکم مصر میں قتل کر دیا گیا۔

ساداتِ بنی امیہ کا ایک شہزادہ اپنی جوانمردی اپنی کوششوں سے یکم شوال ۱۳۸ھ مطابق ۸ مارچ ۸۵۶ء وہاں ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور عبدالرحمٰن الداخل کے نام سے اندلس کا حکمران بن گیا۔ الداخل کو عباسیوں سے دشمنی گویا ورثہ میں ملی تھی۔ وہ کو کیسے فراموش کر سکتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ہشام اس کا جانشین بنا۔ ہشام طبعاً نیک اور منصف مزاج حکمران تھا۔ اس کے زمانہ میں کوفہ میں قیاسی مذہب کی بنیاد رکھی جا چکی تھی اور مدینہ میں امام مالکؒ کے حلقہ درس سے تمام عالمِ اسلام کے طلباء مستفید ہو رہے تھے۔

انہیں ایام میں امام مالکؒ عباسیوں کے تشدد کا نشانہ بنے۔ بعض کہتے ہیں آپ حنفیوں کے علی الرغم طلاق مکرہ کے خلاف تھے۔ بعض کہتے ہیں انہوں نے جبریہ بیعت سے انکار کیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ انہوں نے کسی علوی مدعی خلافت کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ بہرحال وجہ کوئی بھی ہو۔ آپ کو کوڑے لگائے گئے۔ اونٹ کی ننگی پیٹھ پر سوار کر کے شہر بدر تشہیر کی گئی۔ آپ کے بازو توڑ دیئے گئے۔

آپ کے حلقۂ درس میں اندلس کے جو طلباء تھے وہ اکثر ہشام کے تورع اور تقوے کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ اور امام مالکؒ بھی ہشام کی تعریفیں سن کر اکثر کہتے تھے کہ خلیفۂ برحق کے یہی اوصاف ہیں۔ جب امام مالکؒ کی باتیں ہشام تک پہنچیں تو اس نے تمام اندلس [illegible]

فقہ مالکی کی تعلیم و تربیت کے لئے مدرسے جاری کئے۔ ہشام اور امام مالکؒ دونوں عباسیوں سے نالاں تھے۔ عباسیوں کا مذہب حنفی تھا۔ یہ گویا دینی طور پر دو مذاہب کا ہی ٹکراؤ نہ تھا بلکہ دو سلطنتیں بھی پورے طور پر ان دو مذاہب کی تبلیغ و اشاعت میں بھرپور طور پر کوشاں تھیں۔ ان مذاہب کی اشاعت کے پیچھے تدین یا للہیت کے جذبات نہ تھے بلکہ ذاتی بغض، تعصب، عناد اور ضد کے جذبات کارفرما تھے۔ ۱۸۰ھ / ۷۹۶ء میں ہشام کا انتقال ہو گیا اور الحکم سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس نے ذرا رنگین طبیعت پائی تھی۔ یہ فقہ حنفی کی آڑ میں حرمت شراب کا قائل نہ تھا۔ حنبلی فقہاء کو اس کی یہ ادا پسند نہ آئی۔ وہ اس وقت تک اندلس میں بہت بڑی طاقت کے مالک بن چکے تھے۔ الحکم ان لوگوں کے مراتب کا خاص خیال رکھتا تھا۔ مگر اس اختلاف کی وجہ سے اندر ہی اندر کھچڑی پکتی رہی۔ یہاں تک کہ بات اختیارات تک جا پہنچی۔ کہ کس امر میں الحکم کو اختیار ہے۔ اور کس امر میں فقہاء کو۔ اس کھینچا تانی میں فقہاء یکجہت ہو کر ایک بہت بڑی قوت بن گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں طاقتوں کا ٹکراؤ ناگزیر ہو گیا۔

آخر یحییٰ ابن یحییٰ فقیہ اور عیسیٰ ابن دینار کی سازشیں ابن شماس کو جو الحکم کا چچا تھا گھیرنے لگیں اور اسے کہا گیا کہ الحکم کے بعد تمہیں مسند امارت پر بٹھایا جائے گا۔ اس نے سب کچھ الحکم کو بتا دیا۔ اور الحکم نے ۱۹۰ھ کے لگ بھگ سب کو مختلف طریقوں سے قتل کرا دیا۔

عباسی چالاک اور بیدار مغز تھے۔ ان میں سے جب کبھی باپ نے بیٹے کو اپنے سامنے رکاوٹ سمجھا تو اُسے قتل کر دیا۔ بیٹے نے باپ کو اپنی کسی خواہش کے سدِ راہ پایا تو اُسے تلوار کی نوک پہ رکھ دیا۔ بھائی نے بھائی کو اور ماں نے بیٹے کو نہ بخشا۔ ان حالات میں پروان چڑھنے والے احناف ماپ تول کر قدم اٹھاتے رہے۔ انہوں نے عباسیوں کو ظلّ اللہ سمجھا۔ انہیں عیاشی کی کھلی چھٹی دی۔ کسی موقع پر فائدہ اٹھانے سے گریز نہ کیا۔ مگر مالکیوں کے تشدد نے انہیں عدم آباد کا راستہ دکھایا۔ فقہاء کی اس کھیپ کے قتل ہونے کے بعد ان کے مقلدین میں تشدد اور بڑھ گیا۔ اب ان کا رُخ بادشاہوں کی طرف سے ہٹ کر عوام کی طرف ہو گیا۔ یہ لوگ سوائے اپنے تمام مسلمانوں کو غالی حنفیوں کی طرح کافر بلکہ واجب القتل سمجھتے تھے۔ مالک بن اسیلی ایک نوجوان

نے فلسفہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ اس میں جان کا خطرہ ہے تو فقہ مالکی پڑھنی شروع کر دی۔ احیاء العلوم کے متعلق قاضی قرطبہ ابن احمد نے فتویٰ دیا کہ جو اسے پڑھے گا وہ کافر ہو کر مبتلائے عذاب ہوگا۔ اور احیاء کی تمام جلدیں اکٹھی کر کے جلا دیں۔ یہ تشدد علی بن یوسف بن تاشفین کے زمانہ تک رہا۔ مرابطین کے اس خاندان کی سلطنت کی حدود اندلس سے باہر افریقہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اور اس تمام سلطنت میں فقہ مالکی کے علاوہ حدیث نبوی پڑھنا تو در کنار اسے دیکھنے تک کے روادار نہ تھے۔ علی بن یوسف نے اعلان کرایا کہ احیاء کی تمام جلدیں جلا ڈالی جائیں اس کے بعد اگر کسی کے پاس کوئی نسخہ ملا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جائداد ضبط کر لی جائے گی[1]۔

اگر مالکی نسبت ہمارے سامنے بطور ایک مذہب کے نہ ہوتی بلکہ شاگردانہ نسبت کے طور پر ہوتی اور آپ کے مقلد مالکی کہلانے کی بجائے اہلحدیث کہلاتے جو امام موصوف کے عین خیالات و عقاید کے مطابق تھا تو یہ امر ہر زمانہ میں چار پانچ کروڑ مسلمانوں کے بھٹکنے کا موجب نہ بنتا۔

مگر جب حنفی مذہب نے اپنے آپ کو ایک مذہب کے طور پر پیش کیا تو مالکی نسبت والوں کو بھی اپنا آپ مالکی مذہب کی صورت میں پیش کرنا ناگزیر ہو گیا۔

---

[1] ابن خلدون، ابن خلکان، ابن عذاری، قرطاس، مقری، نویری، ابن عبدالواحد، ابن القوطیہ وغیرہ کو دیکھو [illegible] اندلس [illegible] ڈوزی صفحہ ۴۲۶ تا ۴۲۸ اور ۱۱۴۸ تا ۱۱۷۳ سے تلخیص۔

امام شافعیؒ :

محمد بن ادریس شافعیؒ قریشی ۱۵۰ھ میں غزہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۰۴ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ آپ نے بہت سفر کیے۔ امام مالکؒ اور امام محمدؒ بن حسن شیبانی حنفی ثم مالکی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ شروع میں امام مالک کے مقلد اور اہلحدیث تھے۔ پھر نئے تجربات سے متاثر ہو کر ایک خاص مذہب کے بانی ہوئے۔ آپ فنِ لغت۔ فقہ اور حدیث کے متبحر عالم تھے۔ نہایت دقیق الفکر اور فصیح البیان تھے۔ آپ کا مذہب مالکیوں اور حنفیوں کے بین بین ہے۔ اجماع اور قیاس سے بھی استنباط کرتے ہیں۔ مگر حنفیوں کے استحسان اور مالکیوں کے مصالح مرسلہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ آپ کا علمی سرمایہ کتاب الام آپ کے شاگرد ربیع بن سلیمان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔

آپ کے شاگردوں اور مقلدین میں امام احمد بن حنبل۔ داؤد ظاہری۔ ابو ثور بغدادی ابو جعفر ابنِ جریر طبری جو سب کے سب آگے چل کر نئے مذاہب کے بانی ہوئے بخصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مصر میں ابو یعقوب بویطی متوفی ۲۳۱ھ۔ اسماعیل مزنی متوفی ۲۶۴ھ مؤلف کتاب المختصر۔ ربیع بن سلیمان مرادی متوفی ۲۷۰ھ جو کتبِ شافعیؒ کے راوی ہیں۔ ربیع بن سلیمان جیزی متوفی ۲۵۶ھ قابلِ ذکر ہوئے ہیں۔

امام شافعیؒ کے مقلدین میں سے بعد میں ابو اسحٰق فیروز آبادی متوفی ۴۷۶ھ مصنف کتاب مہذب ابو حامد غزالی متوفی ۵۰۵ھ مصنف علمِ اصول۔ المصطفٰے۔ الوجیز۔ کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم الدین وغیرہ، ان کی مؤخر الذکر دونوں کتابیں رطب و یابس سے پُر ہیں۔

ابو القاسم رافعی متوفی ۶۲۳ھ مصنف فتح العزیز شرح الوجیز۔ قاضی عزیز الدین متوفی ۶۶۰ھ مصنف قواعد الاحکام فی مصالح الانام۔ محی الدین نووی متوفی ۶۷۶ھ مصنف کتاب الکبیر المجموع۔ شرح مہذب۔ شرح صحیح مسلم۔ منہاج الطالبین۔ تقی الدین علی سبکی متوفی ۷۵۶ھ مؤلف تکملۃ المجموع للنووی۔ شرح منہاج البیضاوی۔ فتاوٰی سبکی۔ جلال الدین سیوطی مؤلف کتب کثیرہ مثل، الاتقان۔ تکملہ تفسیر جلالین۔ شرح سنن نسائی و ابن ماجہ ہیں۔

یہ تفصیل پیش کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی ہے کہ آج جس شد و مد سے جو لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں۔ کہ ایک امام کی تقلید مقلد پر فرضِ عین ہے وہ ذرا غور کریں کہ امام شافعیؒ کے مقلدین میں سے ان کی کسی تصنیف سے اس قسم کا کوئی ایک واقعہ بھی ثابت کر دیں جس سے جامد مقلدین کے دعوٰی کا معمولی سا ثبوت بھی مل سکتا ہو۔ تصوف میں کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم، منقولات و معقولات میں غزالی، رافعی، عزیز الدین۔ نووی اور سبکی کی تصنیفات تمام اسلامی مدارس کے نصاب میں سبقاً بھی پڑھائی جاتی ہیں۔ یہاں کسی حنفی کو کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ یہ کتابیں شافعی علماء کی تصنیفات ہیں۔ انہیں مت پڑھو۔ بلکہ یہ کتابیں حنفیوں کا علمی سرمایہ ہیں۔ پھر یہ دورُخا پن کیوں؟ اس تشتت و افتراق کی وجہ کیا؟ یہ سر پھٹول اور کفر و شرک کی مشین گنوں کے دہانے کیوں کھلے رہتے ہیں اور مزید یہ کہ آخر امام شافعیؒ نے امام مالک کی تقلید چھوڑ کر کیوں نئے مذہب کی بنیاد رکھی؟ کیا آج کے مسلمہ اصولات متعلقہ تقلید کی زد ان پر نہیں آتی۔ حقیقت یہ ہے کہ امام شافعیؒ اس حد تک مجتہد تھے کہ انہوں نے پیش آمدہ واقعات کو مدِ نظر رکھ کر قرآن و حدیث سے استنباط کرتے ہوئے مسائل میں وسعت پیدا کی اور جہاں ان کی نظر نہ پہنچ سکی وہاں اجتہاد سے بھی کام لیا۔ مگر انہوں نے کسی کو اپنی تقلید کی طرف رغبت دلائی اور نہ اُن کی زندگی میں کوئی گروہ ان کی تقلید پہ مجتمع ہوا۔

دراصل حنفیؒ، مالکیؒ اور شافعیؒ شاگردانہ نسبتیں تھیں جنہیں بعد میں مذہب بنا لیا گیا۔ چونکہ ملکِ مصر میں امام شافعیؒ کے شاگرد زیادہ تھے اس لیے مصر میں اس مذہب نے بہت فروغ حاصل کیا۔ جب حکومت ایوبیہ کا مذہب شافعی ہو گیا تو الناس علی دین ملوکھم کے مصداق تمام لوگ شافعیؒ ہو گئے۔ جامع ازہر کے شیخ کا منصب عرصہ تک شافعیؒ علماء کے لیے مخصوص رہا۔ ریفِ فلسطین۔ شرقِ اردن۔ شام۔ لبنان۔ بیروت۔ حجاز۔ پاکستان۔ ہند۔ چینی۔ انڈونیشیا اور یمن میں شافعی مذہب کے پیرو ہیں۔ ان کی تعداد دس کروڑ سے زیادہ ہے۔

امام احمد بن حنبل : (پیدائش ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ)

آپ اپنے وقت کے بہت بڑے امام تھے۔ تحصیلِ علم کے سلسلہ میں شام۔ حجاز۔ یمن۔ کوفے اور بصرے کا سفر کیا۔ مسند احمد بن حنبل میں چالیس ہزار حدیثیں قلم بند کیں۔ آپ اجتہاد بالرائے سے احتراز کرتے تھے اور قرآن و حدیث سے استدلال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے آپ کو زُمرہ مجتہدین سے زیادہ زُمرۂ محدثین میں شمار کیا ہے۔ مثلاً ندیم نے فقہائے حدیث کے باب میں ابنِ حنبل کو بخاری، مسلم اور دیگر محدثین کے ساتھ رکھا ہے۔ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الانتقائی فضائل الائمہ میں اور طبری نے اختلاف الفقہاء میں اور ابنِ قتیبہ نے کتاب المعارف میں امام احمد بن حنبل کا اور ان کے مذہب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

مگر افسوس کہ یارانِ طریقت آپ کو بھی کھینچ تان کر آئمہ فقہا کی صف میں گھسیٹ لائے۔ حقیقتاً امام احمد بن حنبل نے بھی دیگر آئمہ کی طرح کسی کو اپنی تقلید کی طرف راغب نہیں کیا۔ مگر گردشِ زمانہ اور حالاتِ وقت نے جن صراطِ مستقیم سے بھٹک جانے والوں کو اہلِ سُنت کا نام دے رکھا وہ امام موصوف کو کیا بخشنے والے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے تھے۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے شاگرد تھے۔ اِس لحاظ سے اِن آئمہ ثلاثہ کے فروعی اختلافات کسی نہ کسی طریقے سے قرآن و سُنت کی حُدود کے اندر ہی تھے۔ یہاں بھی پھر وُہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل اگر امام شافعی کے شاگرد تھے تو پھر اُنہوں نے امام وقت کی تقلید چھوڑ کر اپنا الگ مذہب کیوں جاری کیا؟ اُنھیں یہ حق کس نے دیا؟ وُہ ترکِ تقلید کے بعد کس زُمرہ میں داخل ہوئے؟ اور اگر وُہ ترکِ تقلید کے بعد مُسلمان ہی رہے بلکہ خود امام بن کر ایک مذہب کے بانی بن کر آئمہ کے گروہ میں شامل ہو گئے تو آج ترکِ تقلید کی یہ وعیدیں کیوں ہیں؟

امام احمد بن حنبل کا دور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لیے ایک برقِ خاطف دَور تھا۔ ان کے زمانہ میں مسئلہ خلقِ قرآن ایک آندھی کی طرح اُٹھا۔ خلفائے عبّاسیہ کی سرپرستی میں مُسلمانوں پر برقِ صاعقہ بن کر گرا۔ وُہ لوگ زیادہ اس کی لپیٹ میں آئے جنہوں نے

اس مسئلہ کی زیادہ مخالفت کی۔ خلیفہ واثق باللہ کے عہد میں آپ پر بڑی سختیاں کی گئیں۔ اور آپ کو قید و ضرب کی سزائیں دی گئیں۔

آپ کے مُقلّدین :

ابُوبکر بن ہانی مصنّف کتاب سنن فی الفقہ۔ ابُوالقاسم خرقی متوفی ۳۳۴ھ مصنّف المختصر۔ عبدالعزیز بن جعفر متوفی ۳۶۳ھ۔ شمس الدین بن قدامہ متوفی ۶۸۲ھ مؤلف شرح الکبیر علی متن المقنع۔ شیخ عبدالقادر جیلانی مصنّف غنیۃ الطّالبین۔ تقی الدین احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ۔ ابنِ قیّم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ مصنّف زاد المعانی۔ موفق الدین بن قدامہ مصنّف کتاب المغنی۔ جس کے متعلق رسالہ المنار جلد ۲۶ ۱۳۴۴ھ صفحہ ۲۷۸ پر مُدیر رسالہ نے لکھا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ المغنی چھپوانے والا پیدا کرے گا تو ہم اس خطرہ سے مطمئن ہو کر مریں گے کہ فقہ اسلامی مٹ جائے گی۔ آخر مطبع المنار مصر نے اسے بارہ جزو میں طبع کرایا۔

حنبلی مذہب سب سے کم پھیلا۔ ابتدا اس مذہب کی بغداد سے ہُوئی۔ چوتھی صدی ہجری میں عراق کے مضافات میں اور چھٹی صدی ہجری میں مصر میں پھیلا۔ اس کی تجدید امام ابنِ تیمیہ اور ابنِ قیم سے ہُوئی اور آخر محمد بن عبدالوہاب نے اپنی اصلاحی تحریک میں اس کی خُوب نشر و اشاعت کی، حجاز میں آج کل تمام حنبلی مذہب کے پیرو ہیں۔

سطُورِ بالا کی روشنی میں دوبارہ آئمہ اربعہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ ان آئمہ ثلاثہ کے علی الرّغم امام ابوحنیفہؒ کا مذہب سراسر قیاس، استحسان اور رائے پر مبنی ہے، وُہ اپنی رائے کو قرآن و سُنت کے علاوہ بلکہ قرآن و سنّت کے علی الرّغم اپنی وسعتِ نظر کے تحت پھیلاتے اور بڑھاتے چلے گئے ہیں۔

اِن چار مذاہب کے علاوہ مذہب اوزاعی، مذہب ظاہری، مذہب طبری نے بھی کچھ رواج پایا۔ مگر اِن مذاہب کو چونکہ کسی بادشاہ یا اس کے نائب کی سرپرستی حاصل نہ ہو سکی اس لیے یہ مذاہب مٹ گئے۔ امام ابُوحنیفہؒ کا مذہب امام ابویُوسفؒ کی وجہ سے پھیلا جو مسلمانوں کی بدنصیبی سے عبّاسی خلافت میں جج ہائی کورٹ بن گئے۔ شافعیؒ

مذہب کو صلاح الدین ایوبی مل گیا۔ مالکی مذہب کو مدینہ منورہ کا مرکزی مقام حاصل تھا۔ مگر حنبلی مذہب کو نہ کوئی مرکزی مقام ملا اور نہ کسی حاکم وقت نے اس وقت اس مذہب سرپرستی کی۔ یہ اگر بچ تو چند جلیل القدر اور حق پرست علما کی وجہ سے اور قرآن وسُنت کی برکت سے۔ مذہب اوزاعی ظاہری اور طبری ان تمام سہولتوں سے محروم رہے۔

مذہب اوزاعی :

ابُو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی ۸۸ھ میں بعلبک میں امام ابُو حنیفہؒ کی ولادت سے دو سال پہلے پیدا ہُوئے۔ آپ فقیہ، پرہیزگار، عالی ہمت اور عالم حدیث تھے بیروت میں آپ کے مقلد تھے۔ پھر اندلس میں پھیلے۔ آخر مالکی مذہب کے پہنچنے پر یہ مذہب ختم ہوگیا۔ امام اوزاعیؒ کا مذہب مالکی، شافعی اور حنبلی مذہب کی طرح اہلحدیث میں شمار ہوتا ہے۔ ۱۵۷ھ میں بیروت میں وفات پائی۔

مذہب ظاہری :

داؤد بن علی اصفہانی عرف ابُو سلیمان ظاہری ۲۰۲ھ میں کوفہ میں پیدا ہُوئے۔ پہلے مذہب شافعی کے مقلد تھے۔ پھر آپ نے اپنا الگ مذہب قائم کیا۔ اس مذہب میں قرآن وحدیث کے ظاہری معنوں پر عمل ہوتا ہے۔ ان کے ہاں اجماع بھی اس وقت قابلِ استدلال نہیں جب تک اس پر تمام اُمت کا اتفاق نہ ہو۔ اور نہ وہ قیاس کے قائل ہیں جب اس کی بنیاد کسی نصِ قطعی پر نہ ہو۔ رائے اور استحسان کو بھی دلیلِ شرعی نہیں تسلیم کرتے۔ وہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے اثرہ اطلاق سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ آٹھویں صدی ہجری میں یہ مذہب ختم ہوگیا۔ ابن حزم مصنف کتب الاحکام لاصول الاحکام۔ کتاب المحلی فی فروع الفقہ۔ کتاب الفصل والاہواء والنحل اسی مذہب کے مقلد تھے۔ اُنہوں نے امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین کے کلام کو کذب اور احمقانہ کلام وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ظاہری ۲۷۰ھ میں فوت ہُوئے۔

قطب الدین ایبک سے پہلے برّصغیر میں یا اہل حدیث تھے اور یا مذہب ظاہری کے مقلد۔

مذہب طبری

اہل سنت کے تمام فرقوں بلا امتیاز مقلدین وغیر مقلدین کو طبری کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے اہل سنت کی اکثر غیر محققانہ تالیفات میں طبری کے حالات کا خلاصہ اس طرح مرقوم ہے۔

طبری قاضی نور اللہ شوستری کی قسم کا تقیہ باز مسلمان تھا۔ اس کی تفسیر سے قطع نظر اس کی تاریخ میں مختلف اور متضاد قسم کی سینکڑوں روایات ملتی ہیں۔ حواب کے متعلق پہلے صحیح واقعہ لکھتے ہیں۔ مگر جب اُسے رفض کا مروڑ اُٹھتا ہے تو اس واقعہ کو سیدہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کی ذات پر چسپاں کر دیتا ہے۔ طبری کے تمام ماخذ رافضی، کذاب اور غیر ذمہ دار قسم کے لوگ تھے۔ داستان کربلا کا خالق ابو مخنف غالی رافضی تھا۔ ابن اسحاق کی المغازی آج نایاب ہے۔ مگر اس کا چربہ سیرت ابن ہشام کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے۔ جو رطب ویابس کا پلندہ ہے۔

ابن ہشام کے بعد واقدی کا نمبر ہے۔ احمد بن حنبل اسے کذاب کہتے ہیں (ح) بخاری متروک الحدیث کہتے ہیں (ح)۔ شافعی کہتے ہیں کہ اس کی تمام روایتیں کذب کے پلندے ہیں (ح)۔ نسائی اُسے پکا کذاب کہتے ہیں (ح)

طبری سادات بنو امیہ کا پکا دشمن تھا۔ انہیں وہ خطاکار، غلط کار، بدکردار اور شقی و ظالم بتانے میں تھوڑہ بھر نہیں جھجکتا۔ اس نے سادات بنو امیہ کو ظالم و غاصب کہنے کے لئے ابی مخنف کی تالیف مقتل حسینؓ کی آڑ میں امیر یزیدؒ سے یہ سلسلہ شروع کیا۔ اور آگے بڑھتا بڑھتا آخری اموی خلیفہ مروان تک جا پہنچا۔ اور پیچھے ہٹتا ہٹتا امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہؓ، امیر مروان بن حکمؓ سے ہوتا ہوا سیدنا ذوالنورینؓ اور ان کے ساتھ صدیقہ کائناتؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ تک جا پہنچا۔ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن سرح، سعد بن عقبہ کو بھی رگید ڈالا۔ طبری نے ائمہ اربعہ کی مقبولیت دیکھی تو اجتہاد کا دعویٰ کیا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اُسے یہ صورت آسان نظر آئی کہ تاریخ اسلام لکھی جائے۔ اور اس میں وہ امید سے بڑھ کر کامیاب ہوا۔

طبری کے رفض پر سب سے بڑا شاہد اس کا حقیقی خواہر زادہ محمد بن العباس خوارزمی [illegible]

مشہور ہجو گو شاعر ہے - اس کی تمام تربیت اپنے ماموں طبری کے گھر ہوئی - یاقوت حموی کے قول کے مطابق محمد بن العباس فخریہ کہا کرتا تھا - آمل میرا مسکن ہے اور جریر کے بیٹے میرے ماموں ہیں - اور ہر شخص اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے تو سُن رکھو! میں وراثتاً رافضی ہوں - میرے سوا جو رافضی ہے وہ دُور کے لگائے سے رافضی ہے - ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن جریر طبری بھی شیعہ بن گیا تھا - ابن حجر کے شیخ الشیوخ ابن حیان طبری کو فرقہ امامیہ کے ائمہ میں سے ایک امام کہا کرتے تھے -

علامہ سلیمان متوفی ۴۸۰ھ کہتے ہیں کہ طبری شیعوں کے لیے حدیثیں گھڑا کرتا تھا اور یہ بات تو مسلم ہے کہ طبری وضو میں پاؤں کے مسح کا قائل تھا - اس نے خم غدیر والی وضعی شیعی روایت پر ایک تصدیقی رسالہ بھی لکھا جو شیعہ امامت کے منصوص ہونے کے عقیدہ پر تالیف کی تھی - اس نے اپنی تاریخ میں جہاں بھی سیدنا علیؓ کا نام لکھا ہے شیعہ شعار کے مطابق اس کے اور ان کے اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام کا لاحقہ چسپاں کیا ہے -

طبری کی تاریخ کی آٹھویں جلد طبع اول مطبع حسینیہ مصر صفحہ ۲۴ پر امیر المؤمنین امیر معاویہؓ کے نام پر لعن تحریر ہے - اور صفحہ ۲۹ پر امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کے ناموں پر لعنہما اللہ لکھا ہوا ہے -

طبری کو مسلمانوں نے اپنے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا تھا اس کے بعد جس قدر تاریخیں لکھی گئیں ان سب کا ماخذ طبری ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخوں کے اکثر حوالجات رفض کے ترجمان ہیں - دورِ حاضرہ کی رسوائے زمانہ تالیف حقیقت خلافت و ملوکیت بھی ابن جریر طبری کا چربہ ہے جس میں سادات بنو امیہ کے خلاف جی بھر کر تراز جاہلی کی گئی ہے -

۳۱۰ھ میں بغداد میں فوت ہوا - مسلمان اس کے تقیہ کے رفض کو پہچان چکے تھے اس لئے انہوں نے اسے اپنے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا - اور اپنے گھر کے صحن میں ہی دفن کیا گیا -

دیگر متروک مذاہب کے بانی:

عبداللہ بن شبرمہ متوفی ۱۴۴ھ، محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قاضی کوفہ متوفی ۱۴۸ھ سفیان ثوری، متوفی ۱۶۱ھ۔ لیث بن سعد متوفی ۱۷۵ھ۔ شریک النخعی، متوفی ۱۷۷ھ۔ سفیان بن عیینہ، متوفی ۱۹۸ھ۔ اسحٰق بن راہویہ، متوفی ۲۳۸ھ۔ ابراہیم بن خالد بغدادی عرف ابو ثور متوفی ۲۴۶ھ۔

مندرجہ بالا سطور کا خلاصہ کچھ یوں سامنے آتا ہے کہ اہلسنت میں کم وبیش بیس مذہب ہوئے ہیں۔ سات مجتہدین کے مقلد اپنے اپنے وقتوں میں پھیلے اور آخر میں صرف چار رہ گئے۔ آٹھ مجتہدین کی مذہبی کوششیں اپنے وقت اور محدود حلقۂ اثر تک ہی رہیں۔ یہ سات آئمہ کرام جن کے مذاہب پھیلے بظاہر تعداد میں سات ہیں مگر دراصل یہ صرف دو اسکولوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک طرف اصحاب اہل الرائے یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین اور دوسری طرف باقی چھ ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے مذہب کی بنیاد قیاس پر رکھی اور باقی چھ نے کتاب وسنت پر۔

امام ابوحنیفہؒ

امام ابوحنیفہؒ ایک نومسلم گھرانہ میں ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے عام وقت کے رواج کے خلاف جوانی میں علم حاصل کرنا شروع کیا۔ امام ابو یوسف آپ کے پروردہ اور شاگرد رشید بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بیان کیا کہ جب میرا ارادہ علم حاصل کرنے کا ہوا تو میں تلاش کرنے لگا کہ کونسا علم اچھا ہے (گویا علم حاصل کرنے کا مقصد دین سیکھنا نہ تھا بلکہ دنیا میں نام اور شہرت پیدا کرنا تھا) سو میں علموں کے فائدے پوچھنے لگا۔ پس مجھ سے کہا گیا کہ قرآن سیکھو۔ میں نے کہا کہ اگر میں قرآن سیکھوں اور اس کو یاد کرلوں تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا کہ مکتب میں بیٹھ کر لڑکوں کو پڑھا دُ گے اور کمسن آدمی پڑھیں گے۔ پھر کچھ عرصہ بعد اُن میں سے کوئی لڑکا تم سے بڑھ کر یا تمہاری مثل حافظ ہو جائے گا۔ اور تمہاری سرداری جاتی رہے گی (گویا قرآن پڑھنا خبیث کم

من تعلّم القرآن و علّمہ کے حکم کے مطابق نہ تھا) میں نے کہا کہ اگر میں حدیث سُنوں اور لکھوں اور اس میں ایسا کمال حاصل کروں کہ سب سے بڑھ کر محدث بن جاؤں، لوگوں نے کہا کہ جب تم بڑی عمر کے ہو جاؤ گے اور حدیث پڑھاتے رہو گے اور کمسن اور جوان لوگ تمہارے شاگرد ہوں گے اور تم بھولنے سے نہیں بچ سکو گے تو تم پر جھوٹ کا طعن لگے گا پس تم پر اس کا عار ہوگا۔ تو میں نے کہا اس کی بھی مجھے حاجت نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ نحو سیکھوں اور عربیت میں کمال حاصل کروں تو نتیجہ کیا ہو گا؟ لوگوں نے کہا معلّم بنو گے اور اکثر تمہاری تنخواہ دو یا تین دینار ہو گی۔ میں نے کہا اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ پھر میں نے کہا اگر شاعری سیکھوں اور اس میں کمال پیدا کروں تو کیا نتیجہ ہوگا؟

لوگوں نے کہا تم کسی کی تعریف کرو گے تو وہ تم کو سواری اور خلعت دے گا۔ اگر نہیں دے گا تو تم اس کی ہجو کرو گے۔ پس بے عیبوں کو عیب لگاؤ گے اور وہ تمہیں نقصان بھی پہنچائے گا۔ میں نے کہا اس کی بھی مجھے حاجت نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اگر میں علمِ کلام یعنی منطق اور فلسفہ سیکھوں تو لوگوں نے کہا، اس علم کا سیکھنے والا ناقص باتیں کرنے سے نہیں بچتا۔ پھر اُس پر زندیق وغیرہ ہونے کا عیب لگ جاتا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ اگر میں فقہ سیکھوں تو کیا ہوگا؟ لوگوں نے کہا تو تم سے مسئلے پوچھے جائیں گے۔ فتوے لیے جائیں گے اور قاضی اور مفتی بنانے کے واسطے بُلایا جائے گا۔ اگرچہ تم اُس سے بچنے والے ہو گے۔ پس میں نے کہا اس سے بڑھ کر میرے لیے کوئی علم فائدہ مند نہیں۔ پس میں نے فقہ کے علم کو خوب حاصل کیا۔ (مگر کونسی فقہ جس کا کتاب سنت سے کوئی تعلق نہیں) (طحطاوی جلد اوّل)

مولانا شبلی نعمانی امام ابو حنیفہ کی تعریف میں اس حد تک آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے فقہ حنفی کی تدوین کے سلسلہ میں امام صاحب کے لیے ایک مجلسِ شورٰی بھی تیار کر دی جو ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک رہی۔ لکھتے ہیں "کہ اس مجلس کے ارکان میں سے امام محمدؒ امام طحاوی۔ قاضی ابو یوسف۔ امام ذفر۔ یحیٰی بن ابی زائدہ۔ حفص بن غیاث۔ مندل اور حبان وغیرہ خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں"۔ اللہ تعالیٰ مولانا شبلی کے اس تسامح سے درگذر فرمائے۔

اگر واقعتًا یہ بات سچی ہے تو فقہ کے ذخیرہ میں صاحبین کا دو ثلث مسائل میں اختلاف کیا معنی رکھتا ہے۔ جب اختلاف بدیہی اور واضح ہے تو کہاں کی مجلس اور کیسی تحقیق؟

پھر امام محمدؒ کی پیدائش ۱۳۱ھ اور ۱۳۵ھ کے درمیان بیان کی جاتی ہے۔ (ابنِ خلکان) گویا مجلس کا رکن ۱۳۱ھ میں پیدا ہونے سے دس سال پہلے ہی امام صاحب کی مجلس میں شامل ہوتا رہا۔

قاضی ابو یوسف صاحب ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور آٹھ سال کی عمر میں مجلس میں شامل ہو گئے۔ امام طحاوی ۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے (ابنِ خلکان)

امام ذفر ۱۱۰ھ میں پیدا ہو کر گیارہ سال کی عمر میں اُس علمی مجلس کے ممبر بن گئے۔

یحیٰی بن ذکریا ۱۱۹ھ میں پیدا ہو کر دو سال کی عمر میں اس تحقیقی مجلس میں شامل ہو گئے۔

حفص بن غیاث ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔

حبان بن عبدالعزی کی عمر ۱۲۱ھ میں دس سال کی تھی۔

ذرا اس مجلس کی ہیئتِ ترکیبی کو تعصب، ہٹ اور بے جا ضد کو چھوڑ کر دیکھیے اور خدا را انصاف فرمائیے کہ جس مجلس کے ممبر کچھ پیدا ہونے سے پہلے اور کچھ دو دو تین تین سال کی عمر میں بیٹھ کر کسی مسئلہ پر بحث کریں گے وہ کیسی مجلس ہو گی۔

یہی شبلی سیرۃ النعمان میں ایک جگہ لکھتے ہیں "کہ امام صاحب کے مزاج میں تکلف تھا۔ اکثر خوش لباس رہتے تھے۔ کبھی کبھی سنجاب کے جُبّے بھی استعمال کرتے تھے۔ ایک بار انھیں چار سو درہم کی ایک چادر اور قمیص پہنے دیکھا۔ اکثر چار پانچ اشرفی کی چادر کو گندہ سمجھتے اور پہننے سے شرماتے"۔

ایسے شخص کو طلب علم حدیث کے لیے حجاز، مصر، یمن اور شام کا سفر کرنا اور برسوں طالب علمی کی مصیبتیں برداشت کرنا اور احادیث کی حفظ کی مشقت اُٹھانا کہاں گوارا تھا۔ اس وقت حدیث کا مجموعہ کسی ایک جگہ تو تھا نہیں کہ اُسے منگوا کر حدیث میں شعور پیدا کر لیا جاتا۔ اس زمانہ میں تو محدثین مختلف اور دُور دُور مقامات میں پھیلے ہوئے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے بس کا روگ نہیں تھا کہ وہ جابرؓ بن عبداللہ کی طرح صرف ایک حدیث کے متعلق

ایک حدیث سُننے کے لیے ایک اُونٹ خریدتے اور شام میں عبداللہ بن انیس کے پاس پہنچتے۔ یا ابو ایوب انصاری کی طرح مصر کا سفر کرتے۔ یہاں تو صرف شہرت اور عزت کی تمنا تھی، اور قدر و منزلت کے حصول کی طلب۔ اور ان باتوں کے لیے قیاس و رائے کے دروازے کھلے تھے۔ اور یہ مقصد مقامی فقیہ حماد کی مجلس میں پورا ہو سکتا تھا۔ اور ان کے ذریعے ابراہیم نخعی کے مسائل اور قواعد اپنی خداداد ذہانت اور طباعی سے یاد کر کے فتوے دینے شروع کر دیے۔ اور جس غرض کے لیے یہ معمولی سی کوشش کی تھی وُہ پوری ہو گئی۔ اور فضا بھی ایسی مل گئی جہاں حجازی تمدن کی علمی ضوفشانیاں، تقدس، شیفتگیِ الٰہی بمقابلہ حرمین نہ ہونے کے برابر تھا۔ کوفہ ایک فوجی نو آبادی تھی۔ جہاں مشرقی ممالک کے مختلف خیالات اور اذہان کے نومسلموں کی اکثریت تھی۔ جو اسلام کے سیلاب میں بہ کر کوفہ پہنچ گئے۔ مگر ان کے قلوب حجازی مسلمانوں کے قلبی اثرات اور اسلامی محبت سے کوسوں دُور تھے۔ اگر ایسے فتوے امام صاحب مدینہ یا مکہ میں بیٹھ کر دیتے تو خدا معلوم آپ سے وُہ لوگ کیا سلوک کرتے۔ کوفہ میں اندھوں میں کانا راجہ کے مصداق آپ کا سکہ چل نکلا۔

احناف بتائیں کہ وہ کس ابوحنیفہ کے مقلد ہیں ؟

جس طرح شیعوں نے اپنے مفروضہ و مزعومہ ائمہ کے متعلق ہزاروں سے متجاوز من گھڑت اور وضعی روایات کا ذخیرہ تیار کر کے انہیں ہزاروں مافوق الفطرت واقعات کا حامل قرار دیکر الوہیت کے مقام کے قریب پہنچا دیا ہے اور ذرہ بھر شرم یا جھجکپاہٹ محسوس نہیں کی اسی طرح ائمہ اربعہ کے جاہل مقلدین نے اور خاص کر حضرت ابوحنیفہ کے مقلدین نے ان کے متعلق وہ گل افشانیاں کی ہیں کہ

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

۱ ۔ ابوحنیفہ رح کے مناقب میں بیان کیا گیا ہے کہ پیدائش کے بعد آپ کے والد حضرت علی رض کی خدمت میں لے گئے اور علی رض نے آپ کے حق میں دعا فرمائی۔

۲ ۔ صاحب درمختار کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی آخری زمانہ میں ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کریں گے۔

جائزہ : ایک اولوالعزم پیغمبر کا ایک ایسے اُمتی کے من گھڑت مذہب پر عمل کرنا جسے صادق و مصدوق ﷺ کے فرمودات سے کچھ بھی حصہ نہ مل سکا ہو صریحاً رفض کے تخیلات کی ترجمانی ہے۔

۳ ۔ خضر علیہ السلام نے پانچ برس تک امام صاحب کی زندگی میں ان سے علم حاصل کیا اور پچیس برس ان کی قبر سے .... یہاں تک کہ وہ علم میں کامل ہو گئے۔

(ملخص از طحطاوی و قشیری)

جائزہ : اس قسم کے لغویات نقل کرنے سے بھی ہاتھ کانپتا ہے۔ دل لرزتا ہے اور حواس قابو سے باہر نکلے جاتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خضر کے متعلق ایک تابعی بھی نہیں بلکہ تبع تابعی کے سامنے جسے کما حقہٗ دینی بصیرت بھی حاصل نہ تھی ایسی قیاسہ خرافات وہی آدمی کر سکتا ہے جو عقل کا کورا، ایمان سے تہی اور پکا دین دشمن ہے یہاں اس بات سے بحث کا موقع نہیں کہ خضر کون تھا؟ کب پیدا ہوا؟ مرگیا ہے یا زندہ ہے؟ اگر خضر سے مراد موسیٰ کا وہ ساتھی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے تو اس مقام پر ایسا لکھنے والے نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر جھاڑو پھیرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ یہاں سوائے لاحول پڑھنے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

۴ ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے انس رض بن مالک، عبداللہ بن اوفی رض، جابر بن عبداللہ رض، عبداللہ بن انیس رض، عائشہ بنت عجرہ، واثلہ بن الاسقع رض، عبداللہ بن جزء رض سے چند احادیث کی سماعت کی۔

جائزہ : سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دے کر دین سے برگشتہ کرنے کے لئے کس قدر افترا اور بہتانات تراشے جا رہے ہیں۔ ان عقل کے اندھوں کو اس قدر بھی معلوم نہیں کہ انس بن مالک ۹۰ ہجری میں، انس بن مالک ابھی امیر یزید کی خلافت کے زمانہ میں، عبداللہ بن اوفی ۸۰ ہجری میں، جابر بن عبداللہ ۷۴/۷۷ ہجری میں عبداللہ بن انیس ۵۷ ہجری میں واثلہ بن الاسقع ۸۵/۸۶ ہجری میں، عبداللہ بن جزء ۹۵ ہجری میں فوت ہوئے۔

امام ابوحنیفہؒ کے فرضی اور مزعومہ فضائل کی داستانیں شیعیت کے مزعومہ ائمہ سے بھی کئی گنا زیادہ ہیں۔ مگر اس باب کو اس بات پر ختم کرنا چاہتا ہوں کہ فقہ حنفیہ کے اس ناگفتہ بہ پلندہ میں بار بار ان الفاظ کی جو تکرار کی گئی ہے۔ عند ابی حنیفہ، قال ابی حنیفہ

ہذا مذہب ابی حنیفہ وغیرہ وہ کون سے ابو حنیفہ ہیں ؟

۱- ابو حنیفہ: نعمان بن ثابت کوفی کے ہاں ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ مجوسی النسل تھے۔ کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں آپ کے دادا مسلمان ہوئے تھے۔ چہ عجب کہ باقی مجوسی النسل نومسلموں کی طرح نسلی عصبیت ورثہ میں پائی ہو اور بآل عمر کینہ قدیم است عجم را۔ کے زمرہ میں شمار ہوتے ہوں۔

۲- ابو حنیفہ: متوفی ۲۸۲ بڑے پائے کے عالم تھے۔ فراء اخفش اور ابن مارس جیسے لوگ انہیں امام مانتے ہیں کتاب الوصایا اور کتاب الجبر والمقابلہ کے مصنف ہیں۔ (زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۲۵)

۳- ابو حنیفہ: کوفی ہیں۔ تیسرے طبقے کے محدثین میں شمار ہوتے ہیں ان کا ایک لڑکا عبد الکریم خاص شہرت کا مالک ہوا ہے (تقریب التہذیب صفحہ ۲۱) صفحہ ۴۲۳

۴- ابو حنیفہ: خالد بن یوسف سمتی کے شاگرد ہیں قبیلہ اسلط سے تعلق رکھتے تھے (میزان الاعتدال)

۵- ابو حنیفہ: نعمان والد کا نام ابو عبد اللہ بڑے اماموں میں شمار کیے جاتے ہیں (ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۱۹۹)

۶- ابو حنیفہ: خوارزم کے مشہور امام ہیں۔ (طحطاوی)

۷- ابو حنیفہ: جبیر بن مطعم کی وفات کے وقت موجود تھے۔ محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ (میزان الاعتدال صفحہ ۴۴۴)

۸- ابو حنیفہ: سلیمان کے شاگرد ہیں ان کے مشہور شاگرد کا نام عبد الکریم ہے (میزان الاعتدال صفحہ ۱۱)

۹- ابو حنیفہ: امام شافعی کے اساتذہ میں سے تھے (مسند امام شافعی صفحہ ۱۲۳)

۱۰- ابو حنیفہ: خطاب سابق الحاج تھا (کتاب الاسماء والکنیٰ)

۱۱- ابو حنیفہ: نام احمد بن مصدق نیشاپور میں قیام تھا (ابن نجار)

۱۲- ابو حنیفہ: والد کا نام ماہان واسط میں انکی امامت مشہور تھی (کتاب الاسماء والکنیٰ)

۱۳- ابو حنیفہ: نام عبد الکریم زیلعی بہت بڑے عالم فاضل ادیب اور فصیح اللسان تھے۔

۱۴- ابو حنیفہ: نام سلیمان بن حیان عدی اسماعیل بن عیاش محدث تھے استاد اور مشہور امام میں (کتاب الاسماء)

۱۵- ابو حنیفہ: صغیر لقب ایک فاضل شخص تھے (روح الایمان)

۱۶- ابو حنیفہ: نام جعفر بن احمد اپنے وقت کے امام تھے۔ (ر ر)

۱۷- ابو حنیفہ: نام محمد بن عبد اللہ بن علی خطیبی تھے۔ اور اپنے وقت کے امام تھے (ر ر)

۱۸- ابو حنیفہ: نام عبد اللہ باپ کا نام ابراہیم ثانی ابو حنیفہ کہے جاتے تھے بہت بڑے فقیہ تھے (ر)

۱۹- ابو حنیفہ: نام بکر والد کا نام محمد۔ ابو حنیفہ صغیر کے نام سے مشہور تھے فقہ کے عالم امام اور ماہر مانے جاتے تھے (ایضاً)

۲۰- ابو حنیفہ: شیعوں کے بہت بڑے عالم اور شیعہ مذہب کے اہل قلم تھے بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ (کتاب الملل)

۲۱- ابو حنیفہ: نعمان بن ثابت ان کا لقب امام الاعلم تھا۔ اصلی وطن دمشق، بڑے خوش لباس خوش گو اور خوش خو تھے اعلیٰ پائے کے مصنف اور علامہ تھے (تقریب ۱۵۶، بستان المحدثین)

گویا ابو حنیفہ کے ساتھ امام اعظم کے نام میں حصہ دار اور نعمان بن ثابت کے نام میں ساجھی اور امامت اور فقاہت میں شریک درجن بھر موجود ہیں اور پر لطف بات یہ کہ ابو حنیفہ کے نام کے یہ تمام اصحاب فقہ حنفیہ کی اولین تالیف قدوری جو ۴۲۸ھ

عبارت کل کہاں سے نکلا عبارت نا مکمل ہے

قیاسی مذہب کی بنیاد

قیاس کے ارکان و شرائط:

۱- اصل: مقیس علیہ یعنی جس پر قیاس کیا جائے۔

۲- فرع: مقیس یعنی جس چیز کو قیاس کیا جائے۔

۳- حکم: جو حکم قیاس کے بعد لگایا جائے۔

۴- علت: جو مقیس اور مقیس علیہ میں مشترک ہو۔ اور قیاس کا سبب ہو۔ مثلاً:

خمر، اصل ہے۔

نبیذ، فرع ہے۔

نشہ، علتِ مشترکہ ہے۔ اور حرام ہونا حکم شرع ہے۔ مگر ہم فقہ حنفی میں کہیں بھی ان اصولات کو کارفرما ہوتے نہیں دیکھتے مثلاً قرآن نے خمر کو حرام قرار دیا ہے۔ خمر ہر نشہ آور چیز کو کہتے ہیں۔ بھنگ۔ گانجا۔ چرس وغیرہ تمام خمر ہیں۔ اسی طرح نبیذ بھی خمر ہے۔ مگر اپنے ان تیار کردہ اصولات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ نبیذ اور ابا یوسفی کے نام کی نشہ آور چیزیں خلافتِ عباسیہ کے دور میں علی الاعلان فقہ حنفی کے فتووں سے استعمال ہوتی رہیں۔ اس کے ساتھ ہی اجتہاد بالرائے میں زیادہ وسعتِ نظر سے کام لے کر قیاس

استعمال کر کے اس کے ذریعے استنباطِ احکام میں یہاں تک کام لیا ہے کہ تمام احکامِ شرع کے لیے قیاس کو معیار قرار دے کر خواہ وہ احکام قرآن و سنّت سے ماخوذ ہوں یا نہ ہوں استحسان کا نام دے کر اپنے مقلدین کے لیے سہولت کی راہیں ہموار کر دیں۔

پھر مزید آسانی کے لیے اجتہاد کے درجے مقرر کر دیے۔

مجتہدین کے درجے :

۱۔ **مجتہد فی الشّرع** :۔ جو کسی مذہب کا بانی ہو۔ جیسے مذہب اہلسنّت کے پندرہ امام ہیں جن میں سے چار کا مذہب اس وقت باقی ہے۔

۲۔ **مجتہد فی المذاہب** :۔ زندہ مذاہب کے بانیوں میں سے کسی ایک کا مقلد ہو لیکن بہت سے اصولی اور فروعی مسائل میں اختلاف رکھتا ہو۔ اور اپنے ذاتی اجتہاد سے مسائل کا استخراج کرتا ہو۔ جیسے امام ابو یوسف وغیرہ (لطف کی بات یہ ہے) اگر مجتہد فی المذاہب نے اصولات میں بھی اختلاف کیا تو یہ مقلد کہاں رہا۔ یہ تو خود ایک نئے مذہب کا بانی ہوا)۔

۳۔ **مجتہد فی المسائل** :۔ جو صرف فروعی مسائل میں اختلاف رکھتا ہو۔ جیسے مذہب حنفی میں سرخسیؒ اور مذہب شافعیؒ میں غزالیؒ۔

۴۔ **مجتہد مقیّد** :۔ جو آراء سلف کا پابند ہو۔ اور انہیں کے اجتہاد کی پیروی کرتا ہو۔ اور ان کے احکام کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے ایک حکم کو دوسرے پر ترجیح دے۔ جیسے مذہب حنفی میں کرخی، قدوری، صاحب ہدایہ، فقہ کے چار متنوں کے مصنف۔

آپ اس گورکھ دھندے سے کچھ سمجھے ہوں تو شاید مگر میں باوجود اس بات کے کہ اپنی پوری طالب علمانہ کاوشوں کو بروئے کار لا کر سالوں مغز سوزی کی ہے، کچھ نہیں سمجھ سکا سوائے اس کے کہ یہ ایک عجمی تحریک کی سازش کے برگ و بار ہیں۔ ایک طرف کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ ہے۔ اور ایک طرف پیچ در پیچ گھاٹیاں اور بھول بھلیوں سے پُر ناہموار راہیں۔ اور اتنے پُرپیچ موڑ اور خم دینے کے بعد جب سانپ بِل سے باہر نکلا تو آرام طلب، جاہ پسند، عیش و عشرت کے دلدادہ قلوب اور نظریں تو اپنی اغراض کو پورا ہوتے دیکھ کر مسحور و مخمور ہو گئیں۔ مگر جن کے دلوں میں خوفِ خدا کا ایک شمہ بھر بھی تھا۔

انہیں اللہ تعالیٰ نے ان خرافات سے محفوظ رکھا۔

سطور بالا کا ایک بار پھر سرسری طور پر جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے۔ مالکی، شافعی حنبلی اور حنفی سب ہی شاگرد اور الگ الگ مکاتیب کی طرف نسبتیں تھیں۔ جس طرح آج کل جماعتی۔ رضوی۔ ندوی۔ دیوبندی۔ بریلوی نسبتیں ہیں۔ یا جیسے نقشبندی، چشتی، سہروردی اور قادری اصطلاحیں اور نسبتیں مروج ہوئیں ان کا بھی رواج ہو گیا۔ مگر ان میں سے اوّل الذکر تینوں مذاہب کی بنیاد چونکہ قرآن و حدیث پر تھی اس لیے ان میں اس قدر اختلاف آج تک نہیں پایا جاتا جس قدر حنفیت میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کی بنیادی وجہ امام ابو حنیفہ کے اپنے حالاتِ زندگی کی روشنی میں چونکہ ذاتی اغراض، نام و نمود اور شہرت پر مبنی تھے لہٰذا حنفی مقلدین میں یہ صفت بانی کی نسبت پیروکاروں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔

آگے بڑھ کر جاہل مقلدوں نے ایسے بے بنیاد مسائل اختیار کیے جن کا فقہ سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ اور ان کے جب بھی کسی غلط اختیار کردہ مسئلہ پر اصلاح یا درستی کی کوشش کی گئی تو توبہ، واہی واہی کی چیخ و پکار سے آسمان سر پر اٹھا لیا گیا۔

ذبیحہ علی النصب، ذبیحہ لغیر اللہ، طوافِ قبور، قبور سے حاجت روائی، نذور لغیر اللہ، المدد یا حضرت شاہ نقشبند، یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ اور اسی قسم کی دیگر مشرکانہ باتوں سے فقہ حنفی بھی مانع ہے۔ مگر ایسے امور سے چونکہ ایک مخصوص طبقہ کی نفسانی خواہشات پوری ہوتی تھیں اس لیے جہلا مقلدین کو اس ڈگر پر چلتا دیکھ کر دینِ اسلام میں بھی احبار و رہبان پیدا ہو گئے۔ یا یوں سمجھ لیجیے کہ اوّل احبار و رہبان پیدا ہوئے اور پھر انہوں نے دین کے نام پر ایسا جہلا کا طبقہ پیدا کیا جو آج کتاب و سنّت کا نام بھی سننے کے لیے تیار نہیں۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (الزمر : ۴۵)

"اور جب یاد کیا جاتا ہے صرف اکیلا اللہ تو نفرت کرتے ہیں دل اُن لوگوں کے کہ نہیں ایمان رکھتے قیامت پر اور جب یاد کیے جاتے ہیں وہ لوگ سوائے اللہ

کے ہیں تب وہ لوگ خوش ہوتے ہیں"۔

امام ابُو حنیفہؒ کے اقوال :

یہ لوگ آئمہ اربعہ کے ان اقوال کو بھول گئے۔ بھول ہی نہیں گئے بلکہ ارادۃً ان سے انحراف کیا۔

ابنِ قیم امام ابُو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: " لا یحل لاحد ان یقول بقولنا حتی یعلم من این قلنا۔ (قول الحمید)

حرام علیٰ من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی " جب تک میری بات کی دلیل معلوم نہ ہو میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے"۔ مطلب یہ کہ امام ابو حنیفہؒ کے ان اقوال پر ہی فتوے دینا جائز ہے جن کا ثبوت قرآن اور حدیث سے ہو۔ اور جو باتیں قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ان کے مطابق فتوے دینا حرام ہے۔ پھر بر عکس حکیم نے بتایا ہے کہ فتویٰ تو قرآن و حدیث کے مطابق دیا جائے اور ثبوت امام ابو حنیفہؒ کے ذریعے ڈھونڈا جائے۔ گویا دائیں کان کو ہاتھ لگانے کے لیے بائیں طرف سے گھما کر دائیں کان کو لگایا جائے۔ سیدھا ہاتھ لگانا منع ہے۔ اور پھر اگر بات قرآن و حدیث پر ہی ختم ہے تو فقہ حنفی کے اس لاطائل ہفوات کا مقصد؟

امام ابو حنیفہ کا تیسرا قول ہے کہ " میرا قول قرآن کے خلاف ہو تو اُسے چھوڑ دو۔ لوگوں نے پُوچھا حدیث کے خلاف ہو تو پھر کیا کریں۔ فرمایا اُسے بھی چھوڑ دو۔ پھر پوچھا صحابہ کے فرمان کے خلاف ہو تو پھر کیا کریں۔ فرمایا تب بھی چھوڑ دو"۔ (روضۃ العلما بخفۃ التجید)

آپ کا چوتھا قول " جب دیکھو کہ ہمارے اقوال قرآن و حدیث کے خلاف ہیں تو قرآن و حدیث پر عمل کرو"۔ واضربوا بکلامنا علی الحائط " اور ہمارے اقوال کو دیوار پر دے مارو" (میزانِ شعرانی)

آپ کا پانچواں قول جو آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے " اذا صح الحدیث فھو مذھبی " صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے ان اقوال سے دو امر مستنبط ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کا

علم یقینی اور قابلِ حجت نہیں۔ گر یقینی اور قابلِ حجت ہوتا تو آپ فرماتے کہ میں نے یہ تمام احکام قرآن و حدیث سے بطرزِ یقینی اخذ کیے ہیں انہیں مضبوطی سے پکڑو۔ دوسرے یہ کہ اُس وقت اہلحدیث کی جماعت بطور ایک مذہب کے موجود تھی۔

اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اہلحدیث ایک نیا فرقہ ہے وہ اپنے امام کے قول کو غور سے پڑھیں :

ظفرالامانی میں امام ابو حنیفہ کا ایک اور قول موجود ہے " ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبالراس والعین " یعنی حدیث سے جو کچھ ثابت ہو وہ میرے سر آنکھوں پر۔

امام ابو حنیفہ کے اس قول کے مطابق برادرانِ احناف کو تو یہ چاہیے تھا کہ وہ حنفی فقہ اور قرآن و حدیث میں جہاں ٹکراؤ پاتے فقہی مسائل سے فوراً رجوع کر کے کتاب و سنت کے دامن میں پناہ لیتے۔ لیکن آج تک ہزاروں اختلافی مسائل میں انہوں نے امام ابُو حنیفہ کے حکم کے باوجود قرآن و حدیث سے انحراف کو ہی اپنا سرمایہ جاودانی سمجھ رکھا ہے۔

شیخ محی الدین نے فتوحاتِ مکیہ میں سنداً بیان کیا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا لوگو! دین میں رائے سے کوئی بات کہنے سے بچو۔ اور سنت کی پیروی کو لازم پکڑو۔ کیونکہ جو سنت سے نکل گیا وہ گمراہ ہو گیا (میزان شعرانی)

اقول :۔ امام صاحب اتباعِ سنت پر زور دیتے ہیں اور یہی بات اہلحدیث کہتے ہیں۔

آٹھواں واقعہ :۔ کوفہ میں ایک شخص دانیال کی کتاب لے کر آیا تو امام ابو حنیفہؒ اور دُوسرے لوگ اُس کے قتل کے درپے ہو گئے اور کہنے لگے کیا قرآن و حدیث کے علاوہ کوئی اور کتاب بھی (دین میں) ہے۔ (میزان شعرانی)

اقول :- امام صاحب قرآن و حدیث کے علاوہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کوئی دُوسری کتاب دیکھ کر بھی برداشت نہ کر سکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امثالِ لُقمان پیش کیے گئے تو آپ نے قرآن پیش کیا۔ آپ کے سامنے نوبت پڑھی گئی تو آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی کتاب پیش کی گئی تو آپ نے کھجور کے خوشے سے اُسے پیٹا اور ہمارے حنفی بھائی آج قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کے مقابلہ میں طلباء کے سالہا سال فقہ کے مَن گھڑت مسائل پر خرچ کر دیتے ہیں۔ ہمارے عربی مدارس میں عقائد جیسے ضروری علم میں جو ہماری تعلیم کا ناگزیر حاصل ہوتا ہے صرف شرح عقائد نسفی پڑھائی جاتی ہے جس کی نسبت نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ نہ تو نقلی حیثیت سے قابلِ اعتبار ہے نہ عقلی حیثیت سے تسلی بخش۔ جس نے ذرا ہمت کر کے قدم آگے بڑھایا وہ شرح مواقف کی بھُول بھلیوں میں گم ہو گیا۔ اس سے آگے قدم رکھنے والے دُوانی۔ طوسی۔ خیالی، ورسیالکوٹی کے ذہنی طلسمات اور نیرنجات میں اُلجھ کر رہ گئے۔ بتا۔ یہ دین کہاں گیا۔ قرآن و حدیث کا مقام کیا رہا۔ پھر اگر قرآن و حدیث ہی نہیں تو مسلمانی کہاں رہی ؟

یہ ایک ٹھوس اور واضح حقیقت ہے کہ دیوبند جیسی عظیم الشان درسگاہ میں بھی سات آٹھ سال انہیں چکروں کی بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں۔ اور آخر میں کہیں جا کر حدیث کی باری آتی ہے اور سب سے آخر میں جا کر کتاب اللہ کا نمبر آتا ہے جو کہ جلالین اور بیضاوی کی سورۂ بقرہ تک ختم ہو جاتا ہے۔

نواںؔ قول :- امام ابُوحنیفہؒ نے کہا میری تقلید نہ کرنا۔ اور نہ امام مالکؒ کی اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا۔ اور احکامِ دین وہاں سے لینا جہاں سے اُنہوں نے لیے ہیں۔ یعنی کتاب وسنّت سے (تحفۃ الاخیار فی بیان الآثار)

اقول :- یاد رکھیے یہاں امام ابوحنیفہؒ نے اپنی تقلید سے صاف منع کر دیا ہے اور کتاب وسنّت پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ مگر کیا نہیں ؟ کسے کہیں ؟ کن لفظوں میں کہیں ؟ کس طریقہ سے سمجھائیں، اس حنفی کی شاگردانہ نسبت والوں کو جنہوں نے اپنے ہاں سے حنفی مذہب

بنا کر توحید سے لے کر طہارت تک کے مسائل میں اپنی من مانی کو مروّج اور شائع کر رکھا ہے۔

اب ذرا تحقیق، غور اور انصاف سے ہٹ دھرمی اور ضد کو چھوڑ کر یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ کا اپنے مذہب کے متعلق جو خیال ہے کیا آپ کے مقلدین اس پر کاربند ہیں۔ جواب صاف نفی میں ہے، تو لامحالہ :

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

فقہ حنفی کی تدوین :

اور وہ پردہ داری صاف ظاہر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ حنفی کی تدوین امام صاحب کی وفات سے تقریباً پونے تین سو سال بعد شروع ہوئی۔ اور بارھویں صدی ہجری تک جاری رہی۔

فقہ حنفی کی پہلی کتاب قدوری ۴۲۸ھ میں لکھی گئی۔ مصنف : احمد بن محمد بن احمد بغدادی

ھدایہ : ۵۹۳ھ میں، مصنف :- بُرھان الدین علی بن ابُوبکر مرغینانی

مُنیۃ المصلّی : ساتویں صدی ہجری میں

کنزالدقائق : ۷۱۰ھ میں، مُصنّف :- ابُوالبرکات عبداللہ بن احمد المعروف حافظ الدین نسفی

شرح وقایہ : ۷۴۵ھ میں، مصنف :- عبداللہ بن مسعُود محبوبی

دُرِّ مُختار : ۱۰۷۱ھ میں، مصنف :- محمد علاء الدین شیخ علی حصنی

فتاویٰ عالمگیری : ۱۱۱۸ھ میں چند مجہول الحال لوگوں نے مُرتّب کیا۔

آخر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی مصنف تفسیر مظہری نے ۱۲۲۵ھ میں مالابُدّمنہ فارسی میں اور سب سے آخر تھانوی صاحب نے بہشتی زیور اردو میں لکھی۔ قدوری سے فتاویٰ عالمگیری تک تمام عربی زبان میں لکھی گئیں اور ان کے ساتھ ساتھ ہی قاضی خاں کا فتاویٰ۔ فتاوی تاتارخانیہ۔ فتاویٰ بزازیہ وغیرہ بھی معرضِ وجود میں آئے۔

دسواں قول :- امام ابُوحنیفہ فرماتے تھے کہ لوگ ہدایت پر رہیں گے۔ جب تک کہ ان میں حدیث کے طلباء ہوں گے۔ جب حدیث کو چھوڑ کر اور علم حاصل کریں گے تو

بگڑ جائیں گے۔ (میزان شعرانی)

قولہ :- موجودہ اسلامی مدارس آپ کے سامنے ہیں۔

گیارھواں قولہ :- آثار اور طریقۂ صالحین پر جم جاؤ۔ اور ہر ایک نئی بات سے بچو کہ وہ بدعت ہے کسی نے پوچھا کہ لوگوں نے عمل بالحدیث چھوڑ دیا ہے اور اس کو صرف تبرکاً پڑھتے ہیں۔ فرمایا کہ ان کا حدیث پڑھنا بھی عمل بالحدیث ہے۔ (میزان)

اقول :- آپ کا یہ ارشاد کہ ہر نئی بات بدعت ہے احناف کے لیے سُرمۂ بصیرت بننا چاہیے تھا۔ اور سائل کے جواب میں آپ کا حدیث کو پڑھنا عمل بالحدیث کہنا آج کے مدارس میں کہاں گیا؟

بارھواں قولہ :- "ضعیفُ الحدیث احبّ الی من آراءِ الرّجال" لوگوں کی رائے کی نسبت مجھے ضعیف حدیث زیادہ محبوب ہے۔ (ردّ المختار)

مندرجہ بالا اقتباسات سے تو صاف نظر آتا ہے کہ امام صاحب کی ذات سے ایسی باتوں کو منسوب کرنا جو قرآن و حدیث سے مطابقت نہیں رکھتیں، یہ صریحاً امام صاحب پر زیادتی ہے۔ ایقاف علی سبب الاختلاف میں مولانا محمد حیات سندھی حنفی اور دراسات اللبیب میں مُلّا معین حنفی فرماتے ہیں کہ کوئی قول امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے چونکہ یہ سب (عند ابو حنیفہ) بناوٹی اور من گھڑت ہیں اور متاخرین کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں جو سلف صالحین پر تھوپ دی گئی ہیں۔ اور ان کا فساد ظاہر ہے۔

اقول :- یہی بات تو ہم کہتے ہیں کہ اوّل تو فقہ حنفی سرے سے ایک غیر ضروری اور تضیعِ اوقات اور تشتت و افتراق پر مبنی فن یا علم ہے۔ اور دوسرے یہ کہ امام صاحب کی وفات سے پونے تین سو سال بعد ایک مسئلہ لکھ کر عند ابو حنیفہ لکھ دینا کتنی مہمل اور لغو بات ہے۔ دراسات اللبیب صفحہ ۲۹۱ پر مُلّا معین حنفی لکھتے ہیں "تحقیق وہ قیاس جو صاف صاف کھلے ہوئے نہیں ہیں جن سے حنفیہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ اکثر ان کی سند امام ابو حنیفہ تک نہیں پہنچی" لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

میں آگے چل کر تدوینِ حدیث کے ضمن میں اسماء الرجال، روایت کے طرز

اور درایت کے فن کے متعلق اجمالاً تحریر کروں گا۔ مگر فقہ حنفی کے متعلق یہ امر قابلِ غور ہے کہ فقہ کی تمام کتابوں میں ہر مسئلہ کے بعد عند ابو حنیفہ یا عند ابو یوسف یا عند ذفر یا عند محمد یا عند شیخین وغیرہ کا سنداً کیا ثبوت ہے۔ اوّل تو یہ بات ہی قابلِ توجہ ہے کہ تقلید شخصی کو اگر واجب قرار دیا گیا ہے تو ابو یوسف، ذفر یا شیخین وغیرہ کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ اپنی آراء پیش کریں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کے اور امام صاحب کے یہ مسائل اور احکام تین سو سال کے بعد کس طرح صحیح حالت میں صاحب قدوری یا صاحب ہدایہ نے قلم بند کر کے مروّج کیے۔

حدیث کے فن پر تو جرح و تعدیل ہو۔ مگر کسی زید بکر کے عند ابو حنیفہ کہنے کے بعد ہم اُسے حرفِ آخر اور کلامِ ناطق سمجھ لیں یہ کونسی تُک ہے :

ع دل صاحبِ ادراک سے انصاف طلب ہے،

حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے واقعی ایک مدرسہ قائم کر کے درس و تدریس کی بنیاد ڈالی۔ اور وہ ہر موقع پر کہتے رہے کہ چونکہ مجھ تک علمِ حدیث نہیں پہنچا اس لیے "اُترکوا قولی بخبر رسول اللہ" میری بات کو نبی علیہ السلام کی باتوں کے مقابلہ میں ترک کر دینا۔ مگر یارانِ طریقت کے ذہنی زاویے اور تخیلاتی راہوار بہت بلند پایہ تھے۔ انہیں ایک حربہ نقد آچکا تھا۔ انہوں نے اِس حربہ کی مدد سے خوب طبع آزمائی کی اور ضیافتِ کام و دہن کے لیے اپنی طبعِ رسا سے خوب کام لیا۔ اُمت کی بدبختی سے امام صاحب کو ایک نہایت غریب مگر ذہین شاگرد میسر آگیا۔ جس نے آگے چل کر عجیب عجیب گُل کھلائے۔

صفحاتِ بالا میں امام صاحب کے امیرانہ مزاج اور نفاستِ طبع کے متعلق بھی آپ روشناس ہوئے۔ علمِ دین کی نسبت امام صاحب کے فقہ کی طرف راغب ہونے کے اسباب بھی آپ نے ملاحظہ کیے، اور پھر اس کے بعد امام صاحب کے اقوال بھی آپ نے پڑھے ہیں۔ ان تمام باتوں سے سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ فقہ کا تمام سرمایہ اور امام صاحب کی طرف منسوب اقوال اور غرضیکہ امام صاحب کی زندگی کے حالات اِک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

دیگر آئمہ کے اقوال :

معن بن عیسٰی سے مروی ہے کہ انہوں نے امام مالکؒ کو کہتے سُنا کہ :

" إنما أنا بشر أخطئ وأصيب فانظروا في رأيي فكلما وافق الكتاب والسنة فخذوا به وما لم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه "

امام شافعیؒ کا قول ہے " ما قلت وكان النبي صلى الله عليه وسلم قد قال بخلاف قولي فما صح عن النبي صلى الله عليه وسلم أولى ولا تقلدوني وإذا صح خبر يخالف مذهبي فاتبعوه واعلموا أنه مذهبي "

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے " لا تقلدني ولا مالكا ولا الشافعي ولا الثوري وخذ من حيث أخذوا "

یہاں امام احمد بن حنبلؒ نے امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا۔ حالانکہ یہ امام احمد بن حنبل سب سے بعد ہوئے ہیں۔ کیا اس سے یہ مقصد نہیں کہ امام مالکؒ اور شافعیؒ اور ثوریؒ کے مذاہب کی بنیاد تو قرآن و سنّت پر ہے۔ اگر قرآن و سنّت سے مسائل کے استنباط میں غلطی ہو جائے تو اُسے ترک کر دیا جائے۔ مگر جس مذہب کی بنیاد ہی قیاس و رائے پر ہو اُس کے متعلق کیا کیا جائے۔ کہ وہ کیا چھوڑیں اور کیا پکڑیں؟ فافھم فتدبر۔

سطور بالا سے واضح ہو گیا کہ مخصوص امام کی تقلید قطعاً ناجائز ہے۔ امام ابن تیمیہ حنبلی کہتے ہیں۔ چاروں اماموں سے ثابت ہو گیا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اپنی تقلید سے منع کیا ہے۔ اور یہی حکم دیا ہے کہ جب ان کو کوئی بات کتاب و سنّت سے معلوم ہو جائے، اور ان کے قول سے قوی تر ہو تو وہ اسی بات کو لیں جو کتاب و سنّت سے معلوم ہوئی ہو۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ)

بیشک تمام آئمہ مجتہدین اپنے شاگردوں کو بظاہر کتاب و سنّت پر عمل کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور کہتے تھے جب تم کو کوئی بات کتاب و سنّت سے معلوم

ہو جائے تو ہماری بات کو دیوار پر دے مارو۔" (میزان شعرانی مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴)

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں " تمام مجتہدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

" بیشک تمام جماعتِ فقہاء نے اپنی تقلید اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے۔"
(عقد الجید مطبوعہ صدیقی لاہور صفحہ ۴۲)

جلال الدین سیوطی کہتے ہیں " ہرگز نہیں روا رکھا مالکؒ، ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ نے کسی کے لیے اپنی تقلید کو بلکہ انہوں نے منع کیا اس سے اور کسی کو اس بات میں ڈھیل نہیں دی۔" (کتاب الرد علی من اخلد الی الارض)

الغرض کہاں تک انسان ایسے حوالوں کا استنباط کر سکتا ہے اور پھر اتنے اقوال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جبکہ آئمہ اربعہ کے اقوال ہمارے سامنے موجود ہیں۔ سوچنے، سمجھنے اور غور کرنے والی بات صرف یہ ہے کہ آخر کتاب و سنّت پر عمل کرنے کی بجائے ہم کیوں مخصوص افراد کے ایسے اقوال کو حرزِ جان بنائے رکھیں جنہوں نے بارہا خود اپنی زبان سے اپنی تقلید سے روکا ہو۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ - (بقرہ : ۱۶۶، ۱۶۷)

" جب تابعداری کرنے والے جن کی تابعداری کرتے تھے ان سے بیزار ہو جائیں گے اور ان کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے تو کہیں گے کاش کہ ہمیں ایک بار پھر موقع ملے تو ہم ان سے اس طرح بیزار ہوں جس طرح وہ آج ہم سے بیزار ہوئے ہیں۔ اسی طرح اللہ ان کے حسرت ناک اعمال اُن کو دکھائے گا۔ اور وہ جہنم سے چھٹکارا نہیں پائیں گے۔"

تقلید کے معنی :

۱ - گردن بند در گردن انداختن و کار بعهدہ کسے راختن و بر گردن خود کار گرفتن (غیاث اللغات)

۲ - غیر کا قول بغیر ثبوت قبول کرنا۔ گویا مقلد کا کسی کے قول کو بغیر ثبوت کے قبول کرنا۔ (شرح قصیدہ امالی)

۳ - قولِ غیر پر بلا دلیل عمل کرنا۔ (مسلم الثبوت بحر العلوم)

۴ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف تقلید نہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کی باتوں پر عمل کرنا ہے جن کا قول چاروں شرعی حجتوں میں سے نہ ہو۔ (عقد الفرید)

۵ - کسی کے قول کو اس کے جاننے کے بغیر اس پر عمل کرنا۔ (شرح جمع الجوامع)

۶ - تقلید کے معنی ہیں ایسے شخص کی طرف رجوع کرنا جس کا قول حجت نہیں۔ (اعلام الموقعین)

قلادہ کے لفظی معنی ہیں چمڑے یا رسی کا وہ ٹکڑا جو کسی جانور یعنی اونٹ یا کتے کے گلے میں باندھا جاتا ہے۔ اور جب کسی جانور کے گلے میں قلادہ باندھ دیا گیا تو وہ جانور مالک کی مرضی کے بغیر کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ یہی حال مقلدین کا ہے۔ جو ان کے امام نے کہہ دیا وہ حرفِ آخر ہو گیا۔ اب نہ قرآن کی ضرورت نہ حدیث سے غرض۔ بس اندھا پن اور تقلید ہی تقلید۔

کیا تقلید کی ضرورت تھی یا ہے ؟ :

اللہ تبارک و تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے " اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا " آج کے دن میں نے اپنا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کی پوری نازل کر دیں۔ اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کر دیا۔

یہ ارشاد کب نازل ہوا ؟ اس کا شانِ نزول کیا ہے ؟ ذرا اس کے پس منظر کی طرف جھانکیے۔ حجۃ الوداع کا موقع ہے۔ عرفات کے میدان میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ

فرزندانِ اسلام مئے توحید سے سرشار تشنگے سر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مقدس سے خطبہ سن رہے ہیں۔ اس سطحِ ارضی پر نہ اس سے پہلے ایسا مقدس مجمع اکٹھا ہوا اور نہ قیامت تک ہونے والا ہے۔ نبی اپنی پوری شانِ جلالت سے میدانِ عرفات کے بلند ترین ٹیلے پر پشتِ ناقہ پر رونق افروز ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے لوگو ! گواہ رہو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام حرف بحرف تمہیں پہنچا دیا ہے۔ جواب ملتا ہے " بلیٰ یا رسول اللہ "! نبی اکرم تین بار انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف بلند کرتے اور جھکاتے ہیں اور کہتے ہیں " اے خدا تو گواہ ہے کہ میں نے تیرا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے ہیں تم لوگ جو اس وقت یہاں موجود ہو یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ اور وہ اسی طرح یہ پیغام قیامت تک آگے پہنچاتے رہیں۔ اس آخری خطبہ پر رب اللہ تعالیٰ نے جس انعام سے نوازا وہ یہی تھا۔ نعمتیں اور پوری کی پوری، رضامندی کامل مگر دینِ اسلام سے وابستگی پر۔

اب بتائیے باقی کیا رہ گیا ؟ یہاں دینِ اسلام کی تکمیل ہو گئی، اور نعمتوں کا اتمام ہو گیا گویا کہ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً کے بعد ہی ہم اتمام نعم کے حقدار قرار پائیں گے۔

مکمل دین میں فقہ حنفی کی گلکاریاں

ہاں اگر اس منزل پر کمی رہ گئی تو وہ صرف اس مسخرہ پن کی کمی رہ گئی کہ مکمل دینِ اسلام میں اس قسم کے شوشے چھوڑ کر عوام کو راہِ راست سے بھٹکانے کے لیے انہیں پھیلا کر ذہنوں کو منتشر اور پراگندہ کیا جاتا :

۱ - ابوبکر و دیگر خلفائے راشدین کو شہید کرنے والا مسلمانی سے نہیں نکلتا۔
(شرح فقہ اکبر۔ ملا علی قاری حنفی)

۲ - نکسیر بند کرنے کے لیے اس کی پیشانی پر خون یا پیشاب سے قرآن لکھنا جائز ہے
(ردّ المختار۔ فتاویٰ قاضی خان۔ عالمگیری)

۳- بکری کا بچہ سؤرنی کے دُودھ پر پالا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ (غایۃ الاوطار)

۴- گدھی کا دُودھ پاک ہے۔ (منیۃ المصلّی)

۵- سؤر کا چمڑہ رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ (منیۃ المصلّی۔ ھدایہ۔ شرح وقایہ)

۶- کُتّے یا گیدڑ کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے تو پاک ہیں۔ (قاضی خان۔ منیۃ المصلّی)

۷- حرام جانور کو ذبح کر کے اُن کی ہڈیوں کا ہار پہن کر نماز پڑھنی درست ہے۔ (منیۃ المصلّی)

۸- نماز میں سلام پھیرنے کی بجائے گوز مار دے تو نماز درست ہے۔ (ھدایہ۔ شرح وقایہ۔ کنز)

۹- دُبر میں اُنگلی ڈال دے اگر وہ خشک نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ (قاضیخان۔ غایۃ الاوطار)

۱۰- ہاتھ پر پلیدی لگ جائے مثل گوہ وغیرہ کے تو اُسے تین بار چاٹ لینے سے ہاتھ پاک ہو جاتا ہے۔ (قاضی خان۔ منیۃ المصلّی۔ نور الھدیٰ۔ غایۃ الاوطار)

۱۱- شراب میں چوہا گر کر پھٹ جائے تو شراب کا سرکہ بنا کر استعمال کر لینا جائز ہے۔ (فتاوٰی قاضی خان)

۱۲- جس ملک کے کافروں سے مسلمانوں کی جنگ ہو اس ملک کے کافروں سے سُود لینا جائز ہے۔ (ھدایہ)

۱۳- مُشت زنی سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (قاضی خان۔ غایۃ الاوطار)

۱۴- تسکین کی غرض سے مُشت زنی جائز ہے۔ (قاضیخان۔ ردّ المختار۔ فتاوٰی برھنہ)

۱۵- چوپائے۔ نابالغ لڑکی۔ مُردہ عورت سے بدفعلی کرے اور انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (قاضی خان۔ منیۃ المصلّی)

۱۶- ذکر پر کپڑا لپیٹ کر روزہ کی حالت میں صحبت کرنے سے نہ روزہ کی قضا ہے اور نہ غسل کی ضرورت۔ (فتاوٰی برھنہ)

۱۷- غیر مکلف مرد کسی مکلف سے زنا کرے تو دونوں پر حدِ شرعی نہیں۔ (غایۃ الاوطار)

۱۸- فرج کی رطوبت پاک ہے۔ (غایۃ الاوطار)

۱۹- لونڈی کسی کے پاس رہن کر دی۔ اور مُرتہن نے اس سے زنا کیا تو اس پر حدِ شرعی نہیں۔ (ھدایہ)

۲۰- روزہ کی حالت میں سوئی ہوئی یا دیوانی عورت سے جماع کیا تو دونوں پر روزہ کا کفارہ نہیں۔ (فتاوٰی قاضی خان۔ غایۃ الاوطار)

۲۱- ایک شخص انتہائے مغرب میں ہے۔ عورت انتہائے مشرق میں۔ دونوں کے درمیان ایک سال کی راہ ہے۔ ان دونوں کا کسی طرح نکاح ہو گیا۔ اب وُہ دونوں صحبت نہیں کر سکے مگر عورت کے ہاں چھ ماہ میں ہی لڑکا پیدا ہو گیا۔ تو وُہ لڑکا صحیح النسب متصوّر ہو گا۔ اور یہ بات اس مرد کی کرامت سمجھی جائے گی۔ (غایۃ الاوطار۔ فتح القدیر)

۲۲- بچّے کو گود میں رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ مگر کُتّے کے پلّے کو ذبح کر کے اس کا گوشت پاس رکھے تو درست ہے۔ (منیۃ المصلّی۔ قاضیخان۔ صلٰوۃ الرحمٰن)

۲۳- گونگے پر زنا کی حد نہیں۔ (غایۃ الاوطار)

۲۴- فرج کے علاوہ ران۔ بغل یا ناف میں وطی کی انزال نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (غایۃ الاوطار۔ کنز)

۲۵- کوّا دانہ کھانے والا حلال ہے۔ (نُور الھدایہ۔ شرح وقایہ۔ فتاوٰی رشیدیہ)

۲۶- لکڑیاں۔ گھاس۔ گوشت۔ دُودھ۔ میوہ۔ کھڑی فصل۔ مسجد کا دروازہ۔ قرآن مجید۔ کسی کا لڑکا۔ کسی کا مال لُوٹنا۔ کفن چرانا۔ بیت المال سے چوری وغیرہ پر حدِ شرعی نہیں۔ (شرح وقایہ۔ نور الھدایہ)

۲۷- بسم اللہ کو قرآن کی آیت نہ سمجھنے سے کوئی گناہ نہیں۔ (نور الانوار)

۲۸- ذبح جانور میں مُردار کا گوشت مل جائے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ (شرح وقایہ۔ نور الہدیٰ)

۲۹- نابالغ لڑکی سے نکاح کر کے صحبت کی اور طلاق دے دی۔ لڑکی نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کیا اُس سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اب پہلا مرد اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ ایسے ہی نابالغ لڑکا اپنے باپ کی جورو سے نکاح کر لے تو وہ بھی جائز ہے۔

۳۰- اصیل کو جبرًا باندی بنا کر زنا کرنے سے حدِ شرعی نہیں۔ (غایۃ الاوطار)

۳۱- امام یا خلیفہ پر زنا کے جُرم میں حدِ شرعی نہیں۔ (غایۃ الاوطار)

حجۃ الوداع کے خطبہ پر وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا - کی تعبیر اگر یہی حرام کا حلال کرنا۔ عیاشی، سہل پسندی اور بے راہروی تھا تو معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ تبلیغی زندگی محض من مانی کھیلنے والوں کے لیے راہ ہموار کرنا تھا۔

جن لوگوں نے اپنی قیمتی زندگیاں ان ہفوات بے سروپا کی نذر کیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نیتوں کا علیم و خبیر ہے کہ ان کی نیتیں کیا تھیں مگر ہم سطحی نظر سے دیکھنے والے بے بصیرت سے لوگ، سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھ سکے کہ کوفہ کے مدرسہ میں ان افکار و تصورات کی بنیاد رکھی گئی کہ دینِ اسلام کا جس قدر حلیہ بگاڑا جا سکے بگاڑا جائے۔ دینِ اسلام کی پاکیزگی، نظافت، طہارت اور صفائی میں جس قدر گند، غلاظت، ناپاکی اور کوڑا کرکٹ ملایا جا سکے ملایا جائے۔ تا آنکہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے لا الٰہ الا اللہ بھی کہتے رہیں اور صراطِ مستقیم سے بھی دُور ہوتے چلے جائیں۔ آخر اس لاطائل سرمائے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دینِ اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ قرآن مجید نے اس قسم کی تمام کُرید سے منع کیا تھا کہ یعنی جس چیز کی ضرورت ہی نہیں اس کے متعلق سوال ہی نہ کرو۔

اس قسم کی متعدد تصریحات تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں کہ جب کسی نے کوئی ایسی بات پوچھی جو ابھی وقوع پذیر نہ ہوئی تھی تو رسول نے ایسے سائل کو جھڑک کر رکھ دیا۔

لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم کی تفسیر میں حافظ ابنِ کثیر سے لے کر قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تک سب ہی متفق ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوالات کے ذریعے گھیر لیا، آپ کو غصہ آیا اور آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں نے ہر جہت سے غور کر کے جس چیز کو آج بیان کر دیا ہے اس کے متعلق مجھ سے سوال نہ کرو۔ اس پر ہر آدمی اپنے کپڑے میں سر چھپا کر رونے لگا......

آخر حضرت عمرؓ بولے: "رضینا باللہ ربًّا و بالاسلام دینًا و بمحمدٍ رسولاً و نعوذ باللہ

من الفتن (گویا غیر متعلق باتیں پوچھنا حضرت عمرؓ کے نزدیک فتنہ تھیں) (ح)

ان تبد (تظہر) لکم تسؤکم (عاینۃ من المشقۃ) جلالین

یعنی جتنا کُرید کُرید کر پوچھا جائے گا سختی بڑھتی جائے گی۔ تو کیوں نہ یرید اللہ بکم الیسر کے مصداق ہم اپنے لیے دین کو آسانی کی صورت میں ہی رہنے دیں۔

ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ لوگ مذاق کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے تھے۔ تب ارشاد ہوا لا تسئلوا عن اشیاء الخ بہرحال اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق حج یا بحیرہ یا سائبہ یا ایک شخص کا یہ پُوچھنا کہ میرا باپ کون تھا کچھ بھی ہو آخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے کو مٹانے کا موجب فاروقِ اعظمؓ کے کلمات تھے۔ ذرا خدا لگتی کہیے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی باتیں بھی برداشت نہیں فرما سکے تو فقہ حنفی کے مندرجہ بالا اقتباسات ذرا آنکھیں کھول کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب جاننے والے پیش کر کے جواب کا تصور کریں۔ لاحول ولا قوۃ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ "آپ ان باتوں کے پیچھے نہ پڑیے جن کا آپ کو علم نہیں۔" اور یہاں ہر زید، بکر، خالد جو جس کے جی میں آئے کہتا ہے۔ اور ہر پیچھے والا (مقلد) اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اگر دینِ اسلام کی تعبیر و تفسیر یہی ہے تو ایسے دین سے ہزار بار توبہ۔

تقلید کب شروع ہوئی؟ :

۱- جان لو کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے کے لوگ کسی ایک مذہب پر متفق نہ تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

۲- یہ تقلیدِ بدعت چوتھی صدی ہجری میں جاری ہوئی۔ اور اس زمانہ کی مذمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکی ہے۔ (اعلام الموقعین)

۳- تبع تابعین دو سو برس تک زندہ رہے۔ بس اس وقت سے یہ بدعتیں پھیلنے...

لگیں۔ (فتح الباری، باب فضائل اصحاب النبی)

۴۔ آئمہ اربعہ پہلوں کے طریقہ پر تھے۔ کسی خاص شخص کا مذہب مقرر نہ تھا۔ (الارشاد)

۵۔ چوتھی صدی ہجری میں پہنچ کر اجتہاد نے ایک پُرپیچ نظریہ کی شکل اختیار کر لی۔ اِس میں بڑا دخل علمائے متاخرین کا تھا جنھوں نے اُمت میں شاگردانہ نسبتوں کو مذاہب کی شکل میں پختہ کرنے کا راستہ اختیار کیا۔ اور علمی ضعف انحطاط اور انتشار کی کیفیات سے پورا پورا فائدہ اُٹھا کر نا اہل افراد کے لیے کتاب وسنت کے دروازے بند کر کے اجتہاد کا دروازہ بھی بند کر دیا۔ خواہ اس سے ان کی غرض یہی تھی کہ بے شمار شاگردانہ نسبتوں کے افتراق کی وجہ سے شاید بے شمار فرقے پیدا ہو جائیں۔ لہٰذا ان سب کو صرف آئمہ اربعہ تک محدود کر کے چار مذہب بنا دیے۔ گویا مجتہدین کے طبقے مقرر کر کے مقلدین کو ڈھور ڈنگر بنا کر رکھ دیا۔

اِس کے نتیجہ میں علماء پر بھی ایک جمود طاری ہو گیا اور فقہی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں، لوگوں کی قوتِ فکر ختم ہو گئی۔ نظریۂ تقلید راسخ ہو گیا۔ اور تقلید کے اس نظریہ نے ہر طرف جمود، حسد، افتراق اور سر پھٹول کی گرم بازاری پیدا کر کے اجتہاد کی طرف سے ذہنوں کا رُخ مناظرانہ میدانوں کی طرف پھیر دیا۔ جہاں سے فلسفہ منطق اور علم کلام کی بدعتوں نے سر نکالا اور ایک نئے فتنے کا دروازہ کھُل گیا۔ شیعہ حضرات نے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا۔ اور اہلسنت کے وسیع النظر علماء بھی اجتہاد کو فرض کفایہ سمجھتے رہے۔ مگر ان کی آواز طوطی کی آواز بن کر اس نقار خانہ میں گم ہو گئی۔

امام سیوطی کہتے ہیں: "کہ جب ان لوگوں کو عناد نے اندھا کر دیا تو انہوں نے اجتہاد کا دروازہ ہی بند کر دیا۔" (شرح)

شوکانی کہتے ہیں: "کہ جن لوگوں نے اللہ کے فضل کو بعض لوگوں تک محدود قرار دے کر اُسے سلف کے لیے ہی مختص قرار دیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو جو تمام

بندوں کے لیے تھی محدود کر کے رکھ دی۔" (شرح) اجتہاد کو بند کرنے کا فیصلہ اگر تھا تو وقتی تھا۔ چونکہ عوام پر نا اہل حکمران مسلط ہو گئے تھے۔ اور دُنیا دار عالموں کو اجتہاد کے دروازوں سے گھُس کر گڑبڑ مچانے سے باز رکھنا تھا۔ مگر بعد میں اس جمود کو جاری رکھنے کا مقصد کیا ہے؟

مگر تقلید جامد کے اثرات اس قدر گہرے ہو گئے کہ ہر بادشاہ نے اپنے ہم مذہب عالم کو قاضی مقرر کرنا شروع کر دیا۔ اور ہر فرقہ اپنے ہم مذہب بادشاہ کی شہ پا کر دوسرے فرقہ کو ذلیل کرنے میں منہمک ہو گیا۔ اسلام کی رُوح سے عوام کیا اور خواص کیا دُور ہٹتے چلے گئے۔ کسی ایک خطّہ میں کسی ایک مذہب کے مقلد کی حکومت تھی تو اُس خطّہ کے عوام و خواص اسی مذہب کے مقلد ہو گئے جس نے ذرہ بھر بھی مخالفت میں آواز اُٹھائی اُسے کوڑوں سے پیٹا گیا۔ جیل میں ڈال دیا گیا ملک بدر کیا گیا۔ گویا جو کچھ کسی نے خود اختیار کر رکھا تھا اُس کے خلاف اُس نے نہ قرآن سُنا۔ نہ حدیث سُنی گوارا کی بلکہ اسلام اور دین کو اپنی سمجھ کے مطابق ہی ڈھال کر رکھ دیا۔ امام مالکؒ بن انس طلاقِ مکرہ کے معاملہ میں سر بازار پیٹے گئے۔ اور ان کے بازو اُکھڑ گئے۔ امام احمدؒ بن حنبلؒ کو بغداد کے بازاروں میں گھسیٹا گیا اور کوڑے لگائے گئے عبد العزیز کنانی کی بھی مٹی پلید کی گئی۔ امام ابنِ تیمیہ نے ساری زندگی جیل میں رہے سینکڑوں حق گو علماء کی سر بازار تضحیک ہوتی رہی۔ ان مثالوں سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ کوئی حکمران اپنے مفروضہ مذہب کے خلاف کچھ نہیں سُننا چاہتا تھا۔ پھر انتقال فی المذاہب کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ یوں ہی تفرقے اور جھگڑے ہوتے رہے۔ آخر جب کعبۃ اللہ بھی اس دار و گیر کی لپیٹ میں آیا تو ۶۶۵ھ میں چاروں مذاہب کے چار الگ الگ امام مقرر کیے گئے۔ فتنہ در دین نبی انداختند۔

مصنف فی افتراق الامم علی المذاہب والادیان لکھتے ہیں "کہ جب مصر کی حکومت سلطان ظاہر بیبرس بندقداری کے قبضہ میں آئی تو مصر اور قاہرہ میں چار قاضی مقرر کیے گئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر کعبۃ اللہ میں بھی چار مصلّے قائم ہو گئے" (شرح)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا کا تمسک ختم ہو گیا۔ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کی رُوح فوت ہو گئی۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا کا مقصد تلپٹ ہو گیا "دینِ حق را چار مذہب ساختند"۔

امام شوکانی نے نہایت درد بھرے الفاظ میں کہا تھا: "کعبے میں چار مصلّے بدعت ہیں۔ ملوکِ چراکسہ کے بدترین بادشاہ فرج بن برقوق نے اس بدعت کو جاری کیا مگر اُس زمانے کے اہلِ علم نے اس پر انکار کیا ہے۔" (الارشاد۔ صفحہ ۵۸)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے جو کچھ یہ لوگ آئندہ زمانہ میں کریں گے۔ اطرافِ کعبہ میں بدعت کی وجہ سے ایک ایک طرف کو تقسیم کریں گے۔ اور جس طرف کو اختیار کریں گے اُس کی تفصیل و ترجیح کی دلیلیں لائیں گے۔

بیچارے رشید احمد گنگوہی کے مُنہ سے بھی سچی بات نکل ہی گئی۔ حالانکہ وہ مبتدع امام کے پیچھے نماز پڑھنا بھی ناجائز سمجھتے تھے۔ البتہ چار مصلّے جو کعبہ میں مقرر کیے گئے ہیں لاریب یہ امر زبون ہے۔ کہ تکرارِ جماعت و افتراق اس سے لازم آگیا۔ (ارشاد ص۳۳)

اقول: الغرض کسی صورت میں بھی اس امر کی ضرورت نہ تھی۔ کہ کتاب و سنّت کی صاف اور واضح تصریحات کی موجودگی میں اس قسم کی اُلجھنیں پیدا کی جاتیں اور ہاں اگر فروعات میں امتدادِ زمانہ نے اختلافات پیدا کر دیے تھے تو ان اختلافات کو اسی حد تک محدود رہنے دیا جاتا کہ ہر شخص اپنی صواب دید کے مطابق وظائفِ اسلام پر کاربند رہتا جو اُسے اپنے اسلاف سے ملے تھے۔ مگر جس وقت ان اختلافات کو اَنَا وَلَا غَیْرِی کی ہوا نے بھڑکا کر آتشِ حسد کا ایندھن بنایا تو مناظرانہ ذہنوں نے اپنی غلط باتوں کو دیدہ دانستہ صحیح ثابت کرنے کے لیے سینکڑوں اور من گھڑت باتوں کا سہارا لیا۔ نتیجتًا یہ طومار بڑھتا چلا گیا۔ اب امام ابُوحنیفہؒ بیچارے خواہ مخواہ نشانہ بن کر رہ گئے۔

صاحبِ درِّمختار کسی سے پیچھے تو پکار اُٹھے: "فلعنة ربنا اعداد رمل۔ علی من رد قول ابی حنیفة" یعنی ابی حنیفہؒ کے قول کو رد کرنے والے پر ریت کے ذرّوں

کی تعداد میں لعنت۔"

ولہٗ: فقہ کا کھیت ابُو مسعودؓ نے بویا۔ علقمہ نے سینچا۔ ابراہیم نخعی نے کاٹا۔ حماد نے بھوسی اُڑائی۔ ابُوحنیفہ نے پیسا۔ ابو یُوسف نے گوندھا۔ امام محمدؒ نے روٹیاں پکائیں اور سب کھانے والے ہیں۔

ولہٗ: فقہ کا سیکھنا افضل ہے باقی قرآن سیکھنے سے۔

ولہٗ: دُرِّمختار باذنِ نبوی تالیف ہوئی۔

ولہٗ: دُرِّمختار کی اسناد آنحضرتؐ کے واسطہ سے اللہ تک پہنچتی ہیں (لاحول ولا قوۃ) دُرِّمختار کے مصنف کا نام عبدالنبی تھا۔ اور مقدمہ ہدایہ میں عبدالنبی نام رکھنا کفر ظاہر لکھا گیا ہے۔

یہ سلسلہ اسی قسم کی دُنیا سے گزرتا گزرتا اورنگ زیب عالمگیر تک پہنچا۔ اورنگ زیب سے پہلے تمام مُغل حکمران تورہ چنگیزی پر عمل کرتے تھے۔ تورہ چنگیزی بابر اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ تورہ چنگیزی سلاطینِ مُغلیہ کا دستُور العمل تھا جس کے مقابلہ میں اسلامی احکام مؤثر نہ تھے (حالانکہ مغلوں کو مسلمان ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ افغانوں اور ترکوں کے اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً کا مصداق نہ ہونے کی وجہ سے ان کی پالیسی اور زندگی میں اسلامی تعلیم کی وسعت اور رواداری پیدا نہ ہو سکی۔ عراقی علم نومسلم ترکوں اور افغانوں کا مذہبی شغف حجاز کے مسلمانوں سے کوسوں دُور تھا) یہی تورہ چنگیزی شاہ جہان تک مُغلیہ حکمرانوں کا دستُور العمل رہا۔ اسی نے اکبر کو گمراہ کیا۔ اسلامی قوانین کی گرفت نہ ہونے کی وجہ سے ابُوالفضل اور فیضی بھٹک گئے۔ اسی نے عبدالقادر بدایُونی جیسے مُلّا پیدا کیے۔ مگر اورنگ زیب چونکہ مذہبی آدمی تھا اُس نے اسلامی قانون رائج کیا تو چونکہ ہندوستان کے عوام فقہ حنفی سے متاثر تھے لہٰذا فقہ حنفی کی طرز پر فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا حکم دیا۔ مگر ساتھ ہی علمائے حق کی طرف سے بھی کھٹکا تھا اس لیے پُورے قرآن پڑھنے سے فقہ پڑھنا افضل ہے (عالمگیری) کا اندراج ناگزیر تھا۔ مگر مولوی عبدالہادی لکھنوی حنفی یہ کہنے سے باز رہ سکے: "کہ فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین مجہول اور اس کی

سندات بھی مجہول ہیں ہے

کیا فی الواقع تقلید کی ضرورت تھی؟

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے بعد جو باتیں ایک آدمی پر بطور فرض عائد ہوتی ہیں اور جن کی ادائیگی اس کے لیے ضروری ہوتی ہے، پہلے انھیں ذہن میں لائیے:

۱ - خدا اور رسول ؐ کے حکم کی تابعداری کرے۔ اور ایسا کام نہ کرے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔

۲ - اس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کا علم حاصل کرے تاکہ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹک نہ جائے۔

۳ - کتاب و سنت کا علم حاصل کرنے کے بعد اگر وہ کسی معاملہ میں اپنی بصیرت کی کمی کی وجہ سے عبور کی طاقت نہ پاتا ہو تو حضرت معاذ بن جبل کا واقعہ پیشِ نظر رکھتے ہوئے قیاس و اجتہاد سے کام لے (یہاں اس بات کو بھی ذہن میں رکھیے کہ حضرت معاذ بن جبل کو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس و اجتہاد کی اجازت دی تھی جس وقت دین کے اکثر امور حضرت معاذ کی نظر سے پوشیدہ تھے اور قرآن بھی مکمل نازل نہیں ہوا تھا۔ مگر آج قرآن مکمل طور پر ہمارے سامنے موجود ہے اور احادیث کا ذخیرہ بھی۔ لہٰذا اب ہر بات پر حضرت معاذ کے واقعہ کو چسپاں کر کے اجتہاد و قیاس کے دروازے کھولتے رہنا دین سے محض استہزاء ہے)

لیکن یہ قیاس و اجتہاد ہو کیسا؟ بالکل قرآن و حدیث کی روشنی میں (نہ کہ فقہ حنفی کی ہفوات کی صورت میں)

۴ - مگر قرآن و حدیث کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ مرتبہ سونپ دینا کہ اس کے تمام اجتہادی اقوال اور فیصلے ہی حرفِ ناحق ہیں جو اس نے بیان کیے ہیں خواہ وہ صریحاً کتاب و سنت کے خلاف ہوں صریحاً شرک ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ الخ۔ قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب تک اپنے تمام مابہ النزاع امور میں آپ کو ہی حکم تسلیم نہ کر لیں، پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پورے طور پر اسے مان لیں۔

الغرض جو لوگ کتاب و سنت کے مقابلہ میں آئمہ اربعہ کی طرف منسوب اجتہادی مسائل کی پابندی فرض سمجھتے ہیں وہ بالواسطہ گویا اس بات کا ثبوت اپنے آپ ہی بہم پہنچاتے ہیں کہ ان کا دین نامکمل اور ناقص ہے۔ یا وہ مقامِ نبوت سے قطعی بے بہرہ اور ناواقف ہیں۔ یا نبی علیہ السلام کی محبت کے مقابلہ میں دوسروں کی محبت اُن کے دلوں میں زیادہ ہے۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ حکم بھول چکے ہیں۔

"تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے والدین اور اولاد سے مجھے زیادہ محبوب نہ سمجھے (متفق علیہ) مسلم بخاری

"تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی نفسانی خواہش کو میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کر دے۔" مشکوٰۃ

مگر یہاں قرآنی آیات اور احادیث نبوی ؐ کے مقابلہ میں جس طرح فقہ کے اقوال کو ترجیح دے کر ان پر عمل کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں تقلید کی ضرورت کا تصور بھی روح میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے چہ جائیکہ تقلید پر جم کر مناظرہ بازیوں کی طرحیں ڈالنا۔ اور اپنے خودساختہ دعاوی کے بل بوتے پر ایک مُدعی کی طرح ڈٹ کر ذہنی کشتی لڑنا۔

کیا تقلید ترک کی جاسکتی ہے یعنی انتقال فی المذاہب

یہ عنوان صرف مقلدین کے حظِ نفس کے لیے زیرِ قلم آ گیا۔ ہم تو سرے سے تقلید کا قائل ہی نہیں پھر ترکِ تقلید کا مقصد ہی کیا۔ مگر جو لوگ تقلید پر چمٹے بیٹھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایک امام کی تقلید اس کے مقتدی پر فرضِ عین ہو جاتی ہے۔ وہ ایک

امام کی تقلید چھوڑ کر دُوسرے امام کی تقلید نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ وُہ بالکل غیر مقلد ہو جائے۔

اِن لوگوں کے مذہب کی بنیا د طحطادی کا یہ قول ہے: "ایک مذہب فقہی سے دُوسرے مذہبِ فقہی میں انتقال کرنے والا شخص قابلِ تعذیر مُجرم ہے۔ گو اس کا یہ انتقال دلیل اور اجتہاد سے کیوں نہ ہو (اپنے گلّے کی بھیڑوں کو کون کم ہونے دیتا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ جس عجمی سازش نے ہزار جتنوں سے اس کھیتی میں یہ جھاڑ جھنکار اُگا کر اسے ناقابلِ عبُور بنا کر اس میں درندوں کی بھٹ پیدا ہونے کے اسباب مہیا کیے اب وُہ اسے دوبارہ کہاں آباد ہونے دے گا) مگر کسی نہ کسی سے کبھی نہ کبھی سچی بات نکل ہی جاتی ہے۔

افضل کے ہوتے ہُوئے مفضول کی تقلید جائز ہے۔ حنفیہ، مالکیہ، اور اکثر حنابلہ اور شافعیہ اسی کے قائل ہیں (شامی) (کیا آئمہ اربعہ کی فقہ کے مقابلہ میں قرآن و حدیث افضل نہیں) اگر کوئی شخص مذہبِ مُعین کا التزام کرے۔ خواہ وُہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہو یا کسی دُوسرے کا تو آیا ہمیشہ اس پر قائم رہنا واجب ہے، بعض کہتے ہیں واجب ہے، بعض کہتے ہیں واجب نہیں، کیونکہ واجب وہی چیز ہے جو خدا نے واجب کی ہو۔ اور خدا نے کسی شخص پر یہ واجب نہیں کیا کہ وُہ کسی مذہب پر ہمیشہ لازم رہے گا۔

(صاحب مُسلم الثبوت)

امام ابُو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے امام ابُو حنیفہؒ سے تقریباً ثلث مذہب میں اختلاف کیا ہے۔

امام شعرانی کہتے ہیں اکابرِ علماء نے ہر زمانہ میں اس شخص پر کوئی انکار نہیں کیا جو ایک مذہب فقہی سے دُوسرے مذہب فقہی میں منتقل ہوا ہو۔ (میزان)

امام ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ہمیں کسی امامِ مذہب سے یہ بات نہیں پہنچی کہ اس نے اپنے شاگردوں یا رفقاء کو کہا ہو کہ تم کسی دُوسرے امام کے فتوؤں پر عمل نہ کرنا۔

(میزان)

امام قرافی کہتے ہیں کہ عہدِ صحابہ میں جو لوگ حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ کے فتوؤں پر عمل کرتے تھے وُہ دُوسرے صحابہ کے فتوؤں پر بھی عمل کرتے تھے۔ (میزان)

امام زناتی فرماتے ہیں کہ واقعات اور معاملات میں ہر مذہب کی تقلید جائز ہے اسی طرح ایک مذہب فقہی سے دُوسرے مذہبِ فقہی میں انتقال بھی جائز ہے (میزان)

تاتار خانیہ میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ابو بکر جوزجانی کے زمانہ میں ایک حنفی المذہب شخص نے ایک اہلحدیث آدمی کو اس کی لڑکی کے رشتہ کے لیے کہا (اہلحدیث کو نیا فرقہ کہنے والے غور سے پڑھیں) اہلحدیث نے کہا اگر تم اپنا مسلک چھوڑ کر اہلحدیث ہو جاؤ تو پیغام منظور ہے۔ اور تمہیں قرأت خلف الامام اور رفع الیدین پر عمل کرنا ہوگا۔ حنفی نے ایسا کیا اور نکاح ہو گیا۔ ابو بکر جوزجانی سے جب اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو تھوڑی دیر خاموشی اختیار کرنے کے بعد کہا نکاح تو جائز ہے مگر مجھے اس شخص کے بارہ میں یہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں نزع کے وقت اس کا ایمان سلب نہ کر لیا جائے۔ کیونکہ اُس نے ایک مذہب کو چھوڑا ہے جو اس کے نزدیک حق تھا (یعنی اصل میں حق نہیں) اور ایک گندے لالچ کی خاطر اُس نے حق مذہب کی توہین کر ڈالی۔ البتہ کوئی شخص اگر اپنے اختیار کیے ہوئے مذہب کو اجتہادِ صحیح کی بنا پر چھوڑ دے تو یہ ایک نیک اقدام ہے اور ایسا کرنے والا عند اللہ ماجور ہوگا۔ (ردّ المختار ج ۱)

ملا جیون اپنی تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں: "مقلد کے لیے جائز ہے کہ وُہ ایک مذہب سے دُوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے۔ جیسا کہ بہت سے اولیاء سے منقول ہوا ہے۔ اور جائز ہے کہ ایک مسئلہ میں ایک مذہب پر عمل کرے اور دُوسرے مسئلہ میں دُوسرے مذہب پر عمل کرے جیسا کہ صوفیہ کا مذہب ہے۔"

میزانِ کبریٰ مطبوعہ مصر جلد اصفحہ ۲ پہ ہے کہ ولی کامل مقلد نہیں ہوتا۔ بلکہ وُہ اسی چشمہ سے لیتا ہے جس سے مجتہدوں نے لیا۔

علامہ شیخ کردی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں: "طریقہ مشائخ صوفیہ کا عموماً اور اکابر نقشبندیہ کا خصوصاً اتباعِ سنّت نبویہ ہے نہ مذہبِ معین کا مقلد رہنا" (الارشاد صفحہ ۲۲۳)

اقول :- کاش کہ ان کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اُس پر آج کل کے احناف عمل کرتے !

انتقال فی المذاہب کے بارہ میں امام سیوطی شافعی مؤلفِ کتبِ کثیرہ مثل جلالین و اتقان وغیرہ سے کسی نے دریافت کیا تو آپ نے اس کے جواب میں ایک مفصّل بیان تحریر کیا۔

۱- اس بارہ میں میری رائے ہے کہ انتقال کرنے والے کے مختلف حالات ہیں۔ ایک یہ کہ باعثِ انتقال دُنیوی مقصود ہو جو اس کے شایانِ شان ہو۔ جیسے وظیفہ یا کسی مرتبہ کا حصُول اور یا پھر بادشاہوں اور دُنیاداروں کا تقرّب ایسا شخص مہاجر اُمِّ قیس کے حکم میں ہے (یہ اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے کہ ہجرت کا حکم ملنے پر ایک شخص نے بظاہر اس حکم کی تعمیل پر مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ لیکن حقیقت میں وُہ اُمِّ قیس نامی ایک عورت کا قرب چاہتا تھا۔ اس شخص کو مہاجر اُمِّ قیس کہتے تھے)

۲- اِنتقال کی دُوسری قسم باعثِ انتقال تو اَمرِ دُنیوی ہو مگر صاحبِ انتقال عامی آدمی ہو عالم نہ ہو۔ اور وہ مذہب سے اس کے نام کے علاوہ کچھ واقفیت نہ رکھتا ہو۔ ..... اس کا یہ انتقال سنگین جُرم نہیں۔

۳- باعثِ انتقال امرِ دُنیوی ہو مگر ہو وُہ اس مقدار سے زائد جو بظاہر اس کے حال کے ساتھ مناسب ہو۔ اور منتقل کرنے والا اپنے مذہب میں بصیرت وفقاہت حاصل کر چکا ہو۔ اور انتقال میں اپنی مذموم خواہشِ نفس کی پیروی کے سوا دُوسری غرض پیشِ نظر نہ ہو۔ ایسے شخص کے انتقال کا معاملہ بڑا سنگین ہے۔

۴- چوتھی قسم یہ ہے کہ انتقال کا مقصد امرِ دینی ہی ہو۔ اور صاحبِ مذہب اپنے مذہب میں فقیہ بن چکا ہو۔ اور انتقال کی غرض صرف یہ ہو کہ دُوسرا مذہب اپنے دلائل اور قوی دلائل کی وجہ سے اس کو راجح معلوم ہوا ہو۔ ایسے شخص پر انتقال واجب ہے۔

۵- انتقال کی غرض امرِ دینی ہو۔ اور صاحبِ انتقال فقیہ نہ ہو۔ گو اپنے مذہب میں علمی مشغلہ رکھتا ہو۔ مگر اسے اس کا علم حاصل نہ ہُوا ہو۔ اور دُوسرے مذہب کو

اس نے سہل پایا ہو۔ اور اُسے اُمید ہو کہ میں اس مذہب میں جلدی مہارت پیدا کر کے عالم اور فقیہ بن جاؤں گا۔ ایسے شخص کے لیے انتقال واجب قطعی اور سابق مذہب پر قائم رہنا حرام ہے۔ کیونکہ مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک مذہب میں علم وتفقہ حاصل کرنا بہ نسبت جہل پر قائم رہنے کے بہتر ہے۔ امام طحاوی نے شاید اسی لیے شافعیت سے حنفیت کی طرف انتقال کیا تھا۔

۶- انتقال کی چھٹی قسم یہ ہے کہ انتقال کا مقصد نہ امرِ دینی ہو نہ دُنیوی۔ یہ انتقال عام آدمی کے لیے تو جائز ہے مگر فقیہ کے لیے بہتر نہیں۔ کیونکہ پہلے مذہب میں وُہ علم وفقاہت حاصل کر چکا ہے اور دُوسرے مذہب میں علم و فقاہت حاصل کرنے کے لیے اُسے وقت درکار ہے۔ اور سابق علم پر عمل کرنے سے انتقال مانع ہو گا۔ ہو سکتا ہے وُہ دوسرے مذہب میں تفقہ حاصل کرنے سے پہلے ہی مر جائے۔ ایسے شخص کے لیے انتقال نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

امام سیوطی کے اس فتوے سے ثابت ہوتا ہے کہ ازمنہ سابقہ میں انتقال فی المذاہب کو اس قدر اہم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ ایک عام بات تھی۔ مگر اس وقت کے علماء نے اسے کتنا سنگین مسئلہ بنا رکھا ہے۔

تبصرہ

مگر میں کہتا ہوں کہ یہ انتقال فی المذاہب حقیقت میں صرف دماغی عیاشی اور ذہنی ورزش کے سوا کچھ نہیں۔ مسلمانوں کے پاس دینِ مکمل موجود تھا اور موجود ہے۔ حدیثِ قرطاس کے موقع پر فاروقِ اعظم نے حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کے کلمات عرض کیے تو نبی علیہ الصلوٰۃ نے اس کے بعد خاموشی فرمائی۔ پھر کتاب اللہ کے بعد احادیث کا یہ ضخیم ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ہر فعل روایتاً اور درایتاً نکھرا ہُوا ہمارے سامنے موجود ہے مگر مسلمانوں نے اس سُورج اور چاند کی روشنی کے باوجود ٹمٹماتے ستاروں سے روشنی حاصل کرنی شروع کی۔ کبھی کسی ستارہ کی ٹمٹماہٹ کی طرف جھکے کبھی کسی ستارہ کی لمحہ بھر

کی چمک کے پیچھے دوڑے اور پھر اس پر ذہنی ورزشیں شروع کر دیں کہ کونسا ستارہ زیادہ تابناک اور روشن ہے۔ کاش کہ وہ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کو ذہن نشین رکھتے ہوئے نورِ قرآن سے مستنیر ہونے کی کوشش کرتے۔

منتھی المسئول فی الاصول۔ ابکار الافکار جو علم کلام میں ہے۔ غایۃ المرام فی علم الکلام کے مصنف آمدی متوفی ۶۳۳ھ پہلے حنبلی تھے پھر شافعی ہو گئے۔

ابراہیم دسوقی متوفی ۶۷۶ھ کا نسب نامہ محمد الجواد سے جا ملتا ہے۔ پہلے شافعی تھے۔ پھر صوفیہ کا طریق اختیار کر کے تقلید کو چھوڑ دیا۔

فقہ حنفیہ کی ترقی کے اسباب

انسان مدنی الطبع ہے۔ اور اس کی طبیعت آرام پسند اور سہل کوش ہے۔ اس میں حصولِ حظوظِ نفس کا بھی وافر حصہ ہے۔ وہ حتی الوسع مشقت، محنت اور سخت کوشی کی نسبت سہولت، آرام اور تن آسانی کی طرف راغب رہتا ہے۔

اسلام نے اس کی خود سرانہ آزادی کو پابند کر کے رکھ دیا۔ رفع حاجات سے لے کر خواب تک کے تمام مراحل اور والدین سے لے کر اولاد تک کے حقوق، مسافروں سے لے کر ہمسائیوں تک سے سلوک۔ توحید کے اقرار سے لے کر راستہ سے کانٹا دور کرنے کی جزئیات میں پابند کر کے رکھ دیا۔ مگر یہ سب کچھ بلا وجہ نہیں تھا بلکہ انسان عبادت ہی ان وظائف کی ادائیگی سے مکمل ہو سکتا تھا۔ اور ان سب کا مدار صرف نیتوں پر رکھا۔ نیک نیت سے کنواں کھودا کہ مسافر پانی پئیں گے مگر پانی کھاری نکلا اور بجائے تشنوں کی سیرابی کے اس میں ایک راہ چلتا گر کر مر گیا۔ مگر کنواں کھودنے والا اپنی نیک نیت کی وجہ سے ثواب سے محروم نہیں ہوا۔ دوسرے نے کسی دشمن کی جان لینے کے لیے کنواں کھودا۔ خدا کی حکمت نہایت ہی سرد و شیریں پانی کے سوتے پھوٹ نکلے۔ اس کا دشمن کنوئیں میں نہ گرا مگر تشنگانِ کام و دہن کی سیرابی کا سامان بن گیا۔ چونکہ کنواں کھودنے والا

باپ کی خلوت میں رہ چکی ہوں۔ مگر ہارون کا عشق بڑھتا ہی گیا۔ ابو یوسف کو اس واقعہ سے پہلے ہی بغداد کا قاضی بنا دیا گیا تھا۔ فوراً قاضی صاحب کی طلبی ہوئی۔ اور صورت واقعہ کو پیش کیا۔ ابو یوسف نے کہا اے بادشاہ! کیا لونڈی جو دعوٰی کرے گی اُسے قبول کر لیا جائے گا؟ آپ اس کی نہ مانیے وہ جھوٹ سے محفوظ نہیں۔ آپ اُس سے خلوت کیجیے اور اس کا گناہ میری گردن پر رہنے دیجیے۔ ابن مبارک نے یہ سُن کر تعجب کیا اور کہا میں اُس بادشاہ سے جس نے مسلمانوں کے خون و مال میں ہاتھ ڈالا۔ اور اپنے باپ کی حرمت کا لحاظ نہ کیا۔ یا اُس لونڈی سے کہ بادشاہ نے اُس سے خواہش ظاہر کی اور اُس نے انکار کیا یا اُس ابو یوسف فقیہ زمانہ سے کہ جس نے اجازت دے دی۔ اور کہا اپنے باپ کی ہتکِ حرمت کر۔ اور اپنی خواہش پوری کر اور اس کا گناہ میری پر ڈال۔

(اللہ رے جرأت) کس کی ذہانت کی داد دوں۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

اور سُنیے "سلفی عبداللہ بن یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ میں نے ایک لونڈی خریدی ہے اور بغیر عدت کے اُس سے صحبت کرنا چاہتا ہوں۔ قاضی صاحب نے کہا لونڈی کسی بیٹے کو ہبہ کر دیجیے پھر اُس سے نکاح کر لیجیے۔ اس فتوے پر ہارون نے ایک لاکھ درہم انعام کا حکم دیا۔ قاضی صاحب نے کہا روپیہ اسی وقت مل جائے۔ اس پر کسی نے کہا خزانچی اپنے گھر ہے۔ اور دروازے تمام بند ہو چکے ہیں قاضی صاحب نے کہا جب ہم بلائے گئے تھے، دروازے تب بھی بند تھے۔ اور آخر کھولے گئے۔ (اللہ رے بے صبری)

ہارون اس وقت ایک ثلث ربع مسکون بلکہ نصف ربع مسکون کا حکمران تھا اور ابو یوسف مملکتِ اسلامیہ کے چیف جج تھے۔ تمام ممالک میں جج اُنھیں کے حکم سے تعینات ہوتے تھے۔ گویا یوں سمجھ لیجیے کہ ہارون الرشید کے زمانہ میں فقہ حنفی چہار دانگِ عالم میں پھیل کر مروج ہو گئی۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں "امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت ابو یوسف کو ہی حاصل تھی اور ہارون کے زمانہ میں قاضی القضاۃ بن گئے۔

اِس کی وجہ سے تمام اطراف عراق، خراسان، ماوراالنہر تک یہ مذہب پھیل گیا۔
(حُجۃ اللّٰہ البالغہ)

میں کہتا ہُوں اُس وقت شمالی افریقہ، مصر اور دیگر ممالک میں بھی حنفی قاضی ہی مقرر کیے گئے۔ مگر وہ لوگ چونکہ حجازی تہذیب وتربیت سے متاثر تھے۔ اور وہاں حنبلی، شافعی، مالکی نسبتیں جڑ پکڑ چکی تھیں اس لیے وہاں حنفیت فروغ نہ پا سکی۔ مگر مشرقی ممالک خالصتہً عراقی تہذیب سے مستفید تھے۔

حنفی مذہب کی ترقی اور ترویج صرف قاضی ابُو یوسف کی ذات کی مرہونِ منت ہے۔ چنانچہ ابنِ خلکان لکھتے ہیں لولا ابو یوسف ما ذکر ابو حنیفۃ "اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو ابُو حنیفہؒ کا ذکر بھی نہ ہوتا۔" کاش کہ کتاب المعارف کا یہ شعر ابو حنیفہؒ کی بجائے ابُو یوسف کی شان میں ہوتا۔ چونکہ اصل مصداق اس کے یہی تھے:

وکم من فرج محصنۃ عفیفۃ   أحل حرامہ بابی حنیفۃ

"کتنی پاک دامن عورتوں کی شرم گاہیں جو حرام تھیں ابُوحنیفہؒ کی بدولت حلال ہوگئیں۔"
(ابنِ قتیبہ)

قاضی ابو یوسف صاحب کی اتنی محنت اور سردردی کے بعد بھی جو اُنہوں نے اپنے متبعین کے لیے روا رکھی یارانِ طریقت نے انھیں بھی نہ بخشا۔

امام ابویُوسف قاضی تھے بعضوں نے آپ کو سُست لکھا ہے۔ (مقدمہ عالمگیری)

اور ان کے ساتھ ان کے دُوسرے یارانِ سرِ پل بھی اسی گھسیٹ میں آ گئے۔

حسن بن زیاد محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے اور ضعیف ہے۔ (عالمگیری)

محمودبن عمر زمخشری مؤلف تفسیر کشاف معتزلی تھا۔ (مقدمہ عالمگیری)

ناصربن عبد السید معتزلی تھا۔ (〃 〃)

مختار بن محمود معتزلی تھا۔ (〃 〃)

زاہدی معتزلی تھا اور فروع میں حنفی۔ (دُرِّ مختار)

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

فقہ حنفی یا اسفار لہو الحدیث اور قاضی ابو یُوسف:

اب ذرا قاضی ابُو یوسف صاحب کی ادبیات سے اپنے قلب وروح اور ایمان وایقان کو تازہ کیجیے:

۱۔ شہوت سے نظر کی اور منی اپنی جگہ سے جدا ہُوئی۔ پھر ذکر کو دبا یا کہ شہوت جاتی رہے۔ پھر بدُونِ شہوت کے منی نکلی تو غسل واجب نہیں۔ (دُرِّ مختار جلد ا صفحہ ۷۹)

۲۔ پیشاب کرنے یا سونے سے پہلے غسل کیا۔ اور پھر منی نکلی تو غسل فرض نہیں۔
(ابُو یوسف بحوالہ دُرِّ مختار۔ ہدایہ۔ شرح وقایہ)

۳۔ جنابت کے بعد بغیر پیشاب اور بغیر سوئے نہایا اور نماز پڑھی پھر باقی منی نکلی تو غسل واجب نہیں۔ (عالمگیری جلد اوّل بحوالہ ابو یُوسف)

۴۔ ایک شخص جاگا ذکر پر تری محسوس ہُوئی۔ احتلام یاد نہیں اور شک ہے کہ منی ہے یا مذی تو غسل واجب نہیں۔ (ابُو یوسف بحوالہ ہدایہ)

۵۔ جو گوشت شراب میں پکا یا گیا ہو وہ تین بار جوش دینے اور خشک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ (ابو یُوسف بحوالہ دُرِّ مختار۔ عالمگیری۔ ہدایہ)

۶۔ گیہوں شراب میں بھیگ کر پھول جائے تو تین مرتبہ پانی میں بھگو کر خشک کر دیا جائے تو پاک ہے۔ (ابو یُوسف بحوالہ عالمگیری، ہدایہ)

۷۔ زکوٰۃ نہ دینے کا حیلہ یہ ہے کہ جس کے پاس بقدرِ نصاب مال ہو وہ سال گذرنے سے پہلے ایک درہم خیرات کر دے یا بعض دراہم اپنی اولاد کو ہبہ کر دے۔ تاکہ مال نصاب سے کم ہو جائے۔ تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ (ابو یُوسف بحوالہ دُرِّ مختار)

ابُو یوسف آخر سال میں اپنی دولت اپنی عورت کو ہبہ کر دیتے تھے۔ اور اس کا مال اپنے نام ہبہ کرا لیتے تھے۔ اس طریقہ سے کسی کے مال پر سال پُورا نہیں گزرتا تھا اور زکوٰۃ ساقط ہو جاتی تھی۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔

۸۔ عمداً قے کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ (ابُو یوسف بحوالہ ہدایہ جلد ا صفحہ ۹۰)

۹- خاوند اپنی بیوی کو شہر سے باہر نہ لے جائے۔ اس کا حیلہ یہ ہے کہ عورت اپنے اُوپر باپ یا بھائی وغیرہ جن پر اطمینان ہو اس کے بہت سے قرض کا اقرار کرلے۔ اور گواہ کرلے۔ جب شوہر لے جانا چاہے تو جس کے قرض کا اقرار کیا ہے، وُہ مانع ہو۔ (ابو یُوسف بحوالہ ہدایہ و عالمگیری)

۱۰- شرابی نے بُو جانے کے بعد اقرار کیا تو اس پر حد نہیں۔ (ابُو یوسف بحوالہ عالمگیری و ہدایہ)

۱۱- شرابی کی بُو جانے کے بعد گواہی کے باوجود حد نہیں۔ (〃 〃 ہدایہ)

۱۲- سوائے شراب انگور کے دیگر شرابوں میں سے نصف حصہ سے زیادہ جل جائے تو ان کی بیع جائز ہے۔ (ابُو یوسف بحوالہ ہدایہ)

۱۳- باندی کا دُودھ فروخت کرنا جائز ہے۔ (ابو یُوسف بحوالہ عالمگیری جلد۳)

۱۴- ہاتھی، گھوڑے مصنُوعی یعنی کھلونے کی بیع جائز ہے اور ان سے بچّوں کا کھیلنا جائز ہے۔ (ابو یوسف بحوالہ دُرمختار)

۱۵- نخج سفی ایک قسم کی شراب کو ابُو یوسف اکثر استعمال کرتے تھے۔ (عالمگیری جلد۴ صفحہ ۴۰۵)

۱۶- شراب میں تھوڑی سی تُرشی آجائے تو پینا حلال ہے۔ (ابو یُوسف بحوالہ عالمگیری)

۱۷- مچھلی یا نمک بہ نسبت شراب کے کم ہو تو ترش ہونے پر پاک ہے (〃 〃 〃)

۱۸- نبیذ۔ شہد۔ انجیر۔ گیہوں اور جوار یا جَو کی شراب لہو و لعب کے لیے نہ پیئے تو حلال ہے۔ (ابُو یوسف مالا بُد منہ صفحہ ۱۱۰)

شبِ آخر آمد و افسانہ ما ہنوز باقی است۔ کوئی کہاں تک بیان کرے۔ ان تمام اسرار و رموز کا انکشاف صرف قاضی ابو یوسف پر ہُوا۔ اور یہ اقتباس آپکے فرمُودات کا ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ ذرا خدا لگتی کہیے کہ ان میں سے کونسی بات عورت، شراب اور شہوت سے باہر بیان کی گئی ہے۔ اور کونسی بات کے بغیر اسلام مکمّل نہیں تھا۔

عیاش بادشاہ، سہل کوش عامل، آرام کے طالب عوام ہوں اور قاضی القضات ابُو یوسف ہوں جو شراب سے لے کر باپ کی مدخولہ تک کو جائز کر دیں جو ذمیوں پر تو حد جاری کرنے کا حکم دیں اور مسلمان شرابیوں کو باوجود اعتراف اور گواہی کے بھی چھوڑ دیں

پھر کیا ایسے حالات میں ایسے مذاہب کیوں نہ دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کریں۔ ویسی آزاد طبیعتیں کتاب و سُنت کے زُہد و تشقف کی کہاں متحمل ہو سکتی تھیں۔ یہاں تو پا بندیاں ہی پابندیاں تھیں۔

اَب قاضی صاحب کی وفات کے متعلق تذکرۃ الحفاظ جلد ا صفحہ ۲۲۹ پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وُہ بھی پڑھ لیجیے :

"ابن یحییٰ تمیمی کہتے ہیں میں نے امام ابو یُوسف کے وفات کے وقت انہیں کہتے سُنا کہ میں نے جو فتوے دیے ہیں۔ ان میں سے جس قدر فتوے قرآن و حدیث کے موافق نہ تھے ان سب سے توبہ کرتا ہُوں اور ان سے رجُوع کرتا ہُوں" ؎

عمر ساری تو کٹی عشقِ بُتاں میں مومن ! آخری وقت میں کیا خاک مُسلماں ہوں گے

مفتی محمد شفیع اپنی تالیف "وحدتِ امت" میں لکھتے ہیں۔ نیز یہی روایت نعمانی صاحب مدیر الفرقان نے اپنے رسالہ میں بھی نقل کی تھی کہ ایک دفعہ مولانا انور شاہ کاشمیری جبکہ قادیان کے جلسہ میں تشریف لے گئے تھے۔ سحری کے وقت نہایت مغموم سر پکڑے بیٹھے تھے مفتی صاحب نے پوچھا۔ حضرت مزاج کیسا ہے۔ جواب میں فرمایا۔ میاں مزاج کیسا پوچھتے ہو۔ عمر ضائع کردی۔ مفتی صاحب نے کہا۔ حضرت آپ کے ہزاروں شاگرد اور اس قدر دینی خدمات آپ کی عمر کیسے ضائع ہوئی؟ جواباً فرمایا۔ ہاں میاں صحیح کہتا ہوں عمر ضائع کردی۔ ہماری عمر کا تقریروں کا، ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دُوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ اور دوسرے ائمہ کے مسائل پہ آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔ اب غور کرتا ہوں۔ تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کردی .... ہماری کوششوں کا ماحصل اس کے سوا کیا رہا۔ کہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطا ثابت کریں اور دوسرے مسلک کو خطاء محتمل الصواب کہیں۔ اس کے آگے کوئی نتیجہ نہیں۔ ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا کہ جن میں ہم مصروف ہیں (ملخص وحدتِ اُمت)

یُوں تو فقہ حنفی کے بحرِ ذخار میں بڑے بڑے قیمتی اور گرانمایہ جواہرات کے خزانوں کے انبار ہیں جن کا استنباط مجھ جیسے ایک معمولی طالبعلم کے بس تو ناممکن ہے ہی حالانکہ یہاں بڑے بڑے علامۃ الدہر بھی سر پٹکتے رہ گئے مگر ڈوری اُلجھی ہی رہی اور سرا نہ ملا۔ مُشتے نمونہ از خروارے چند ایک ملاحظہ کیجیے۔ اور پھر اپنے اعماقِ قلب اور رُوح کی گہرائی میں ڈوب کر انصاف کیجیے کہ حق کیا ہے :

فقہ	احادیث
۱۔ گیہوں۔ جو۔ جوار اور شہد کی شراب حلال ہے۔ وغیرہ وغیرہ	حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی لعنت کی شراب کو، اس کے پینے والے، اس کے پلانے والے کو، اس کے بیچنے والے کو، اس کے خریدنے والے کو، اس کے نچوڑنے والے، اس کے اٹھانے والے کو، اور جس کی طرف اُٹھائی گئی ہو۔ (ابُو داؤد۔ ابنِ ماجہ) بیشک گیہوں، جَو، کھجور، کشمش اور شہد کی بنی ہوئی خمر (شراب) ہے۔ یعنی ان چیزوں کی خمر بھی حرام ہے۔ (ترمذی۔ ابُو داؤد) رسُول اللہؐ نے شراب پینے پر حد ماری (بخاری و مُسلم) حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز کہ زیادہ مقدار میں (استعمال کرنے سے) نشہ لائے اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔ (ترمذی۔ ابُو داؤد۔ ابنِ ماجہ)

فقہ	حدیث
۲۔ جب برتن سے کُتا پی جائے تو اُسے تین مرتبہ دھو۔ (ہدایہ کتاب الطہارت)	حضرت ابُو ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کتا تمہارے برتن سے پی جائے تو اسے سات مرتبہ دھو۔ (بخاری و مُسلم)
۳۔ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنی جائز ہے۔ (ہدایہ باب الصلوٰۃ فی الکعبہ)	حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسُول اللہؐ نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع کیا (ترمذی)
۴۔ صرف عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے (ہدایہ باب الامامت)	رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے امّ ورقہ کو اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم دیا۔ (ابُو داؤد۔ باب امامت النسا) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صف کے درمیان میں کھڑی ہو کر عورتوں کی امامت کراتی تھیں۔ (مستدرک حاکم) (باب امامت المرأۃ) عورتوں کی عورت امام ہو سکتی ہے مگر وُہ صف کے درمیان میں کھڑی ہو۔ (مفہوم حدیث)
۵۔ مردوں کے لیے عورت یا بچے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ (ہدایہ جلد اوّل باب امامت)	عمرو بن مسلم نے چھ یا سات سال کی عمر میں امامت کرائی۔ (بخاری شریف) (حضورؐ نے سکوت فرمایا)
۶۔ جب کوئی چیز ہبہ کر دی جائے تو ہبہ کرنے والے کو وہ چیز واپس لینے کا اختیار ہے۔	حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا مانند کتے کے ہے جو قے

(ہدایہ کتاب المبتدا)

۷۔ استسقا کے وقت نماز باجماعت مسنون نہیں۔

(ہدایہ)

(باب الاستسقاء)

۸۔ نماز غائبانہ جائز نہیں۔

(دُرِّ مختار

جلد اوّل)

(باب صلوٰۃ الجنائز)

۹۔ اقامت اذان کی مانند (دوہری) ہے۔

۱۰۔ امامت کا سب سے زیادہ مستحق وُہ ہے جو سنّت کا سب سے زیادہ عالم ہو پھر جو سب سے زیادہ قاری ہے۔ پھر جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ پھر اگر ان باتوں میں سب برابر ہوں تو بڑی عمر والا۔ (ہدایہ جلد ا باب الامامت)

ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا آگے چلیے یا لوگ جسے زیادہ پسند کریں۔ یا روشن چہرے والا۔ بڑے حسب والا۔

کر کے چادر الٹنا ہے۔ (بخاری شریف)

عبداللہ بن زید روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز استسقا کے لیے صحابہؓ کو لے کر عیدگاہ کو نکلے اور دو رکعت نماز بلند قراءت کے ساتھ پڑھائی اور قبلہ رُخ ہی اپنی چادر پلٹائی۔ (بخاری و مسلم)

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ جس دن نجاشی نے وفات پائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وفات کی خبر (بذریعہ وحی) صحابہؓ کو دی۔ پھر حضورؐ انہیں ہمراہ لے کر جنازہ گاہ کو گئے۔ ان کی صفیں باندھ کر غائبانہ نماز جنازہ چار تکبیروں سے پڑھائی۔
(بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اذان کے کلمات دہرے کہے اور تکبیر کے کلمات اکہرے۔ سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے (بخاری و مسلم)

امامت کرائے لوگوں کی وُہ جو سب سے زیادہ قاری ہے۔ اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو سنّت کا جاننے والا۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو سب سے پہلے ہجرت کرنے والا اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو عمر میں سب سے بڑا۔ (صحیح مسلم)

دیکھیے مسئلہ صحابہؓ کا

امامت کا تذکرہ ہے

(شرح وقایہ کتاب الصلوٰۃ)

۱۳- نماز کے لیے مرد اِس طرح ہاتھ اُٹھائیں کہ انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائیں۔ اور عورت کندھوں تک ہاتھ اُٹھائے۔

(ہدایہ)

(باب صفت الصلوٰۃ)

۱۴- مردوں کو ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہئیں (کتب فقہ) (یہاں ایک لطیفہ یاد آیا ہے کہ خلفائے بنی عباس میں سے ہارون کا ایک نماز میں آزار بند کھل گیا اور اس نے سینے سے ہاتھ نیچے کر کے آزار بند سنبھال لیا۔ نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں نے حیرانی سے ہارون الرشید کے اس فعل کو دیکھا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے فتویٰ دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی صحیح ہے)

۱۵- وتر تین رکعت ہیں۔

ھدایہ

(باب الصلوٰۃ)

تھے۔ (بخاری)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں۔ (اس میں عورت مرد کی تخصیص بیان نہیں فرمائی)

حضرت ابو سعید ساعدی روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اُٹھاتے۔

(بخاری شریف۔ مشکوٰۃ باب صفت الصلوٰۃ)

وائل بن حجر روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور حضورؐ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور ہاتھ سینہ پر باندھے۔

(بلوغ المرام)

بحوالہٗ

(ابن خزیمہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو وتر تین رکعت پڑھنا چاہے وہ تین رکعت پڑھے اور جو وتر ایک رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک رکعت پڑھے۔

۱۶- جلسۂ استراحت کے متعلق۔ اپنے پنجوں پر کھڑا ہو جائے اور بیٹھے نہیں

(ہدایہ، باب صفت الصلوٰۃ)

۱۷- اور تیمم میں دو ضربیں ہیں۔

ہدایہ

(باب التیمم)

۱۸- اور نہیں جائز مسح کرنا پگڑی پر

ہدایہ

(کتاب الطہارت)

۱۹- شراب کا جب سرکہ بن گیا تو حلال ہو گیا آپ ہی سرکہ بن جائے یا کسی چیز کے ملانے سے بنا لیا جائے حلال ہے اور شراب کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔ (ہدایہ)

۲۰- فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی۔ (کتب فقہ)

۲۱- حلالہ کرنے والے نے صحبت کے بعد اس عورت کو طلاق دے دی تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔ (ہدایہ)

(ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

حضورؐ جب نماز کی پہلی یا تیسری رکعت سے اُٹھتے تو (دوسرا سجدہ کر کے) پوری طرح بیٹھ کر اُٹھتے۔

(بخاری شریف)

رسول اللہؐ نے (تیمم میں) اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر مارے۔ پھر پھونک کر اپنے چہرے پر ملے اور دونوں پہنچوں پر ملے۔ (بخاری ومسلم)

مغیرہؓ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت پیشانی (کے اوپر کے بالوں) پر اور پگڑی پر اور موزوں پر مسح کیا (صحیح مسلم) ننگا سر ہو تو سارے سر کا مسح کرنا چاہیے۔ (صحیح مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ شراب کا سرکہ بنا لیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رسول اللہؐ کے پیچھے نماز (عشاء) پڑھتے پھر اپنی قوم کے پاس جا کر ان کی امامت کرتے (صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے۔

(دارمی۔ ابن ماجہ)

فقہ	حدیث
۲۲۔ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے عورت پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (کتبِ فقہ)	رسول اللہ کی زندگی میں حضرت ابوبکرؓ کی پوری خلافت میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دو سالوں میں یکبارگی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔ (بخاری) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکبارگی تین طلاقوں کو قرآن کے ساتھ استہزا فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ)

نوٹ :- فاروقِ اعظمؓ کا یکبارگی تین طلاقوں پر طلاق کا فتویٰ دینا ایک تعزیری حکم تھا۔ چونکہ لوگوں نے اس بات کو ایک کھیل بنا لیا تھا کہ صبح طلاق دی شام کو رجوع کر لیا۔ اور عورتوں کی زندگی ایک شکنجے میں پھنس کر رہ گئی۔ آپ کے اس فتوے کو دائمی حکم سمجھنا نہایت غلطی ہے۔ شرعی حکم کی صورت کسی وقتی فتوے سے نہیں بدل سکتی۔

اسی طرح آپ نے مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ کی مد سے یہ کہہ کر خارج کر دیا تھا کہ ہم اللہ کے فضل سے اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے مگر اس سے بھی زکوٰۃ کی یہ مد ختم نہیں ہو گئی۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا۔ (النسآء : ۶۱)

"اور جب انھیں یعنی منافقوں کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اُتاری ہے اللہ نے یعنی قرآن اور طرف رسول کے (یعنی حدیث کے) تو دیکھتا ہے تو (ان) منافقوں کو کہ تجھ سے ہٹ ہٹ کر رہتے ہیں۔"

العیاذ باللہ

فقہ	حدیث
۱۔ ایمان نبیوں، ولیوں، فرشتوں بلکہ تمام نیکوں، بدوں، فاسقوں، فاجروں (یعنی چوروں، جواریوں، زانیوں)	ہر ایک مومن کا ایمان ان کے مدارج کے موافق ہوتا ہے اور ان کے عمل اور عقیدہ سے کم یا زیادہ ہوتا ہے۔ (سورۂ فتح رکوع ۱۔

فقہ	حدیث
کا برابر ہے۔ کسی کے ایمان میں کچھ زیادتی نہیں۔ (فقہ اکبر ص۱۱، شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص۱۰۵، شرح عقائدِ نسفی نولکشوری ص۹)	کہف ع ۲، مریم ع ۵، محمد ع ۲، توبہ ع ۱۶، آلِ عمران ع ۱۸، احزاب ع ۳، بقرہ اور انفال وغیرہ۔ صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، مسند احمد اور مؤطا
۲۔ امام اعظمؒ کے نزدیک مدینہ منورہ حرم نہیں مانندِ حرم مکہ کے۔ (ترجمہ مشکوٰۃ ص۲۱۱ شیخ عبدالحق حنفی دہلوی مطبوعہ نولکشور)	مدینہ منورہ حرم ہے مانند حرم مکہ کے۔ (صحیح بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ۔ نیل الاوطار)
۳۔ ذِمّی جزیہ دینے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو قتل کے لائق نہیں۔ (ردّ المختار دہلوی ص۲۷۹، ہدایہ جزء ۱ ص۵۶۸، شرح وقایہ ص۱۸۳، کنز مطبوعہ احمدی ص۱۹۲)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ (ابوداؤد۔ بلوغ المرام مسک الختام)
۴۔ ذِمّی اگر جزیہ دینے سے انکار کرے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کر لے تو بھی اس کے ذمّی ہونے کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ (ہدایہ جلد ۱ ص۵۸۰، شرح وقایہ ص۱۸۳، کنز الدقائق ص۱۹۱)	ذِمّی جزیہ دینے سے انکار کرے یا کسی مسلمان کو قتل کرے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کے ذمّی ہونے کا عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ (ابوداؤد۔ بلوغ المرام۔ مسند احمد جلد ۱ ص۱۰۱۔ فتح الباری ص۱۷۵)
۵۔ زانیہ عورت کو خرچی دے کر اجرت طے کر زنا کرے اس پر حدِ شرعی نہیں۔ (چلپی حاشیہ شرح وقایہ ص۲۹۸، قاضی خان جلد ۴ ص۴۰۶، کنز الدقائق ص۱۶۸)	زانیہ عورت کی مزدوری حرام ہے اور مُردار ہے۔ اور ایسے زانی پر بھی برابر حدِ شرعی ہے۔ (بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابنِ حبان۔ نووی زرقانی۔ مجمع البحار)
۶۔ جھوٹی گواہی گذار کر بیگانی عورت	جھوٹے گواہ گذار کر بیگانی عورت بنا۔

کے لئے بیٹے اور اس سے صحبت کرنے سے کوئی گناہ نہیں۔
(ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳، جلد ۲ صفحہ ۲۵، شرح وقایہ صفحہ ۲۳۷، کنز صفحہ ۲۵۰، عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۰۶، درّ المختار صفحہ ۲۸۴، فتاویٰ قاضی خان جلد ۳ صفحہ ۱۱۰)

اور اس سے صحبت کرنا قطعی حرام ہے۔
(قرآن مجید)
(بخاری)
(مسلم)
(مشکوٰۃ)

۷۔ بیاہا ہوا کافر زنا کے جرم میں پکڑا جائے تو اُسے سنگسار نہیں کرنا چاہیے۔
(ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹، شرح وقایہ صفحہ ۱۹۲، کنز صفحہ ۱۶۵، دُرِّ مختار صفحہ ۲۵۰، عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۵۱)

بیاہا ہوا مرد یا عورت کافر یا مسلمان اگر زناہ کے جرم میں پکڑے جائیں تو دونوں کو سنگسار کریں۔
(بخاری۔ مسلم۔ نودی)

۸۔ فقہ حنفی میں کُتّے کی بیع جائز ہے
(ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۸۵، شرح وقایہ صفحہ ۲۲، کنز صفحہ ۲۲۲، ردّ المختار جلد ۴ صفحہ ۱۲۴، عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۱۰، قاضی خان جلد ۲ صفحہ ۲۳۶)

کُتّے کی بیع مطلق حرام ہے۔
(بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نودی
ابنِ حبان۔ زرقانی۔ مجمع البحار)

۹۔ تین رکعت وتر پڑھے اور دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھے۔
(عینی جلد ۱ صفحہ ۸۲۲)

اگر تین رکعت وتر پڑھے تو چاہیے کہ آخر میں صرف ایک ہی تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔ (زرقانی۔ حاکم
ہدایۃ السائل الیٰ ادلّۃ للسائل)

۱۰۔ قوت حاصل کرنے کے لیے شراب پی جائے تو درست ہے۔
(ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۸۱، کنز صفحہ ۳۵۳، شرح وقایہ صفحہ ۴۴۵، ردّ المختار جلد ۵ صفحہ ۲۹۱
قاضی خان جلد ۴ صفحہ ۲۶، مالا بُدّ منہ)

شراب ناپاک اور قطعی حرام ہے۔ خواہ کسی نیّت سے پی جائے اور پینے والے پر حد شرعی آتی ہے۔
(قرآن مجید۔ صحاح ستہ۔ مشکوٰۃ۔ قاموس
میزانِ شعرانی)

۱۱۔ محرمات اَبدی یعنی ماں بیٹی خالہ بہن

محرمات اَبدی سے نکاح کرنے والا

پھوپھی سے جان بُوجھ کر نکاح اور صحبت کرے تو اس پر حد شرعی نہیں۔
(ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۴۹۶، تحفۃ العجم، کنز صفحہ ۱۶۵
ہدایہ مترجم فارسی جلد ۲ صفحہ ۳۰۴)

واجب القتل ہے۔ ان کی حُرمت قطعی ہے۔
(قرآن مجید سُورہ نور۔ بخاری۔ مسلم
سُنن اربعہ۔ دارمی۔ مشکوٰۃ)

۱۲۔ نماز میں سُورۂ فاتحہ پڑھنی فرض نہیں نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا نماز سِرّی ہو یا جہری۔ (ہدایہ۔ شرح وقایہ۔ دُرِّ المختار۔ منیۃ المصلی۔ قدُوری
کیدانی)

نماز میں سُورۂ فاتحہ ہر حالت میں فرض ہے خواہ کوئی نماز ہو بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی۔ (صحاحِ ستہ۔ مسند احمد۔ تلخیص نودی
بیہقی۔ دارقطنی۔ مؤطا امام مالک
بخاری)

۱۳۔ نماز میں آمین پکار کر کہنی مکرُوہ ہے نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا۔
(فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۳۹، ہدیہ جلد ۱ صفحہ ۷، جامع الرموز جلد ۱ صفحہ ۶۸، محیط)

جہری نماز میں آمین پکار کر کہنا سنّت ہے۔
(بخاری۔ مسلم۔ نسائی۔ ترمذی۔ ابنِ ماجہ
ابُو داؤد۔ دارمی۔ مشکوٰۃ وغیرہ)

۱۴۔ رفع یدین کرنا رکُوع کے وقت رکوع سے سر اُٹھاتے وقت اور تیسری رکعت میں ہاتھ باندھنے سے پہلے درست نہیں۔ (ہدایہ۔ شرح وقایہ۔ مُنیہ
قدوری۔ کیدانی)

رکُوع کرتے وقت، رکوع سے سر اُٹھاتے وقت اور تیسری رکعت میں ہاتھ باندھنے سے پہلے رفع یدین کرنا سنّت ہے۔
(صحاح ستہ۔ مسند احمد۔ دارمی۔ مشکوٰۃ
تنویر العینین۔ بلُوغ المرام وغیرہ)

۱۵۔ قومہ یعنی رکُوع سے اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا۔ قعود یعنی دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔ جلسۂ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دونوں سجدوں کے بعد سیدھا بیٹھ کر پھر اُٹھنا

نماز میں قومہ۔ قعود اور جلسۂ استراحت فرض ہے۔
(بخاری۔ مسلم
ترمذی۔ نسائی
ابُو داؤد۔ ابن ماجہ

فرض نہیں۔ (ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۹۲، شرح وقایہ صفحہ ۲۹، ردّ المختار جلد ۱ صفحہ ۱۳، عالمگیری صفحہ ۲۶-۲۷، کنز، قدوری وغیرہ)

مشکوٰۃ وغیرہ)

۱۶۔ نماز کو آہستگی سے پڑھنا فرض نہیں (ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۸۱، عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۶)

نماز کو آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا فرض ہے۔ (صحاح ستہ۔ مشکوٰۃ۔ بلوغ المرام)

۱۷۔ فجر کی سنتیں جماعت کھڑی ہوجانے پر مسجد کے دروازہ پر پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔ (ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۷، شرح وقایہ صفحہ ۵۱، کنز صفحہ ۴۳، ردّ المختار صفحہ ۱۷، عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۴۳)

جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔ اس وقت سوائے فرض کے کوئی نماز نہیں ہوتی۔ (مسلم۔ نووی مشکوٰۃ)

۱۸۔ گاؤں میں جمعہ پڑھنا درست نہیں۔ (ہدایہ۔ شرح وقایہ۔ کنز الدقائق۔ دُرِّ مختار۔ عالمگیری)

گاؤں میں بھی ضرور جمعہ پڑھنا چاہیے۔ فرض ہے۔ (قرآن مجید۔ مسلم معہ نووی۔ نیل الاوطار۔ بیہقی۔ حجۃ البالغہ۔ ابوداؤد وغیرہ)

۱۹۔ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے (ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۸۱، شرح وقایہ صفحہ ۴۰، کنز صفحہ ۲۹، ردّ المختار جلد ۱، عالمگیری جلد ۱)

اندھے کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے۔ (ابوداؤد۔ مسند احمد نیل الاوطار)

۲۰۔ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے (قاضی خاں جلد ۱ صفحہ ۹۳، ردّ المختار جلد ۱ صفحہ ۵۸۶، عالمگیری جلد ۱ شرح وقایہ صفحہ ۶)

نماز جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ (صحاح ستہ۔ قسطلانی مسند شافعی مسند امام مالک)

۲۱۔ بچے کو ڈھائی سال تک ماں کا دودھ پلانا حلال ہے (ہدایہ، شرح وقایہ، کنز، ردّ المختار، عالمگیری)

بچے کو دو برس سے زیادہ دودھ پلانا حرام ہے (قرآن مجید سورہ احقاف ع ۲، بقرہ۔ لقمان ع ۲ جملہ تفاسیر قدیم۔ دارقطنی۔ نووی۔ ترمذی نیل المرام)

۲۲۔ عقیقہ جائز نہیں مکروہ ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۱۳۲، جامع الصغیر۔ بدائع)

پیدائش کے دن سے ساتویں روز بچے کا عقیقہ کرنا سنت ہے (ابوداؤد۔ ابن خزیمہ۔ مسند احمد نسائی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی۔ مشکوٰۃ)

۲۳۔ فرض روزہ کی نیت بجائے رات کے دن کو زوال کے وقت تک کر سکتے ہیں۔ (ہدایہ جلد ۱، شرح وقایہ کنز، ردّ المختار جلد ۲، عالمگیری جلد ۱ قاضی خاں جلد ۱)

فرض روزہ کی نیت جب تک رات سے نہ کی جائے روزہ ہرگز نہیں ہوتا۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد ابن ماجہ۔ مسند احمد دارمی۔ دارقطنی)

۲۴۔ اگر کسی کی چیز پڑی ہوئی مل جائے تو چند روز اس کا مشتہر کرنا کافی ہے (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۵۲ وغیرہ)

کسی کی کوئی چیز پڑی ہوئی مل جائے تو اُسے برابر ایک سال تک مشتہر کرنا ضروری ہے۔ (بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ مشکوٰۃ)

۲۵۔ اگر کوئی شہر والا اپنی قربانی نماز عید سے پہلے کرنا چاہے تو قربانی کے جانور کو شہر سے باہر بھیج دے۔ اس حیلہ سے نماز صبح سے پہلے قربانی کر سکتا ہے (ہدایہ مترجم جلد ۴ صفحہ ۹۷)

نماز عید سے پہلے قربانی ہرگز جائز نہیں خواہ شہر والا ہو یا گاؤں والا۔ (بخاری۔ مسلم۔ مشکوٰۃ۔ بلوغ المرام)

مجتہدین کے کارنامے اور جمود

اب میں یہ بات ختم کرنے سے پہلے بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام میں زمانہ کے مقابلہ کی پوری طاقت موجود ہے اور تھی۔ مگر تقلیدِ جامد نے علماء میں جمود راسخ کر دیا۔ مصلحین اور مجددین بھی پیدا ہوتے رہے "وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" مگر اکثریت کا جمود ان کے راستہ میں ہر دور میں حائل ہوتا رہا۔ امام ابنِ تیمیہ حنبلی نے آٹھویں صدی ہجری میں اس جمود وجمود کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔ اِن کے بعد ان کے شاگرد ابنِ قیم بھی اسی راہ پر گامزن رہے۔ ان سے پہلے شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی بھی اس جمود کے خلاف جہاد کر چکے تھے۔ آخری دور میں محمد بن عبدالوہاب حنبلی نے یہ آواز بلند کی اور بدعات وعلام زبوں حالی کے خلاف آواز اٹھائی۔ اسی طرح شافعیوں میں سے محی الدین نووی، تقی الدین سُبکی، ابو حامد غزالی، جلال الدین نے اس جمود کے خلاف بہت کچھ لکھا۔

مالکیوں میں سے ابنِ رُشد، ابنِ عربی نے بہت کوشش کی مگر قاضی ابو یوسف کی وجہ سے خلفائے عباسیہ کے دورِ حکومت میں ہی تمام دُنیا پر حنفیت نے اس قسم کا جمود طاری کر دیا تھا کہ یہ ہستیاں باوجود لاکھ سر پٹکنے کے سوائے ابنِ تیمیہ کے عملاً کچھ نہ کر سکیں۔ البتہ اِن کا چھوڑا ہوا علمی ذخیرہ آج اسلامی معلومات کا ایک بے بہا ذخیرہ ہے۔

ایسے مجددین کی کتب سے صاف واضح ہوتا ہے کہ جو شے شارع کے حکم اور رسول کی سنت سے ثابت نہ ہو وہ سچی نہیں۔ اور تمام وہ طریقے جو رسول کی سُنت سے ثابت ہوں صحیح ہیں۔ ان میں سے ہر طریقہ اُمت کے لیے قابلِ اختیار رہے۔ اور ان میں سے کوئی طریقہ جو اپنے اندر مقابلتاً زیادہ صحت رکھتا ہے تو وہ اولیٰ تر اور باقی صرف جواز کی حد میں رہیں گے۔ سطور گذشتہ میں آپ نے فقہ حنفی کے معرکتہ الآرا مسائل کا حدیث سے اختلاف ملاحظہ کر لیا۔ مگر ہے کوئی اس بات کی جُرأت رکھتا کہ وہ کسی حنفی کے سامنے ان کے متنازعہ مسائل میں کوئی حدیث پیش کر کے عہدہ برآ ہو سکے یا ان کی کسی مسجد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح نماز پڑھ کر سلامت باہر نکل سکے

اصل نماز قیام، قعود، رکوع، سجود اور قرأت کا نام ہے۔ مگر اس کی ادائیگی میں فروعی اختلافات کسی نہ کسی روایت پر ہی مبنی ہیں۔ جس نے جس روایت کو زیادہ صحیح سمجھا یا جس کے پاس جو روایت پہنچی اُس نے اسی پر عمل کیا۔

مگر اس سے آگے بڑھ کر اس مقام کو اپنے ہاتھ میں لینا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے اور باقی سب بالکل غلط ہے یہ صرف تنگ نظری اور کور باطنی ہی نہیں بلکہ اندھا تعصب اور جاہلانہ ضد ہے۔ ایسے ہی پچھلے دنوں راولپنڈی کے کسی مولوی نے اہلحدیثوں کی ایک مسجد پر ہلّہ بول کر اس پر قبضہ کر لیا اور فاتحہ خلف الامام کے متعلق جو مُنہ میں آیا کہنا شروع کر دیا۔

قرأت فاتحہ خلف الامام۔ رفع یدین۔ آمین بالجہر۔ جلسۂ استراحت وغیرہ دُوسری صدی کے آخر تک بلا اختلاف اور بالاتفاق جاری رہے۔ مالکیوں نے بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے بہت بعد بارسالِ ید نمازیں شروع کیں۔ حالانکہ اس سے پہلے اِن میں یہ بدعت نہ تھی۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ امام مالکؒ کو طلاقِ مکرہ کے سلسلہ میں دُرّے لگائے گئے اور آپ کے بازو پیچھے باندھے گئے تھے۔ اس تشدد میں اِن کے بازو اُکھڑ گئے تھے اور وہ اپنے بازوؤں میں خم نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ انہوں نے مجبوراً بارسالِ ید نمازیں پڑھیں ان کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد ان کے مقلدین نے اس بدعت کا اجرا کیا۔ حالانکہ مؤطا امام مالکؒ اور مالکی فقہ کے اصل سرمایہ مدونہ میں بارسالِ ید نماز پڑھنے کا اشارہ بھی نہیں۔ اسی طرح قاضی ابو یوسف نے تمام مملکتِ عباسیہ میں حنفی قاضی مقرر کر کے ہر جگہ ترکِ سنت کی داغ بیل ڈالی۔ "النّاس علیٰ دین ملوکھم" جو بادشاہوں کا مذہب وہ عوام کا مذہب اور بادشاہوں کا مذہب وہ تھا جس کو ہارون الرشید اختیار کر چکا تھا۔ اور ہارون الرشید کا مذہب وہ تھا جو قاضی ابو یوسف کا تھا۔

قندِ مکرّر :

آگے بڑھنے سے پہلے ایک بار پھر کوفی مذہب کا مکرّر جائزہ لیتے چلیے کہ امام ابو حنیفہؒ کو حدیث کا کس قدر علم تھا اور انہوں نے کس حد تک حدیث سے استفادہ کیا اور جب استاد کا حدیث کے متعلق علم اس قدر تھا تو آپ کے شاگردوں کو حدیث کا علم کس حد تک پہنچا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی ابو یوسف نے جو آپ کے ذہن میں آیا زبان سے نکال دیا۔ حکومت پُشت پناہی پر تھی۔ قاضیوں کے تقرّر کا اختیار کُلّی طور پر آپ کو حاصل تھا۔ آپ نے ملک کے گوشہ گوشہ میں قاضی مقرّر کر کے فقہ حنفی کو بامِ عروج تک پہنچایا۔

امام ابو حنیفہؒ کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان کو سترہ حدیثیں پہنچی تھیں (ابنِ خلدون جلد اوّل)

امام ابو حنیفہؒ فقہ میں یتیم تھے۔ (عبداللہ بن مبارک بحوالہ قیام اللیل)

امام ابو حنیفہؒ کی رائے کام کی ہے نہ حدیث۔ (امام احمد بحوالہ مناقب الشافعی مصنفہ رازی)

امام ابو حنیفہؒ نے صرف ایک حدیث امام مالک سے روایت کی ہے (مواہب)

امام شافعیؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن حسن (جو امام ابو حنیفہؒ کے معزز شاگرد تھے) نے بیان کیا کہ "بھلا بتاؤ کہ ہمارے اُستاد (ابو حنیفہؒ) بڑے عالم تھے یا تمہارے (امام مالک) میں نے کہا انصافاً کہوں، انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا تمہیں کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ بتاؤ قرآن کا علم زیادہ کون رکھتا تھا۔ محمد نے کہا امام مالکؒ، پھر میں نے حدیث کے علم کے متعلق پوچھا، انہوں نے کہا امام مالکؒ، پھر میں نے اقوالِ صحابہؓ کی نسبت سوال کیا، انہوں نے جواب دیا امام مالکؒ۔ میں نے کہا اب رہ گیا قیاس تو قیاس تو قرآن و حدیث پر ہی ہوتا ہے، تو اب کس بات میں دونوں کا مقابلہ کروں"۔

(تاریخ ابنِ خلکان جلد ۲)

شبلی سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے مزاج میں تکلف تھا۔ اکثر خوش لباس پہنتے تھے۔ کبھی کبھی سنجاب و قاقم بھی استعمال کیا کرتے تھے۔

جعفر بن محمد امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر تھے، ابو حنیفہؒ نے ان سے علم حاصل نہیں کیا باوجود ان کی شہرت کے۔ (منہاج السنۃ جلد ۲)

حفّاظِ حدیث طلبِ حدیث میں سفر کرتے تھے۔ گاؤں اور شہروں سے حدیثیں جمع کرتے اور انہیں مدوّن کرتے تھے (مگر ابو حنیفہؒ نے یہ مشقت برداشت نہ کی) اس وجہ سے ان کے یعنی ابو حنیفہ کے مذہب میں قیاس زیادہ ہوا۔ (میزان شعرانی)

ہمارا اور ہر منصف کا اعتقاد (محض خوش فہمی کی وجہ سے) ابو حنیفہؒ کے بارہ میں کہ اگر وہ زندہ رہتے حدیثوں کے جمع ہونے تک تو احادیث کو لیتے اور قیاسوں کو چھوڑ دیتے۔

ع چہ دلاور است دزدی کہ بکف چراغ دارد

مؤطا کی تدوین ہو چکی تھی، اس کے علاوہ کون کہتا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے نصف تک یعنی امام صاحب کی موت تک انھیں بالکل کوئی حدیث پہنچ ہی نہیں سکی۔

خطیب نے اپنی تاریخ میں امام ابو حنیفہؒ کے مناقب بیان کر کے بہت سے معائب بیان کیے ہیں۔ جن کا ذکر نہ کرنا ہی مناسب تھا۔ (کیوں ؟) کیونکہ ایسا بڑا امام جس کی دیانت اور ورع میں کوئی طعنہ نہیں نہ ان کی ذات میں۔ سوائے عربیّت کی کمی کے ان میں کوئی عیب نہ تھا۔ (تاریخ ابنِ خلکان جلد ۲)

(اگر عربی سے ہی کورے تھے تو عراق میں رہ کر اور کس زبان میں علم حاصل کیا۔ فہم)

تاریخ خطیب بغدادی، تمہید شرح مؤطا، تاریخ کبیر امام بخاری، میزان الاعتدال اور غنیۃ الطالبین میں اس سے زیادہ آئمہ محدثین، فقہا اور فضلا کے اسمائے گرامی ملتے ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہؒ کو ناقص الحافظہ، کم حدیث جاننے والا، جانچ پڑتال میں ناقص نیز کم عربی جاننے والا بیان کیا ہے۔

فقہ کے جھاڑ جھنکار نے دین کے گُل و ریحان کو ڈھانپ لیا۔

سادات بنو امیہ کی خلافت کا سقوط ایک عوامی تحریک کے ہاتھوں ہوا جس کی باگ ڈور سادات بنو عباس کے ہاتھ میں تھی۔ مگر جب یہ بنو عباس سمجھ

استقلال حاصل ہوا۔ تو یہ ہے۔ خلیفہ عباسی نے ایک بار خطبہ دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ خلافت دراصل ہمارا حق تھا۔ جو ہم حاصل کرتے رہے۔ جب خلیفہ کی اولاد کو اپنی من مانیاں پوری کرنے کے لیے فقہ حنفی نے بھرپور پناہ دی تو دین کی ہیئت بدل گئی۔ بھائیوں اور بیٹوں کے خون حلال ہو گئے۔ دین میں فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ ظلم، بربریت، استبداد اور جبر و تشدد نے نئی نئی طرحیں ایجاد کیں۔ اگر کسی مردِ خدا نے کسی وقت اعلائے کلمۃ الحق کا نعرہ لگایا تو اوّل تو اُسے جبر و استبداد کی چکی میں پیس کر رکھ دیا۔ اور کسی عبدالعزیز کی جان بخشی ہوئی بھی تو باوجود اس بات کے کہ اس نے تاریخ خلافت کے سایہ میں پروان چڑھنے والوں کا ناطقہ بند کر دیا مگر پھر بھی اس کی بات پر کان نہ دھرا گیا۔

عباسیوں کے بعد اس صدارت نشینی کا منصب عثمانیوں کو ملا۔ اس خاندان میں سب سے زیادہ مشہور سلطان محمد فاتح ہوا ہے۔ جس نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ اتنی بڑی سعادت حاصل کرنے کے باوجود تخت نشینی کے وقت جب اس کی سوتیلی ماں اپنے شیرخوار بچے کو لے کر مبارک باد کے لیے حاضر ہوئی تو سلطان نے اس شیرخوار سوتیلے بھائی کو حوض میں پھینک کر قتل کر دیا۔ کبھی آپ نے اس بات پر بھی غور کیا کہ ایسے بادشاہوں کے پاس اس انسانیت کشی کا بھی کوئی جواز تھا۔ نہیں اور ہرگز نہیں!

مگر تھا! اور وُہ تھے فقہ حنفی کے کھلے دروازے! کہ ملّت کے پاسبان کو اپنی جان کی حفاظت کے لیے جن لوگوں سے خطرہ ہو اُنھیں قتل کر سکتا ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر جس نے فتاویٰ عالمگیری چند مجہول الحال فقیہوں سے مرتّب کرایا اُس نے بھی اسی فقہ کی آڑ میں باپ کو نظربند کر دیا۔ اور بھائیوں کو قتل کرا دیا۔ دارا کا قتل آخر کس فتنہ کے خوف سے کیا۔ اور رہ گئی دارا کی بے دینی تو کیا اس وقت عالمگیر کے آگے پیچھے تمام دیندار اور متقی لوگ ہی تھے۔ اور دارا ہی بے دین تھا۔

میرے دوستو! بزرگو اور بھائیو! یہ سب گلکاریاں فقہ حنفی کے برگ و بار سے نیاد

کی گئیں۔

خداوندانِ فقہ حنفی اپنے آئمہ اور اپنی فقہ کے متعلق خود کیا کہتے ہیں؟

۱۔ علم وُہ ہے کہ جس میں حدثنا ہو۔ جو اس کے سوا ہے وُہ وسواس شیطانی ہے۔ (شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی ص)

۲۔ اسناد میرے نزدیک دین سے ہے۔ گر اسناد نہ ہو تو جو کوئی جو کچھ چاہے کہہ دے۔ (عبداللہ بن مبارک شاگرد امام صاحب)

۳۔ فقہاء کا قول اپنی اصل میں خطا کا متحمل ہے۔ (الارشاد ص۱۴۶)

۴۔ علم حدیث سے نورایمانی زیادہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ اور فقہ کے ضبط و عمل کا حال ہی معلوم نہیں۔ (مرزا مظہر جان جاناں)

۵۔ حدیثیں مستند ہیں اور اقوال مجتہدین غیر مستند۔ (ولایت علی حنفی کا رسالہ عمل بالحدیث)

۶۔ امام اعظمؒ سے کوئی کتاب منقول نہیں۔ کنز، ہدایہ، عالمگیری اور قاضی خاں وغیرہ مُصنفین نے محض اپنی عقل سے بجوزا و لا یجوز لکھ کر تکمیل کی ہیں (رسالہ عمل بالحدیث)

۷۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ من گھڑت ہے جو ان پر تھوپا گیا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

۸۔ یہی حال ہے اُن مسائل کا جن کو مجتہدین نے رسُول اللہؐ کے اقوال سے مستنبط کیا ہے۔ (ایقاف علی سبب الاختلاف محمد حیات سندھی حنفی)

۹۔ وُہ قیاس جو صاف صاف کھلے ہُوئے نہیں جن سے حنفیہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اکثر ان کی سند ابُوحنیفہ تک نہیں پہنچی۔ (دراسات اللبیب) اقوال، ایک کی بھی نہیں پہنچتی

۱۰۔ امام ابُو یوسف قاضی کو بعض نے سُست لکھا ہے۔ (مقدمہ عالمگیری)

۱۱۔ حسن بن زیاد متروک الحدیث ہے۔ (" ")

۱۲۔ صاحب تفسیر کشاف معتزلی تھا۔ (" ")

۱۳۔ ناصر بن عبدالسید حنفی معتزلی تھا۔ (" ")

۱۴۔ مصنف قنیۃ المنیہ معتزلی تھا۔ (ہدایہ)

۱۵- امام زاہدی حنفی معتزلی تھا۔ (دُرِّ مختار)

۱۶- معتزلہ فروع میں حنفی ہیں۔ (" ")

۱۷- معتزلہ کافر ہیں اور سُنّیہ کا نکاح ان سے جائز نہیں۔ (دُرِّ مختار)

۱۸- جس کو اہلیت نظر ہے اس کو ابُوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں (مقدمہ ہدایہ)

۱۹- ابُوحنیفہ اور صاحبین کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو آئمہ کے قول پر فتویٰ ہو گا۔ (مقدمہ ہدایہ جلد اوّل)

۲۰- امام ابُوحنیفہ مرجیہ تھے۔ (غنیۃ الطالبین)

حنفی خود فقہ پر عمل نہیں کرتے

اب چند وُہ مسائل بھی دیکھ لیجیے جو فقہ حنفی میں کتاب و سُنّت کے مطابق ہیں مگر احناف نے ان پر عمل کرنے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی:

۱- سوائے انبیا اور عشرہ مبشرہ کے اولیاء صاحبِ کرامات اور علماء و اصفیا کو قطعی جنتی نہیں کہہ سکتے (مُلّا علی قاری، ہدایہ جلد ۱) یہاں تو اکثر صحابہ کرام کو قطعی جنتی ہونے کے زمرہ سے نکال دیا گیا ہے حالانکہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے متعدد موقعوں پر متعدد صحابہ کرام کو جنّت کی بشارت دی۔ مگر یہی حنفی ہر ایرے غیرے اور ہر پختہ قبر والے کو جنتی اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔

۲- علمِ غیب سوائے خدا کے کسی مخلوق کو نہیں (دُرِّ مختار جلد ۱- مقدمہ ہدایہ جلد ۱) مگر حنفی بھائیوں نے علمِ غیب پر لاکھوں صفحات لکھ کر نبیوں کے علاوہ ہزاروں ولیوں کو عالم الغیب ثابت کرنے پر زورِ قلم صرف کیا ہے۔

۳- کسی نے خدا اور رسُول کی گواہی سے نکاح کیا تو درست نہ ہو گا۔ ابُوالقاسم صفار نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اس لیے کہ ایک تو اس نے حرام کو حلال جانا یعنی اللہ نے گواہی نکاح کی آدمیوں کے لیے مخصوص کی ہے اور اس نے اس کے خلاف کیا اور دُوسرے یہ کہ جب اُس نے رسُول کو گواہ قرار دیا تو

رسُول کا علمِ غیب ثابت کیا۔ حالانکہ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کو خاص ہے (دُرِّ مختار جلد ۲) یہاں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علمِ غیب کی قطعی نفی بیان کی گئی ہے۔ مگر وُہ حنفی جنھوں نے اس مشغلہ میں عمریں صرف کر دی ہیں وُہ کس ابُوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔

۴- جس نے اللہ کی کسی صفت کو مخلوق کی کسی صفت کے مشابہ کیا وہ کافر ہے۔ (فقہ اکبر، مقدمہ ہدایہ) بیٹے طلب کرنا اور دُوسری حاجتیں اہلِ قبور اور گدی نشینوں سے انھیں کیا سمجھ کر طلب کی جاتی ہیں؟

۵- رقص کرنے والے اور حال کھیلنے والے کافر ہیں (دُرِّ مختار جلد ۲) کیا فرماتے ہیں رہبرانِ قادریہ اور چشتیہ بیچ اس مسئلہ کے؟

۶- گانے باجے سے لذت اُٹھانا کفر ہے (دُرِّ مختار جلد ۴- ہدایہ ۴) کیا فرماتے ہیں عُلمائے سلسلہ چشت؟

۷- گانا اللہ کے نزدیک شرک ہے (ہدایہ جلد ۴) سماع کے جواز پر سینکڑوں کتابیں لکھنے والے غور کریں۔

۸- یا عبد القادر شیئاً للہ کہنا خوفِ کفر سے خالی نہیں (مقدمہ ہدایہ جلد ۱) "قلم خدا دی ہتھ دلی دے جو چاہے سو کر دا" کس فقہ کا مسئلہ ہے؟

۹- جو دلی کے واسطے بے مسافت کو کہے وُہ جاہل و کافر ہے (دُرِّ مختار جلد ۲) "یہ زمین دلی کے آگے اڑھائی قدم ہیں"

۱۰- کاہن کی خبر کی تصدیق کرنا کفر ہے (مقدمہ ہدایہ جلد ۱) مگر یہاں تو ہر ٹُنک بازکی واہی تباہی پر ایمان ہے۔

۱۱- عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا کفر ہے۔ (مقدمہ ہدایہ جلد ۱)

۱۲- مُردے کی طرف سے اسقاط دینا مذموم ہے۔ (دُرِّ مختار جلد ۱) پھر یہ اسقاط کی بھرمار کیوں؟

۱۳- تیجہ۔ دسواں۔ چالیسواں۔ فاتحہ مرّوجہ مذموم اور بدعت ہیں۔ (بہشتی زیور)

۱۴- قرآن سے فال نکالنا حرام ہے (مقدمہ ہدایہ جلد ۱) کیا فرماتے ہیں وہ پیرانِ عظام جنہوں نے اسی فعل کو روزی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

۱۵- تعویذ بیچنا حلال نہیں (ہدایہ جلد ۴) "روٹی تو کما کھائے کسی طور مچھندر"

۱۶- نقش اور طلسم حرام ہیں۔ (دُرِّ مختار جلد ۱) کیا فرماتے ہیں گدی نشینان سلسلہ ہائے قادریہ نقشبندیہ، سہروردیہ اور چشتیہ ؟

یہ مُشتے نمونہ از خروارے چند مثالیں پیش کی ہیں جن پر عمل کرنے والے سو فی صدی حنفی بھائی ہیں۔ اور انہیں کی کتابوں میں یہ افعال حرام لکھے ہوئے ہیں۔ "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"۔ نماز کے متعلق فقہی ذخیرہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمودہ اور خود ادا کی ہوئی نماز کے متعلق سینکڑوں مقامات پر لکھا ہوا ہے۔ مگر آج ہمارے حنفی بھائی نامعلوم خود ساختہ نمازوں پر اتنی سختی سے کاربند کیوں ہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ اور صحابہ کرام کے طریقہ سے جس کی وہ خود بھی تصدیق کرتے ہیں کیوں نفرت کرتے ہیں ؟

فاتحہ خلف الامام[1] :

سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور وہ نماز کا ایک رکن ہے۔ اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ بسندِ صحیح صحاح ستہ، ابن حبان، دارقطنی مروی ہے۔ (ہدایہ جلد ۱ ص ۳۶۱)

ابن ہمام نے تقلت القرآن والی حدیث کے راوی کو ثقہ بتایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے۔ (ہدایہ جلد ۱ ص ۴۲۹)

امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کی احادیث ضعیف ہیں۔ (شرح وقایہ ص ۱۰۸، ۱۰۹)

حضرت ابن عمرؓ کا اثر فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے کا ضعیف ہے۔ (شرح وقایہ ص ۱۰۹)

حضرت علیؓ کا قول بھی فاتحہ کے منع میں ضعیف ہے اور باطل ہے۔ (شرح وقایہ ص ۱۱۰)

فاتحہ خلف الامام مقتدی کے لیے مستحسن ہے۔ (ہدایہ جلد ۱ ص ۴۳۰)

جلسۂ استراحت :۔ قومہ، جلسہ امام ابو یوسف کے نزدیک فرض اور امام ابو حنیفہؒ

[1] مکمل تحقیق کے لیے تحقیق الکلام حصہ اوّل و دوم مصنفہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری ملاحظہ ہو۔

کے نزدیک سنت ہے۔ (ہدایہ جلد ۱ ص ۳۷۱)

آمین بالجہر :

والجہر بآمین (غنیۃ الطالبین) حضرت عطا امام ابو حنیفہؒ کے استاد کہتے ہیں کہ میں نے تقریباً دو سو صحابہؓ کے بیت اللہ میں نماز پڑھی سب بلند آواز سے آمین کہتے تھے (بیہقی ج ۲ ص ۵۹)

آمین بالجہر سنت ہے (احیاء العلوم) آمین بالجہر کے اثبات میں احادیث قوی ہیں۔ ہدایہ مترجم ص ۲۹۵ جلد ۱)۔

یہی حدیثیں شرح وقایہ میں بھی ہیں۔ (نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ ص ۹۷)

مقتدی امام کی آواز سن کر آمین کہیں۔ (دُرِّ مختار مترجم جلد ۱ ص ۲۳۰)

ایک دو آدمیوں نے سنا تو جہر نہ ہوگا۔ جہر وہ ہوگا جو سب سنیں۔ (دُرِّ مختار ص ۲۴۹ جلد ۱)

آمین جہر قبولیت ہے۔ (ہدایہ مترجم جلد ۱ ص ۳۶۴)

ہم نے تامل اور غور کے بعد آمین بالجہر کو صحیح پایا۔ (سعایہ شرح وقایہ ص ۲۴۹ جلد ۱)

آمین بالجہر سنت ہے۔ (حاشیہ دُرِّ مختار، طحطاوی)

جہری نماز میں آمین جہر سے کہتے تھے۔ (مدارج النبوۃ ص ۲۰)

آمین بالجہر کے ثبوت میں احادیث قوی ہیں۔ (ہدایہ، شرح وقایہ)

مقتدی امام کی آمین سن کر آمین کہیں۔ (دُرِّ مختار ص ۲۲۹)

ابن ہمام نے آہستہ آمین والی حدیث کو ضعیف کہہ کر یہ فیصلہ دیا ہے کہ آمین درمیانی آواز سے کہیں۔ (ہدایہ ص ۳۶۳ جلد ۱)

رفع یدین :

و الرفع و الرفع منہ (غنیۃ الطالبین) یا عبدالقادر شیئاً للہ والے غور کریں۔

فما زالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک رفع یدین سے نماز پڑھتے رہے۔ یہ روایت منسوخ نہیں۔ (ہدایہ جلد ۱ ص ۱۶۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت تک رفع یدین کیا۔ (ہدایہ جلد ص ۳۸۶)

امام صاحب کے شاگردوں میں سے عبداللہ بن مبارک اور عصام بن یوسف رفع یدین

کرتے تھے۔ (فتاوٰی عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے بلاشک وشبہ رکوع کے وقت رفع یدین ثابت ہے۔ (سعایہ صفحہ ۲۱۳) مولانا عبدالحی لکھنوی

امام ابوحنیفہؒ کے اُستادوں میں سے سالم بن عبداللہ۔ حضرت طاؤس۔ حضرت عطار۔ حضرت مکحول۔ یحییٰ بن سعید۔ عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہم رفع یدین کرتے تھے (جزء بخاری)

رفع یدین کرنے کی حدیثیں بہ نسبت ترک رفع یدین کے زیادہ قوی ہیں (ہدایہ صفحہ ۳۸۹ ج ۱)

رفع یدین نہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے۔ (شرح وقایہ صفحہ ۱۰۲)

حق یہ ہے کہ نبی علیہ السلام سے رفع یدین صحیح ثابت ہے۔ (ہدایہ صفحہ ۳۸۶ جلد ۱)

رفع یدین کو اکثر فقہار و محدثین سنت ثابت کرتے ہیں۔ (مالابُدمنہ صفحہ ۲۵)

سینے پر ہاتھ باندھنا :

وضع الیمین علی الشّمال فوق السرّۃ۔ (غنیۃ الطّالبین)

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کی حدیث ضعیف ہے۔ (ہدایہ جلد صفحہ ۳۵۰)

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کی حدیث ہی مرفوع نہیں بلکہ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ اور وُہ بھی ضعیف تر۔ (شرح وقایہ صفحہ ۹۳)

سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث قوی ہے۔ (ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۵ شرح وقایہ صفحہ ۹۳)

حضرت مرزا جانِ جاناں سینہ پر ہاتھ باندھتے بسبب اس حدیث کے قوی ہونے کے۔ سینہ پر ہاتھ باندھنا قوی حدیث سے ثابت ہے۔ (مقدمہ ہدایہ ص ۱۱۱، ۳۵۱ جلد ۱ شرح وقایہ صفحہ ۱۳۵، شرح قدوری صفحہ ۱۲۵ وغیرہ)

ہاتھ اُٹھا کر دُعا قنوت پڑھنا :

ثم یمد یدیہ علی وجھہ۔ (غنیۃ الطّالبین) قنوت میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر چھاتی تک دُعا مانگنے کی طرح ہتھیلیاں آسمان کی طرف رکھے۔ (ابو یوسف دُرِّ مختار ص ۳۱۰ جلد ۱۔ شرح وقایہ ص ۱۲۷)

بعد رکوع کے دُعا قنوت پڑھے۔ (شرح وقایہ ص ۱۲۵)

تراویح کی تعداد :

تراویح کی بیس رکعت کی حدیث ضعیف ہے۔ (دُرِّ مختار جلد ۱ صفحہ ۳۲۶، ہدایہ جلد ۱، ص ۵۶۳۔ شرح وقایہ ص ۱۳۳)

تراویح مع وتر کے گیارہ رکعت ثابت ہیں۔ (ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۵۶۳، شرح وقایہ صفحہ ۱۳۳)

برادرانِ احناف اب ذرا غور فرمائیں اور خود ہی انصاف کریں کہ ان سطور میں جو کچھ لکھا گیا ہے کیا وُہ حنفی فقہ میں موجود نہیں۔ یہ سب کچھ موجود ہے اور آپ نے پڑھا ہے اور آپ خوب جانتے ہیں۔ پھر خدا را بتائیے کہ یہی باتیں تو غرباء اہلحدیث آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ مگر آپ نے فقہ حنفی کے علی الرغم جو غلط مفروضات اپنے کام و دہن کی ضیافت کے لیے تیار کر رکھے ہیں ان سے ہٹنا، اب آپ کے بس کا روگ نہیں رہا۔ آپ کے علماء میں اب حق بیان کرنے کی جرأت نہیں۔ اور اگر وُہ اب حق بیان کرنے کی جرأت کریں تو اس کا جواب دینے کی ان میں اخلاقی ہمت اور جرأت نہیں کہ آج تک اُنہوں نے حق کو کیوں چھپائے رکھا۔ اب وُہ مجبور ہیں کہ جن غلط باتوں کو وُہ عوام کے سامنے صحیح ثابت کر چکے ہیں ان پر ہی ڈٹے رہیں اور عوام کو اس اندھیرے سے نکلنے نہ دیں۔ عجب حالت اور حیران کن بات ہے کہ فقہ حنفی بھی ان باتوں سے منع کرتی ہے۔ قرآن و حدیث بھی پکار پکار کر اپنی طرف بُلا رہے ہیں مگر چند بر خود غلط اور خوفِ خدا کو بھُولے ہُوئے ٹولے نے ایک کثیر جماعت کو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائیں۔

مقلدین نے کلام اللہ سے کیا سلوک کیا؟

آج ہمارے سامنے قرآن مجید جس ترتیب اور طریقہ سے پڑھا جاتا ہے اور مروج ہے یہ طریقہ پانچویں صدی ہجری میں مروج کیا گیا۔ اور اسے قرأت طیفوریہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پانچویں صدی ہجری تک قرآن مجید نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمودہ قرأت کے مطابق پڑھا جاتا تھا۔ حافظ ابنِ کثیر سورۂ مزمل کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا وصف پوچھا جاتا تھا۔ تو آپ فرماتے تھے کہ حضور خوب مدّ کھینچ کر پڑھا کرتے تھے۔ پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سنائی جس میں لفظ اللہ لفظ الرحمٰن اور لفظ الرحیم پر مد کیا۔ ابن جریج میں ہے کہ ہر ہر آیت پر آپ پورا وقف فرماتے تھے۔ جیسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر وقف فرماتے۔ الحمد للہ رب العالمین پر وقف کرتے۔ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر وقف کرتے۔ مالک یوم الدین پڑھ کر ٹھہرتے۔ یہ حدیث مسند احمد۔ ابو داؤد اور ترمذی میں بھی ہے)

مگر یارانِ طریقت نے آیات کے درمیان میں ط، ج، م۔ صلے، وقف وغیرہ کی درجنوں علامتیں لکھ لکھ کر ایک ایک آیت کو کئی حصوں میں بانٹ دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ○ کو سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ○ لا الَّذِي بنا کر رکھ دیا۔ حالانکہ نبی علیہ السلام سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ○ پر وقف فرماتے اور کہتے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آپ لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ پڑھتے اور آخری آیت أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ پر پہنچتے تو سُبْحَانَكَ وَبَلَىٰ کہتے۔ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ کی تلاوت کے وقت بَلَىٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔ الغرض قرأتِ مسنونہ کی یہ تمام صورتیں آج بالکل غتربود کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (المرسلات) کے بعد آمَنَّا بِاللَّهِ کہنا سنت ہے (مسند احمد، ترمذی)

مگر بجائے اس مسنون قرأت کے قرآن کی تلاوت کا طریقہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ اللہ ایسے خیر خواہانِ دین سے اپنی پناہ میں رکھے۔

حالانکہ یہ ایک بدیہی امر اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ قرآن مجید کا مفہوم، تلاوت کا طریقہ، معنی، مقصد اور آیات کے اوقاف تمام کے تمام وہی درست اور قابلِ عقیدہ و قابلِ عمل ہیں جو خود صاحبِ کتاب نے اپنے صحابہ کو سکھائے اور سمجھائے۔ اور تابعین اور تبع تابعین اس پر کاربند رہے۔ اور اس تمام صورت کو اصحابِ صحاح ستہ اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں محفوظ کر دیا۔ قرأتِ مسنونہ تو یہی اور ہے کہ ہر گول آیت پر وقف کیا جائے۔ ہر ہر سورت کی آیات کی تعداد بالاتفاق صحابہ و قراء سبعہ سب کو معلوم ہے۔ گول آیتوں

کا قرآن مجید میں ہونے سے کسی کو انکار نہیں۔ اور گول نشان پر بالاتفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھہرنا ثابت ہے۔ اب انصاف فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر آیت پر ٹھہریں اور چند منچلے وہاں "لا" لکھ کر آپ کو کہیں کہ یہاں نہ ٹھہرو اور آپ اسی پر عمل کرنا شروع کر دیں تو کیا یہ صریحاً نبی علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی نہیں۔

نبی علیہ السلام کا ہر آیت پر ٹھہرنا اپنی مرضی سے نہ تھا بلکہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ تھا۔ اور جبریلؑ اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند تھے۔ آپ ایک ایک آیت لاتے اور نبی علیہ السلام کو کہتے کہ یہ آیت فلاں آیت سے پہلے یا بعد کی ہے۔ نبی علیہ السلام اسی طرح صحابہ کرام کو سمجھاتے۔ وہ حسب فرمانِ نبوی اس آیت کو اسی مقام پر لکھ لیتے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ترتیبِ سُوَر اور آیات توقیفی ہے۔ اس میں رائے اور قیاس کو دخل نہیں نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہر آیت کے خاتمہ پر وقف کرتے۔ اسی وجہ سے قاری ابو عمر وعمداً اخیر آیت پر ٹھہرتے تھے۔

امام بیہقی نے گول آیت پر ٹھہرنے کو مسنون قرار دیا ہے۔ سیوطی بھی اتقان میں یہی لکھتے ہیں کہ آپ کا یہ ٹھہرنا اپنے اجتہاد سے نہ تھا بلکہ ارشادِ خداوندی تھا۔ امام القراء جزری نے بھی اسے سُنت قرار دیا ہے۔ مُلّا علی قاری کی زبان سے بھی یہ سچی بات نکل ہی گئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے حنفی بھائیوں کو پھر بھی اس کی توفیق نہ بخشی۔ فیض القدیر شرح جامع صغیر میں ہے کہ گو پہلی آیت کا دوسری آیت سے تعلق کیوں نہ ہو۔ پھر بھی ٹھہرنا افضل ہے۔ امام ابنِ قیم بھی اسی کے قائل ہیں۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں جو سُننِ ابی داؤد، ترمذی، حاکم، دارقطنی ابنِ خزیمہ اور احمد وغیرہ میں موجود ہے سورہ فاتحہ کی آیت آیت پر ٹھہرنا صراحتہً ثابت ہے۔ اور اپنے باب میں صریح اور واضح الدلالت ہے۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیہقی اور مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ ایک ایک آیت پڑھتے جاؤ اور جنت کے درجات چڑھتے جاؤ۔ جو آیتوں پر ٹھہرے گا نہیں وہ اپنے درجات

سے محروم رہے گا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں آیات پر وقف کو مسنون قرار دیا ہے۔ شیخ عبدالحقؒ شرح فارسی مشکوٰۃ اور شرح سفر السعادت میں آیت آیت پر وقف کو قراءت نبوی لکھا ہے۔ اور "لا" وغیرہ جو آیات پر لکھا ہوتا ہے ان کا کچھ اعتبار نہیں۔

ایک پہلو یہ بھی ہے تقلید کی تصویر کا!

بغیر یہ دیکھے کہ کتبِ فقہ کا منبع کونسا ہے، اِن کتب میں جو کچھ لکھا ہوا ہے صحیح ہے یا غلط، احناف نے مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا کے مصداق کتاب و سنت کے مقابلہ میں کتب فقہ کو ہی حرفِ آخر کا مقام دیا ہوا ہے۔ ہم چند لمحات کے لیے مان لیتے ہیں کہ حضرت ابو حنیفہؒ کا اجتہاد اغلاط سے پاک تھا مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ کتبِ فقہ کا ذخیرہ امام ممدوح سے مروی ہے۔ فقہ کی اولین کتاب امام صاحب سے چار سو سال بعد لکھی گئی۔ میں نہایت وثوق اور دعوے سے کہتا ہوں کہ اس کتاب کے ایک مسئلہ کی سند بھی مرفوعاً امام موصوف تک نہیں پہنچتی۔ یہ ذخیرہ، یہ مکتبۂ فکر، یہ مذہب، یہ طرزِ استدلال غرضیکہ یہ سب کچھ امام ممدوح کی ذات کی طرف بہتان ہے۔

چلیئے ہم چند لمحات کے لیے یہ بھی مان لیتے ہیں کہ یہ پورا حنفی نظام امام ممدوح کا تیار کردہ ہے تو اس صورت میں بھی جس حد تک امام موصوف کے تقدس، زہد اور اتقا کا حال ہے وہ بے مثال ہے مگر جس حد تک علمی بصیرت اور خصوصیت سے علم حدیث کا تعلق ہے امام صاحب اس میں کورے تھے:

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث اپنی کتاب مصفّٰی شرح مؤطا مطبوعہ فاروقی صہ۶ پر لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ وہ شخص ہیں کہ تمام بڑے بڑے محدثین مثل امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابو داؤد، ابنِ ماجہ اور دارمی نے ایک حدیث بھی ان سے اپنی کتابوں میں درج نہیں کی۔

۲۔ حدیثِ ذیل یعنی "جس کے لیے امام ہو تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہوگی" سوائے امام ابو حنیفہ کے کسی نے بیان نہیں کی۔ اور وہ محدثین کے نزدیک ناقص الحافظہ

ہیں۔ (قول حافظ عبدالبر شرح مؤطا جلد ۳ صہ۲۷۲، سنن دارقطنی مطبوعہ فاروقی صہ۱۲۳)

۳۔ ابو حفص عمر بن علی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ حافظہ والے نہیں۔ اور حدیث میں غلطیاں کرنے والے ہیں۔ (تخریج ہدایہ حافظ ابنِ حجر مطبوعہ فاروقی صفحہ ۹۳)

۴۔ ابو حنیفہ حدیث میں قوی نہیں۔ اور وہ حدیث میں بہت غلطی اور خطا کرنے والے ہیں۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین نسائی مطبوعہ نوادا احمدی صہ۳۵)

آگے چل کر امام صاحب کے مقلدین نے ایک شوشہ چھوڑ کر رہی سہی کسر خود ہی پوری کر دی نور الانوار میں ملا احمد کہتے ہیں: "جو کچھ قرآن سے ملتا ہے وہ فرض ہے۔ اور حدیث ظن ہے اور قرآن اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا کہتا ہے۔"

اسی نور الانوار مطبع نولکشور صفحہ ۱۵۰ پر مرقوم ہے۱؎ کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ کی خلافِ قیاس حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔" (لاحول ولا قوۃ)

اِسی کتاب کے صفحہ ۱۵۱ پر مرقوم ہے کہ: "وابصہ بن معبدؓ غیر عادل اور مجہول تھے۔" (نعوذ باللہ من ذلک) حسامی صہ۱۵ پر وابصہ بن معبدؓ کے ساتھ سلمہ بن محبق صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجہول قرار دیا گیا ہے۔

(جماعت اہلحدیث کو بے ادب اور گستاخ کہنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ)

گویا ایک غلطی اور خطا کرنے والے غیر صحابی کو اہمیت دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی شان میں محض اس لیے گستاخیاں روا رکھی گئی ہیں کہ فقہ حنفی کا یہ اسفار لہوالحدیث ہی حرفِ آخر ثابت کیا جائے۔

اب ہدایہ مثلِ قرآن کے مصنف کی حدیث دانی ملاحظہ ہو: ہدایہ کتاب الصلوٰۃ، باب الامامت میں اپنے جیسے لوگوں کی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لیے کیا کہتے ہیں: "جس نے متقی عالمِ دین کی اقتدار میں نماز با جماعت پڑھی اُسے اتنا اجر ملے گا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔" اور ان الفاظ کو حدیث قرار دیتے ہیں۔ کیا کسی حنفی کو آج تک فقہ میں درج ایسی وضعی حدیثوں کے متعلق عوام کو باخبر کرنے کی جرأت ہوئی ہے۔ جو چھٹی صدی ہجری کے آخر میں مصنفِ ہدایہ نے بذریعہ وحی

۱؎: بعض فقہاء کے نزدیک ابو ہریرہ کی روایات ناقابلِ اعتبار ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی صہ۱۱۱)

نازل ہوئی ہیں۔

اسی طرح گیارھویں صدی ہجری میں محمد علاء الدین بن شیخ حصنفی مصنف دُرِّ مختار کو الہام ہوتا ہے:

"فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدمؑ کو میری ذات پر فخر ہے اور مجھے اپنے ایک اُمتی کے سبب فخر ہے۔ جس کا نام نعمان اور کنیت ابُو حنیفہؒ ہے۔ جو کہ میری اُمت کا چراغ ہے۔" (دُرِّ مختار۔ نتائج التقلید ص۶۶)

شاید اسی قسم کے لاطائل ہفوات سے متاثر ہو کر مولانا عبدالحی لکھنوی کو لکھنا پڑا تھا کہ "کتنی ہی ایسی مستند کتابیں ہیں جن پر بڑے بڑے فقہاء نے عمل کیا ہے۔ موضوع حدیثوں سے بھری پڑی ہیں۔" (نافع کبیر مقدمہ جامع صغیر صفحہ ۱۳)

اور تنبیہ الوسنان میں علامہ اشرف بن طیب بن تقی الدین حیدر نے تو واشگاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ بدعتیوں اور زندیقوں کی گھڑی ہوئی حدیثیں ایک لاکھ سے زائد ہیں۔ (بحوالہ قول لائب فی ردِ شہاب ثاقب ص۴)

الغرض کتب فقہ من گھڑت مسائل کے علاوہ وضعی احادیث کا مجموعہ ہیں۔ اور پھر کسی وضعی حدیث کے لکھنے کے بعد اس پر نہایت ڈھٹائی سے بحث کی جاتی ہے آخر مرنے کے بعد یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟

ایک وضعی حدیث ہے: "قال علیہ السلام تکثر لکم الاحادیث من بعدی فاذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافق فاقبلوہ وما خالف فردوہ۔"

معمولی سے لفظی اختلاف سے فقہ حنفیہ کی مشہور درسی کتاب توضیح تلویح اور اصول شاشی مطبع فاروقی دہلی ص۳۶۹ اور بزدوی میں یہ من گھڑت حدیث لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور اس بحث کو اچھی خاصی طوالت دی گئی ہے۔ حالانکہ یہ سرے سے حدیث ہی نہیں تو بخاری کے روایت کرنے کا کیا مطلب؟ "ھذا بھتان عظیم"

اللہ تعالیٰ مصنف تنقید الہدایہ کو جنت میں اعلیٰ مقام بخشیں۔ موصوف نے ہدایہ کی سینکڑوں وضعی حدیثوں سے ہمیں باخبر کیا ہے۔ شب آخر آمد و افسانہ از افسانہ می خیزد

کہاں تک لکھتا جاؤں، بس

ع دل صاحبِ ادراک سے انصاف طلب ہے،

یہ تمام عقدے امام ابُو الحسن عبیداللہ الکرخی کے اِن الفاظ کے بعد حل ہو جاتے ہیں:

"ہر وُہ آیت جو اس طریقہ (فقہ حنفی) کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں وُہ یا تو مؤول ہے یا منسوخ۔ اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو (یعنی فقہ حنفی کے خلاف) وُہ مؤول یا منسوخ ہے۔" اصول کرخی

(بحوالہ تاریخ فقہ اسلامی خضری ص۴۲۱)

لائقِ صد تحسین ہیں، حناف جنہوں نے اپنے ایک امام کے اس قول پر عمل کر کے دکھا دیا۔

اَحناف کی ایک اور بدعت جس نے اسلام میں شعوبی تعصب پیدا کر کے اسلامی مساوات کا بخیہ اُدھیڑ دیا:۔

قرآن مجید نے صرف تقوے کو فرقِ مراتب کا پیمانہ قرار دیا ہے "ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور پہچان کے لیے ذاتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا مگر تم میں سے عزت کا حامل ہے جو متقی ہے۔" (القرآن)

اس سبق کو ذہن نشین کرانے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً نمونہ پیش کر کے دکھایا۔ فقہ حنفی کا ایک اہم باب "کفو" کے متعلق لکھا گیا۔ یعنی اگر کسی طرح دو الگ الگ قبیلوں میں رشتہ داری ہو جائے اور لڑکی اعلیٰ کفو سے تعلق رکھتی ہو اور لڑکا ادنیٰ کفو سے تو لڑکی اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ بظاہر تو یہ بات بالکل معمولی نظر آتی ہے۔ مگر اس بظاہر معمولی بات نے اسلامی اخوت و محبت اور رواداری و مساوات کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر رکھ دیا ہے۔ آج چند قبیلے ایسے ہیں جن کے افراد اگرچہ زانی، شراب خور، چور اور جواری بھی ہوں مگر نسلی برتری کی وجہ سے وُہ معاشرہ میں معزز و محترم سمجھے جاتے ہیں۔ اور چند قبیلے ایسے ہیں جن کے افراد اگرچہ صالح، متقی، عابد، زاہد اور پرہیزگار ہی کیوں نہ ہوں وُہ کمتر ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اور اگر الذکر طبقہ کا کوئی فرد مؤخر الذکر طبقہ کی کسی بھوبیٹی

کو اغوا کرلے تو غریب دم گھٹ کے رہ جاتا ہے۔ اور مؤخرالذکر طبقہ کا کوئی فرد اوّل الذکر طبقہ کی کسی لڑکی سے اس کی رضا و رغبت سے بھی نکاح کرلے تو اُسے غیر کفو قرار دے کر فوراً تنسیخ نکاح کے مقدمات دائر کرکے ان کے درمیان تفریق کرا دی جاتی ہے۔

اس تمام المیہ کا پس منظر صرف اس قدر ہے کہ مجدّدینِ فقہ حنفی نے وقت کے عیّاش، اوباش، اور تماش بین حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اسے جلبِ زر کا ذریعہ بنانے کے لیے اس مسئلہ کفو کو ایجاد کیا۔ اُمراء جب چاہیں غربا کی عزّت و ناموس سے کھیلتے رہیں۔ جہاں کسی غریب کی وضعدار بہو بیٹی نظر آئی لے اُڑے اور غُربا شرعی نکاح کرکے بھی ناکام رہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی پھوپھی زاد زینب بنتِ حجش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید سے کر دیا۔ زیدؓ اور زینبؓ کہاں ہم کفو تھے۔ پھر حضورؐ کی بیٹیاں یعنی رقیہ اور اُمِّ کلثوم حضرت عثمانؓ کی کیسے ہم کفو تھیں۔ اُبو العاص کہاں نبی پاکؐ کے ہم کفو تھے۔

فقہاء کی اس کفو بازی نے شیعہ حضرات کو موقع دیا اور وُہ نبی علیہ السلام کی تین بیٹیوں کا ہی انکار کر بیٹھے۔ حالانکہ ان کی اپنی کتابوں میں بھی آپ کی چار بیٹیاں تسلیم کی گئی ہیں۔[۵]

---

۵ : (۱) نہج البلاغۃ مطبوعہ رحمانیہ ص ۳۲۲ کا حاشیہ
(۲) اصول کافی باب مولد النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم
(۳) صافی شرح کافی جُز سوم حصہ ۲ ص ۴۶ ،۱۴۷
(۴) حیات القلوب جلد ۲ ص ۸۹ ،۱۸۰ ،۲۰۰
(۵) استیعاب جلد اوّل ص ۲۲
(۶) تاریخ طبری جلد ا حصہ ۸ ص ۴۴ ۵
(۷) تاریخ ابنِ خلدون کتاب ۲ جلد ۳
(۸) نیرنگِ فصاحت ص ۲۲۶
(۹) تحفۃ العوام ص ۱۱۲
(۱۰) شفاء الصدور والکروب جلد ۲ ص ۱۰۳
(۱۱) اخیار الرّجال ص ۴۱ ۲
(۱۲) مدارج النبوۃ جلد ۲
(۱۳) ابنِ کثیر مصری جلد ۳ ص ۲۹۲ ،۲۹۴
(۱۴) زرقانی شرح مواہب جلد ۳
(۱۵) انسان العیون جلد ۳
(۱۶) ناسخ التواریخ جلد ا کتاب ۲
(۱۷) تذکرۃ الکرام
(۱۸) سیرت ابنِ ہشام
(۱۹) کتاب الحج جُز سوم حصہ ۲
(۲۰) الشافی شرح اصول کافی باب مولد النبی صلعم
(۲۱) مراۃ العقول جلد ا ص ۲۵۲

اچھی آواز والا۔ خوبصورت بیوی والا
سب سے زیادہ دولتمند۔ بڑے سر اور چھوٹے عضو والا۔ زیادہ عمر والا
مقیم مسافر پر۔ آزاد غلام پر (دُرمختار)

۱۱۔ آخری وقت ظہر کا اور اوّل وقت عصر کا وُہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے
(ہدایہ جلد اوّل)
(باب المواقیت)

۱۲۔ حج کے موقع کے سوا کسی اور وقت دو فرض نمازوں کو جمع کرکے نہیں پڑھنا چاہیے۔

حضرت ابنِ عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ امامت کی جبرئیل نے میری بیت اللہ میں اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ جب سُورج ڈھل گیا۔ اور اس کا سایہ بقدر ایک تسمے کے ظاہر ہوا اور نمازِ عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔ (ابُو داؤد۔ ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نمازِ عصر جو اخیر وقت پڑھی جائے منافق کی نماز ہے۔ کہ بیٹھا رہتا ہے اور انتظار کرتا رہتا ہے۔ جب سُورج زرد ہو جاتا ہے اور ہو جاتا ہے درمیان دو سینگوں شیطان کے پھر کھڑا ہوتا ہے نماز کے لیے اور جلدی جلدی چار ٹھونگیں مارتا ہے اور نہیں یاد کرتا اس میں اللہ کو مگر تھوڑا۔ (صحیح مُسلم)

حضرت ابنِ عباسؓ راوی ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام جب سفر میں ہوتے تو رستے میں ہی ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشا کو جمع کرکے پڑھتے

0300 8898639

پھر حضرت عمرؓ سیدہ اُمِ کلثوم بنتِ حضرت علیؓ کے کفو کیسے ہوئے؟

ہزار ہزار رحمتیں ہوں امام زین العابدین پر، وہ رازدانِ فطرت شاید مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو اپنی مومنانہ فراست اور دینی بصیرت سے جان چکے تھے کہ مسلمان کفو اور قبیلوں میں بٹ کر اپنی اخوت کو کھو کر اپنی قوت کھو بیٹھیں گے۔ تو انھوں نے اپنی ایک لونڈی کو آزاد کر کے خود نکاح کر لیا۔ اور اپنی ایک لڑکی کا نکاح ایک غلام سے کر دیا۔ خلیفہ عبدالملک نے سن کر ایک ملامت کا خط لکھا۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ بنتِ حیی کو آزاد کر کے خود نکاح کر لیا۔ اور اپنی پھوپھی زاد کا نکاح ایک آزاد کردہ غلام سے کر دیا۔ ہم اور تم ان سے معزز نہیں۔

(راز نصر اللہ خان عزیز منتخب سالنامہ اردو ڈائجسٹ مارچ ۶۵ء صفحہ ۴۴)

آگے بڑھنے سے پہلے دربارِ نبوی کا ایک منظر بھی دیکھ لیجیے۔ مسجد نبوی میں قریش اور انصار کا ایک مجمع ہے۔ رؤسا، اور اُمراء ہر قسم کے لوگ بیٹھے ہیں۔ اچانک ایک حبشی (حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ میں نکاح کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کون اپنی بیٹی میرے نکاح میں دینے کو آمادہ ہے۔ مجمع دم بخود ہے اور ہر شخص اُس کی اپنی دامادی میں لینے کے لیے تیار ہے۔ کوئی وہاں کُفو یا نسلی برتری کے زعم میں ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالتا۔ اور بلالؓ کی رائے خود ہی بدل جاتی ہے۔

قرن اوّل میں سینکڑوں ہاشمی، طالبی، جعفری، علوی اور فاطمی شہزادیاں سیکڑوں اموی سادات کے نکاح میں تھیں اور اموی سادات کی سینکڑوں شہزادیاں اول الذکر زادوں کے نکاح میں تھیں۔ ان کی تفصیلات میری تالیفات حقیقت مذہب شیعہ، عترتِ سیدنا حسنؓ بن علیؓ میں بیان ہو چکی ہیں۔

خود حضور صادق مصدوقؐ کی افضل بنت سیدہ زینبؓ، سیدنا ابی العاصؓ بن ربیعؓ سے بیاہی گئیں۔ اور سیدہ رقیۃ الزہراؓ اور سیدتنا ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے سیدنا ذوالنورینؓ کے نکاح میں آئیں۔

سیدہ رملہؓ بنت سیدنا علیؓ، معاویہؓ بن سیدنا مروانؓ بن حکمؓ کے حبالہ نکاح میں تھی۔

(جمہرۃ الانساب صفحہ ۸۰)

سیدہ خدیجہ بنت سیدنا علیؓ، امیرالمومنین عبدالملک بن سیدنا مروانؓ کے نکاح میں تھی۔
(البدایہ جلد ۹ صفحہ ۹۰، تاریخ امت جلد ۳ صفحہ)

سیدنا علیؓ کی تیسری بیٹی سیدہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عامر کے نکاح میں تھی۔
(جمہرۃ الانساب ۶۸)

سیدۃ نفیسہ بنت زید بن حسنؓ کی شادی امیرالمومنین ولید بن عبدالملک سے ہوئی۔ شیعہ مورخ و نسابہ مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے اس نکاح کا تذکرہ بڑے عجیب انداز میں کیا ہے۔

وکان لزید بن حسن بن علی ابنۃ اسمھا نفیسۃ خرجت الی الولید بن عبد الملک (عمدۃ الطالب صفحہ ۹۴ طبع لکھنؤ)

یعنی زید بن حسن بن علی کی بیٹی نفیسہ ولید بن عبدالملک کے پاس بھاگ کر چلی گئی۔
استغفراللہ و معاذاللہ

معلوم ہوتا ہے کہ شیعیت کی اسی قسم کی خرافات ولغویات نے فقہ حنفی میں داخل ہو کر کفو کی دم چھوڑی ہے۔ مگر احناف کو شاید یہ نظر نہ آیا کہ شیعیت تو وہ معجون مرکب ہے۔ جس نے سیدہ ام کلثومؓ بنت سیدنا علیؓ کے سیدنا فاروق اعظمؓ سے نکاح اول فرج غصب منا لینی ہماری پہلی شرمگاہ جو ہم سے چھینی گئی کی پھبتی کسی تھی۔ یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں صرف چند اور رشتہ داریوں پر غور کیجئے۔

سیدہ ام محمدؒ بنت سیدنا عبداللہؓ بن جعفر طیار بن ابی طالب امیرالمومنین امیر یزیدؒ کے نکاح میں تھی یہ ام محمد سیدہ زینب بنت سیدنا علیؓ کی سوتیلی بیٹی تھی اور سیدہ زینبؓ نے زندگی کے باقی ایام اپنی اسی سوتیلی بیٹی کے ہاں گذارے تھے۔ ان کا مزار آج بھی دمشق میں موجود ہے۔ انہی امیر یزیدؒ کی دوسری بیوی ام مسکین سیدنا عاصمؒ بن سیدنا فاروق اعظمؓ کی بیٹی تھی۔ انہی زینب بنت علیؓ کی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حجاج بن یوسف سے ہوا۔ یہ ام کلثوم نجیب الطرفین طالبی تھی یعنی ماں زینب بنت علیؓ اور باپ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب تھا۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۶۱ - ۱۱۴) کتاب نسب قریش

صفحہ ۳۳، المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۰) ایک بیٹی ہوئی اور بعد میں علیحدگی ہو گئی۔ اس کے بعد سیدنا عثمانؓ کے بیٹے کے نکاح میں آئیں۔

احناف نے تو کفو کا شوشہ چھوڑ کر آنے والی نسلوں کے لئے امت مرحومہ میں ایک قسم کے ناسور کے جراثیم چھوڑ دیئے۔ مگر جو لوگ اس قسم کی شادیوں پر آج ہنگامے پیدا کرنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ ان کے ہاں ہاشمی اور اموی تو در کنار عرب اور غیر عرب کے درمیان بھی رشتہ داریاں ہو سکتی ہیں۔

حضرت مصعب ابن زبیرؓ کے نکاح میں سکینہ بنت حسینؓ تھیں۔ (ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۹۳، سیارہ ڈائجسٹ فروری ۱۹۶۴ء صفحہ ۴۵) ان کی آپس میں کیا کفو تھی؟

مولانا ولایت علی زبیری امیر المجاہدین کی پہلی شادی سید مقصود علی ضلع آرہ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ (سرگذشت مجاہدین صفحہ ۲۸) غرضیکہ اس قسم کی ہزاروں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

موجودہ زمانہ میں:

ملکہ فرح دیبا فاطمی ہیں اور شاہ ایران غیر فاطمی۔ (نقوش جون ۱۹۶۴ء، صفحہ ۸۷)

مشہور ادیب قاضی عبدالودود کی والدہ رضوی سادات سے تھیں۔ آپ کے خسر کا نام رشید اللہ تھا۔ قاضی صاحب غیر فاطمی تھے۔ (نقوش جون ۱۹۶۴ء صفحہ ۸۷)

مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے تو فیصلہ کر دیا کہ قدوائیوں کو سادات نے اپنا ہم کفو قرار دیا ہے اور آپس میں بیاہ شادیاں کرتے ہیں۔ (نقوش جون ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۰۳)

مرزا فرحت اللہ بیگ کے ننھیال سید تھے۔ ماموں کا نام سید مرتضیٰ شاہ تھا۔
(نقوش آپ بیتی صفحہ ۵۹۸، ۵۹۹)

اور لطف یہ کہ قائد اعظم نے اپنے غیر سید ڈرائیور کا ایک سیدزادی سے نکاح کرایا (گنجے فرشتے)

نواب سید محمد کی صاحبزادی یعنی سید حسین کی بہن خورشید طلعت بانو کا نکاح ۱۸۹۷ء میں فضل حق سے ہوا۔ سید حسین بھارتی حکومت کی طرف سے مصر میں سفیر بھی رہے ہیں۔
(روزنامہ جنگ ۲۰ اپریل ۱۹۶۴ء صفحہ ۴)

سیّدہ خدیجہ بنت سیدنا علیؓ، امیرالمومنین عبدالملک بن سیدنا مروانؒ کے نکاح میں تھی۔
(البدایہ جلد ۹ صفحہ ۹۷، تاریخ امت جلد ۳ صفحہ)

سیدنا علیؓ کی تیسری بیٹی سیّدہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عامر کے نکاح میں تھی۔
(جمہرۃ الانساب ۶۸)

سیّدہ نفیسہ بنت زید بن حسنؓ کی شادی امیرالمومنین ولید بن عبدالملک سے ہوئی۔ شیعہ مورخ و نسابہ مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے اس نکاح کا تذکرہ بڑے عجیب انداز میں کیا ہے۔

وکان لزید بن حسن بن علی ابنۃ اسمہا نفیسۃ خرجت الی الولید بن عبد الملک

(عمدۃ الطالب صفحہ ۹۴ طبع لکھنؤ)

یعنی زید بن حسن بن علی کی بیٹی نفیسہ ولید بن عبدالملک کے پاس بھاگ کر چلی گئی۔
استغفراللہ و معاذاللہ

معلوم ہوتا ہے کہ شیعیت کی اسی قسم کی خرافات ولغویات نے فقہ حنفی میں داخل ہو کر کفو کی لم چھوڑی ہے۔ مگر احناف کو شاید یہ نظر نہ آیا کہ شیعیت تو وہ معجون مرکب ہے۔ جس نے سیدہ ام کلثومؓ بنت سیدنا علیؓ کے سیدنا فاروق اعظمؓ سے نکاح اول فرج غصب منا یعنی ہماری پہلی شرمگاہ جو ہم سے چھینی گئی کی پھبتی کہی تھی۔ یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں صرف چند اور رشتہ داریوں پر غور کر لیجئے۔

سیدہ ام محمد بنت سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب امیرالمومنین امیر یزیدؒ کے نکاح میں تھی یہ ام محمد سیدہ زینب بنت سیدنا علیؓ کی سوتیلی بیٹی تھی اور سیدہ زینبؓ نے زندگی کے باقی ایام اپنی اسی سوتیلی بیٹی کے ہاں گذارے تھے۔ ان کا مزار آج بھی دمشق میں موجود ہے۔ انہی امیر یزیدؒ کی دوسری بیوی ام مسکین سیدنا عاصمؒ بن سیدنا فاروق اعظمؓ کی بیٹی تھی۔ انہی زینب بنت علیؓ کی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حجاج بن یوسف سے ہوا۔ یہ ام کلثوم نجیب الطرفین طالبی تھی یعنی ماں زینب بنت علیؓ اور باپ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب تھا۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۶۱-۱۱۴) کتاب نسب قریش

[illegible] ابن قتیبہ صفحہ ۹۰) ایک بیٹی ہوئی اور بعد میں علیحدگی ہو گئی۔ اس کے [illegible] بیٹے کے نکاح میں آئیں۔

[illegible] نے کفو کا شوشہ چھوڑ کر آنے والی نسلوں کے لئے امت مرحومہ میں ایک [illegible] کے جراثیم چھوڑ دیئے۔ مگر جو لوگ اس قسم کی شادیوں پر آج ہنگامے پیدا [illegible] نہیں چوکتے۔ ان کے ہاں ہاشمی اور اموی نوو کنار، عرب اور غیر عرب سے [illegible] رشتہ داریاں ہو سکتی ہیں۔

[illegible] حضرت مصعب ابن زبیرؓ کے نکاح میں سکینہ بنت حسینؓ تھیں۔ (ملفوظات شاہ [illegible] صفحہ ۹۲، سیارہ ڈائجسٹ فروری ۱۹۶۴ء صفحہ ۴۵) ان کی آپس میں کیا کفو تھی؟

[illegible] عنایت علی زبیری امیرالمجاہدین کی پہلی شادی سید مقصود علی ضلع آرہ کی [illegible] سے ہوئی۔ (سرگذشت مجاہدین صفحہ ۲۸۰) غرضیکہ اس قسم کی ہزاروں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

موجودہ زمانہ میں:

ملکہ فرح دیبا فاطمی ہیں اور شاہ ایران غیر فاطمی۔ (نقوش جون ۱۹۶۴ء، صفحہ ۸۷۷)

مشہور ادیب قاضی عبدالودود کی والدہ رضوی سادات سے تھیں۔ آپ کے خسر کا نام [illegible] غیر فاطمی تھے۔ (نقوش جون ۱۹۶۴ء صفحہ ۸۷۷)

[illegible] دریا آبادی نے تو فیصلہ کر دیا کہ قدوائیوں کو سادات نے اپنا ہم کفو قرار دیا ہے اور آپس میں بیاہ شادیاں کرتے ہیں۔ (نقوش جون ۱۹۶۴ء، صفحہ ۱۰۳۰)

مرزا فرحت اللہ بیگ کے ننھیال سید تھے۔ ماموں کا نام سید مرتضیٰ شاہ تھا۔
(نقوش آپ بیتی صفحہ ۵۹۸، ۵۹۹)

اور لطف یہ کہ قائد اعظم نے اپنے غیر سید ڈرائیور کا ایک سیدزادی سے نکاح کرایا (گنجے فرشتے) نواب سید محمد کی صاحبزادی یعنی سید حسین کی بہن خورشید طلعت بانو کا نکاح ۱۸۹۷ء میں فضل حق سے ہوا۔ سید حسین بھارتی حکومت کی طرف سے مصر میں سفیر بھی رہے ہیں۔
(روزنامہ جنگ ۸ اپریل ۱۹۶۴ء صفحہ ۴)

میر انشاء کی نواسی یعنی میر معصوم علی کی بیٹی میرزا دبیر کے نکاح میں تھیں۔

(امروز ۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ کالم ۳ سطر ۵)

اِسی کفو کے مسئلہ نے ہندوستان میں پہنچ کر ہندوؤں کی ذات پات کے اثرات سے دو آتشہ ہو کر سید۔ قریشی۔ مُغل۔ پٹھان۔ لوہار۔ جولاہا۔ موچی۔ راجہ۔ مرزا۔ راجپوت بھٹی۔ ماچھی وغیرہ کے مسئلوں کو اس حد تک شہ دی کہ ہزاروں غریبوں کے گھر اُجڑ کر برباد ہو گئے۔

بنو فاطمہ خلافِ اسلام جو چاہیں کریں تقدس مآب ہیں۔ "کمیں" لوگ کتنے پرہیزگار، متقی، زاہد اور عبادت گذار ہوں پھر بھی "کمیرے" ہی ہیں۔

اور لُطف یہ کہ یہ بیماری سرزمینِ عرب میں نہ پہلے کسی دَور میں تھی نہ اَب موجود ہے علی سفیان آفاقی اپنی تصنیف "ابُوالاعلیٰ مودودی" میں لکھتے ہیں کہ اہلِ عرب اور دُوسرے عربی بولنے والے ممالک میں سید مسٹر کے معنوں میں آتا ہے۔ وہاں اس کا وہ استعمال رائج نہیں جو ہمارے ہاں ہے۔ آج کل ہر سرکاری عہدیدار جناب وحضور کی بجائے یا سیّدی کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔

کاش کہ یہ مسائل گھڑنے والے "عزت اللہ کے لیے، اس کے رسُول کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے" (القرآن) کے مفہوم سے آگاہ ہوتے۔

اسلام میں احبار و رُہبان اور دین فروشی

یہ باب اسلامی تاریخ کا نہایت ہی اندوہناک اور حسرت ناک باب ہے۔ اور اس باب کے کردار ہر دور اور ہر زمانہ میں مارِ آستین بن کر ڈستے رہے۔ غیر منقسم ہندوستان میں جب جماعت اہلحدیث نے (تفصیل آگے آئے گی) جہاد کا نعرہ بلند کیا تو ان لوگوں نے دُشمنوں کی پُوری پُوری مدد کی۔ ہنٹر ایک مقام پر لکھتا ہے کہ ہمارے پاس مجاہدین کے خلاف فتووں کا ایک انبار جمع ہو گیا تھا۔ یہ فتوے لکھنے والے کون تھے؟ اگر انگریزوں کے خلاف جہاد کی طرح ڈالنے والے اہلحدیث تھے تو وُہ اپنے ہی خلاف کیسے فتوے لکھ سکتے تھے؟

اور پھر یہ فتوے بازی ایسے ایسے گھناؤنے رُخ اختیار کر چکی تھی کہ انگریزوں کی معمُولی سی خوشنودی سے محروم رہنا اسے گوارا نہ تھا۔ ایک معمولی سی مثال سے اس فتوے بازی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دہلی کا ریذیڈنٹ فریزر پرلے درجے کا بدقماش، اوباش اور لوفر طبع انگریز تھا۔ کسی ضیافت سے واپس آتے ہُوئے راستہ میں اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ نواب شمس الدین آف لوہارو سے انگریزوں کی دُشمنی تھی۔ انگریزی حکومت کو ایک حربہ ہاتھ آ گیا۔ اعانتِ مجرمانہ میں فوراً نواب کو گرفتار کر کے مقدمہ قتل کا نام دیا۔ اب صرف اعانتِ مجرمانہ میں نواب کو پھانسی کی سزا نہیں دی جا سکتی تھی فرنگی سیاست نے قاضی ابُویوسف کے مقلدین سے مدد چاہی۔ ایک فتویٰ لکھا گیا جس پر درجنوں عالموں نے دستخط کر دیے کہ ذِمّی کے قصاص میں مسلمانوں کو سزا دی جا سکتی ہے۔ اور نواب صاحب کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ یہاں چند اُمور توجہ طلب ہیں:

اوّل تو نواب خود قاتل نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ عدالت نے نواب کو اعانتِ مجرمانہ کے الزام میں گرفتار کیا تھا اور اعانتِ مجرمانہ میں جبکہ قاتل مفقود الخبر ہو جائے پھانسی کی سزا نہیں دی جا سکتی۔

دُوسرے یہ کہ فریزر حکمران قوم کا ذمہ دار آفیسر تھا اُسے ذِمّی کس بنا پر قرار دیا گیا؟

اُسے ذمّی بنا کر پھانسی کی سزا کا فتویٰ صادر کر کے حکومت کافرہ کی مدد کرنا فقہ حنفی کے حامل علماء کا ہی کام تھا۔ (ملخّص بہادر شاہ ظفر صفحہ ۲۲۶)

مُلّاں صاحب کوٹھا کے تفصیلی حالات آئندہ بیان ہوں گے۔ یہاں اس دَور کے سب سے بڑے پیرِ طریقت یعنی حضرت خواجہ سید جعفر علی جن کے حالات اپنے مقام پر آئندہ صفحات میں بیان ہوں گے۔ جب بارادۂ جہاد بہاولپور پہنچے تو وہاں مولانا محمد کامل سے ملاقات ہوئی۔ جو حیاتِ انبیاء کے سلسلے میں بہاولپوری علماء سے مختلف الرائے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ انبیاء، اولیاء اور علماء یقیناً عنداللہ زندہ ہیں لیکن ان کے لیے حیاتِ دُنیا ثابت کرنا محال ہے۔ اسی وجہ سے علمائے وقت نے مولانا سے معاشی تعلقات منقطع کرا دیے تھے۔ سید جعفر علی نے اس علاقہ میں بدعات کا بڑا زور دیکھا۔ نورپور میں ایک اہلحدیث عالم کی داڑھی مونچھیں نواب کے وزیر نے منڈوا دی تھیں۔ مولوی صاحب کا جرم صرف یہ تھا کہ آپ اتباعِ سنّت پر زور دیتے تھے مولانا محمد کامل کے بیٹے محمد اکمل نے سید جعفر علی کو مشورہ دیا کہ یاغستان پہنچنے کے لیے تونسہ کا راستہ اختیار کیجیے۔ تونسہ میں اُس وقت خاندانِ چشتیہ کے سب سے بڑے پیر حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ تونسوی سجادہ نشین تھے۔ سید جعفر نے آپ کی خدمت میں پہنچ کر اپنی ہجرت کے اسباب اور جہاد کا ارادہ بیان کیا تو اوّل تو وُہ خاموش رہے۔ جب سید صاحب نے دوبارہ توجہ دلائی تو آپ نے فرمایا راستہ خطرناک ہے۔ اور ساتھ ہی وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ پڑھ کر اپنی بات کو پختہ کرنے کی کوشش کی۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ اس آیت کے مفہوم کو میں آپ سے بہتر جانتا ہوں۔ یہ آیت راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کے بارہ میں نازل ہوئی۔ خواجہ صاحب یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔ سید صاحب نے پھر توجہ دلاتے ہوئے کہا :

تو ایک رہنما کا انتظام کر دیجیے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا، لوگ پریشان حال ہیں، اگر سکھوں کو معلوم ہو گیا تو وُہ مجھے تنگ کریں گے۔ نہ آگے جانے کی صورت ہے نہ پیچھے ہٹنے کی میں سخت مجبور ہوں، ملک میں فساد بپا ہے۔ سید جعفر علی نے کہا تو اس

صُورت میں آپ نے اپنے متعلق کیا سوچا ہے ؟ خواجہ صاحب نے فرمایا میں پہاڑوں میں چلا جاؤں گا۔ سید صاحب نے کہا تو ہمیں بھی ساتھ لے چلیے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا جو ہے تمھیں مار ڈالیں گے۔

آخر سید صاحب نے تنگ آ کر کہا۔ تو جنگل کا راستہ ہی بتا دیجیے۔ خواجہ صاحب بھی اب سید صاحب کی باتوں سے تنگ آ چکے تھے۔ کہنے لگے۔ جنگل میں پانی نہیں ملے گا اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ یہ بھی کہا کہ تمہارا یہ ارادہ ٹھیک نہیں۔ راستہ خطرناک ہے سکھوں کی فوج کے آدمی چھاپے مار رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ رئیسِ بہاولپور کی نوکری کر لو۔ سید صاحب اتنے عظیم المرتبہ پیر کی ان باتوں سے دل برداشتہ ہو چکے تھے۔ کہنے لگے جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے گھر بار تج کر ملک سے نکلے ہیں۔ ہم کسی کی نوکری کرنے کے خواہشمند نہیں۔ ہمارے لیے نوکریاں اپنے وطن میں کافی تھیں۔ بلکہ اپنے وطن میں ہم خود دُوسروں کو نوکر رکھ سکتے تھے۔ آخر میں ایک بار پھر کہا کہ کم از کم ہمیں راستہ ہی بتا دیجیے۔ جواب ملا اس کا انتظام نہیں ہو سکتا۔

حضرت پیر تونسویؒ سے اس ملاقات کے بعد سید جعفر علی سرحد کی سنگلاخ چٹانوں سے سر پھوڑتے آخر یاغستان جا پہنچے۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ۔ (ملخّص منظورہ و داستانِ مجاہدین)

صرف "وہابی" کے خلاف ہی انگریزوں کو علمائے وقت اور پیرانِ عظام کا تعاون حاصل نہ تھا بلکہ جس نے انگریز کے خلاف ذرا سا مُنہ کھولا انگریز سے پہلے ہی انگریز کے منظورِ نظر اس کے گلوگیر ہو گئے۔

دہلی دروازہ کے باہر ہزاروں کے مجمع میں پنجاب کے ایک بہت بڑے پیر صاحب کا پُورے پھیپھڑوں سے نعرہ لگا کر ارشاد فرمانا: "کہ ظفر علی کافر ہے میں فتویٰ دیتا ہُوں کہ اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی ہے وُہ جہاں چاہے نکاح کر لے" کے سُننے والے ہزاروں کی تعداد میں اب بھی لاہور کے اندر موجود ہیں۔ ظفر علیؒ کا یہی جُرم تھا کہ وُہ فرنگی استبداد کا ازلی دُشمن تھا۔ پھر بھلا جماعت اہلحدیث کو یہ لوگ کہاں

بخشنے والے تھے۔ جن کا اوڑھنا بچھونا ہی فرنگی استبداد کی دشمنی تھا۔

یہاں مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا ہے کہ سابق صوبہ سرحد کے کسی گاؤں میں ایک سکھ دکانداری کرتا تھا۔ گاؤں کا مولوی اُس سے اُدھار لیتا مگر ادا نہ کرتا۔ سکھ دکاندار نے اُدھار دینا بند کر دیا۔ مولوی کو غصہ آگیا اور اُس نے اعلان کرا دیا کہ سکھ وہابی ہو گیا ہے۔ اس سے کوئی چیز نہ خریدی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ کا کاروبار چوپٹ ہو گیا۔ جب سکھ کو حقیقتِ حال کا علم ہوا تو وہ مولوی صاحب کے پاس پہنچا اور معافی مانگ کر کہا کہ جناب بندہ حاضر ہے آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو بلا تکلف منگوا لیا کریں۔ دوسرے دن مولوی نے اعلان کرا دیا کہ سکھ نے اب وہابیت سے توبہ کر لی ہے اور سکھ کا کاروبار پھر چل نکلا۔

یہ لطیفہ گو من گھڑت اور محض زیبِ داستان ہی ہو۔ مگر اس سے قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جماعت اہلحدیث کے خلاف ملک کے گوشے گوشے میں نفرت کی روح پیدا کر دی گئی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو انگریز کی پشت پناہی تھی۔ اور دوسری وجہ یہ کہ جماعت اہلحدیث کے لوگ تمام مشرکانہ رسوم اور بدعات کے خلاف تبلیغ کرتے تھے۔ اور یہ امر ملا و پیر کے لیے بہت بڑا المیہ تھا۔

ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں عوام کی باگ ڈور تھی۔ اور عوام کے گھروں سے ان کے لیے بلا مزد و منت ہر قسم کے عیاشی کے سامان پہنچتے تھے۔ نذر و نیاز، قبروں کے چڑھاوے، اسقاط وغیرہ کی آمدنیاں، اس کے علاوہ پیروں کی سالانہ لگی بندھی شرنیاں اگر بند ہو جائیں تو یہ لوگ بھوکے مر جاتے۔ پیری مریدی کے ڈھونگ مٹ جاتے تو ان کی مافوق البشر حیثیتیں ختم ہو جائیں۔

ان لوگوں نے پیری کے فن کو ایک خاص ڈھنگ دے کر عوام پر اُسے اس طرح مسلط کر دیا تھا کہ کوئی آدمی اُس وقت تک [illegible] رسائی نہیں پا سکتا جب تک باقاعدہ کسی سلسلہ میں داخل نہ ہو۔ اور جب کسی سلسلہ میں کوئی داخل ہوتا تو اُسے سب سے پہلے فنا فی الشیخ کا سبق دیا جاتا۔ کہ تم اپنے [illegible] کو ہر وقت اپنی ذات کے لیے حاضر ناظر سمجھو۔ پیر تمہارے تمام افعال، کردار اور گفتار کو دیکھنے اور سننے والا ہے۔

[illegible] فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کا مقام آئے گا۔ مرید بیچارہ تمام زندگی [illegible] ہی غوطے کھاتا ختم ہو جاتا ہے۔ یہ گویا اللہ اور رسول سے بیگانہ کرنے [illegible] کارگر اور کامیاب حربہ ہے۔

[illegible] آپکے سامنے اپنا ایک واقعہ حلفیہ پیش کرتا ہوں کہ چند روز ہوئے میرے [illegible] ایک عزیز رشتہ دار آئے۔ جو شدت سے "گُشتۂ پیری" ہیں۔ میں نے باتوں [illegible] میں کہا کہ فلاں پیر صاحب کے متعلق اگر چار عاقل بالغ گواہ پیش کر دوں جنہوں نے انہیں [illegible] کا ارتکاب کرتے دیکھا ہو تو پھر ان کے متعلق کیا کہو گے؟ کہنے لگے یہ بھی کوئی فقیری کا راز ہو گا جو ہماری سمجھ میں نہ آتا ہو گا۔ پھر ایک پیر صاحب کی شراب خوری اور بھنگ نوشی کا ذکر کیا تو کہنے لگے بھائی جان یہ باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ وہ بہت بڑے ولی اللہ ہیں۔

غرضیکہ پیری کا یہ کابوس اب عوام کی روح سے دور کرنا بہت مشکل ہو چکا ہے ان کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں۔

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری — اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

ابریز تصوف کی ایک مشہور ترین اور اہم کتاب ہے۔ اس کتاب میں علامہ احمد بن مبارک سلجماسی نے "غوثِ زماں" حضرت سید العزیز دباغ کے ملفوظات قلم بند کیے ہیں۔ بلا تخصیص دیوبندی اور بریلوی دونوں کے لیے یہ کتاب تصوف میں مشعلِ راہ کا مقام رکھتی ہے۔ مصنف کتاب ۱۱۲۵ھ میں پہلی دفعہ حضرت دباغ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ گویا حضرت دباغ بارھویں صدی ہجری کے مسلمہ "غوثِ زماں" ہیں۔ چند لمحات کے لیے ضد اور ہٹ دھرمی سے خالی الذہن ہو کر آپ کی چند کرامتیں پڑھ کر خدارا انصاف کیجیے کہ ایسے واقعات اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ دکھانے میں ممد اور رہنما ثابت ہو سکتے ہیں۔ یا شخصیت پرستی بالفاظِ دیگر ارباباً من دون اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں۔ مصنفہ کتاب لکھتے ہیں کہ:

۱ - میں نے خوش طبعی میں بیوی کی شرمگاہ دیکھی۔ حضرت دباغ کی خدمت میں پہنچا تو آپ

نے فرمایا عورت کی شرمگاہ دیکھنا کیسا ہے؟ میں شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ (ملخص ابریز ص۲۶)

۲۔ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں شبِ زفاف کو تمہارے پاس ہوں گا۔ میں نے کہا مجھے کیسے معلوم ہوگا۔ آپ نے فرمایا معلوم ہو جائے گا۔ میں بیوی کے پاس گیا تو وہ اچانک کہنے لگی کہ تم نے میری ناک پر مکا کیوں مارا ہے۔ میں سمجھا کہ یہ حضرت صاحب کا کام ہے۔ (ملخص ابریز ص۲۹)

۳۔ ایک بار آپ نے میری عورت کے ایک ایک ظاہر اور پوشیدہ عضو کو بیان کیا۔ (ملخص ابریز ص۲۶)

۴۔ ایک بار آپ نے فرمایا تم فلاں شب کیا کر رہے تھے۔ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا تو اپنی عورت سے ہم بستری کر رہا تھا۔ تم نے بیٹے کو تکیے پر بٹھایا ہوا تھا۔ اور لالٹین صندوق پر پڑی تھی اور میں تمہارے پاس موجود تھا۔ (ملخص ص۲۹)

میں کہاں تک بیان کروں کہ پیرانِ عظام کے اس قسم کے کس قدر ملفوظات حضرت مرحوم کو دین کا راستہ بتانے کے لیے بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں موجود ہیں۔ معلوم نہیں ایسے پیروں اور مریدوں میں سے ایسے پیر صاحبان کو زیادہ صاحبِ کرامت سمجھا جائے جو ہم بستری کے وقت بھی مریدوں کے سرہانے کھڑے رہتے ہیں یا ایسے مریدوں کی عقیدت پر سر دھنا جائے جو اپنے پیروں کی موجودگی میں عورتوں سے ہم بستر ہونے میں شرم محسوس نہ کریں۔

علامہ اقبالؒ نے ایک خط میں سید سلیمان کو لکھا تھا کہ میں خواجہ نقشبند مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی بڑی عزت کرتا ہوں۔ حضرت جیلانی کا مقصد تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔ مگر آج یہ سلسلے عجمیت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ (مکتوب ۱۳ نومبر ۱۹۱۷ء)

مگر آج یہ عجمی تصورات پیر تسمہ پا بن کر ہماری گردنوں پر سوار ہیں۔ اور ہم ان کے خلاف ایک لفظ تک سننا گوارا نہیں کرتے۔ چودھری افضل حق بیان کرتے ہیں کہ ایک روز فارسی کے گفتگو میں پروفیسر کے۔ ایم منڑا کے منہ سے نکل گیا کہ ہجرت سے کئی سو سال بعد مسلمانوں نے تصوف کو غیر مسلموں سے لیا ہے۔ میں نے پروفیسر کو ڈانٹ دیا۔ وہ اس وقت خاموش ہو کر بیٹھ گیا مگر

دوسرے روز درجنوں کتابیں اپنے ہمراہ لایا اور اپنے موقف کی تائید میں حوالوں پر حوالے دینا شروع کئے۔ قرون اولیٰ میں تصوف نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ خانقاہ اور تکیہ کا نام ہی غیر اسلامی ہے قرآن یا نبی کے ارشاد سے دم کشی یا قلب پر ضربات لگانے کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ یہ سب کچھ ہندوانی اور یونانی فلسفہ کی پیوند کاری ہے۔ پروفیسر نے کہا جاؤ اور کسی عالم سے پہلی تین صدیوں میں تصوف کا ثبوت لاؤ۔ میں مان جاؤں گا۔ دوسرے روز میں لاہور اور امرتسر کے تمام علماء کے پاس پہنچا مگر کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ یہ باطنی علم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص لوگوں کو اس کا راز بتایا ہے۔ میں یہ بات لیکر پروفیسر کے پاس پہنچا مگر اس نے سُن کر نہایت حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ "اب مجھے جھٹلانے کی کوشش میں اپنے پیغمبر صاحب پر بھی بہتان باندھنے لگے۔ پیغمبر کو خدا کا حکم ہو کہ بات صاف کھول کر بیان کرو اور وہ سینہ بسینہ بیان کرے۔" یہ سن کر میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

(ملخص آپ بیتی نمبر جون ۱۹۶۴ء صفحہ ۵۸۰۔ از افضل حق)

کیا سچی بات کہی مشہور شیعہ فاضل سر سید رضا علی نے: "مذہب کا معاملہ خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے باہمی تعلق کا معاملہ ہے۔ تیسرے کو اس میں دخل نہیں۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ چونکہ مسلمان ہوں۔ انسانی الوہیت کو یا علی، یا حسین، یا غوث الاعظم کہنے والے غور کریں، تاکہ محض اور اسلامی تعلیم کے منافی سمجھتا ہوں۔ اس بارے میں اہل حدیث کا ہم خیال ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کا جو تصور پیش کیا ہے۔ وہ کامل ہے۔"

(نقوش آپ بیتی نمبر جون ۱۹۶۴ء ص۳۲۲)

یہ درست ہے کہ بزرگانِ دین میں بڑی بڑی بلند مرتبت ہستیاں ہوئی ہیں۔ مگر انہوں نے کسی مقام پر بھی اپنے نام کے وظائف پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ مگر یاران طریقت نے انہیں عبد و معبود کے درمیان ایک واسطہ بنا کر ایک الٰہ کے مقام پر پہنچا دیا۔ اور انہیں ہر کام میں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر شرک و گمراہی کے گڑھوں میں گرتے چلے گئے۔

تکملہ

کتاب المستطرف شیخ شہاب الدین احمد الشبہی حنفی کی مشہور کتاب ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۲۰۱ مطبع میمنہ مصر میں ایک حکایت لکھی ہے:

حمص میں ایک سوداگر وارد ہوا۔ اس نے مؤذن کو اذان میں اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتے سنا اور اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ بجائے مؤذن کے نمازیوں نے کہا۔ سوداگر نے آگے بڑھ کر امام سے اس بات کو دریافت کرنا چاہا مگر امام نماز میں داخل ہو چکا تھا۔ کہ ایک پاؤں پر کھڑا نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے دوسرے پاؤں میں پاخانہ لگا ہوا ہے۔ سوداگر یہ کیفیت دیکھ کر محتسب کے پاس پہنچا۔ محتسب اس وقت دوسری مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے سامنے ایک طرف قرآن تھا اور دوسری طرف شراب کا مٹکا۔ اور قرآن مجید کی قسمیں کھا کھا کر شراب کے خالص ہونے کا لوگوں کو یقین دلا رہا تھا۔ محتسب کی ان قسموں سے متاثر ہو کر لوگ ٹوٹ پڑے اور شراب منٹوں میں بک گئی۔ سوداگر یہ تمام کیفیات دیکھ کر قاضی کے پاس پہنچا۔ قاضی اس وقت منہ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اور ایک نوجوان قاضی پر سوار...... سوداگر یہ تمام ماجرا دیکھ کر گھبرا اٹھا۔ اور اس کے منہ سے نکل گیا کہ خدا اس شہر کو غرق کر دے۔ قاضی یہ سن کر فوراً نوجوان کے نیچے سے نکلا اور بددعا کی وجہ دریافت کی۔ جب سوداگر نے تمام واقعات بیان کیے۔ تو قاضی بولا تم تو نرے جاہل اور نووارد معلوم ہوتے ہو۔ اس مسجد کا مؤذن بیمار ہے اور ہم نے اجرت پر ایک یہودی کو مؤذن بنا رکھا ہے۔ جو اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ تو کہتا ہے مگر اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ نمازیوں کو کہنا پڑتا ہے۔ اور امام مسجد دور سے آتا ہے اس کا ایک پاؤں نجاست آلود ہو گیا ہو گا اس لیے اس نے پاؤں اٹھا کر

۱؎ اس قسم کے مغلوطات کے لیے علامہ ابن الجوزی کی کتاب تلبیس ابلیس اور شیخ عز الدین بن عبدالعزیز بن عبدالسلام الدمشقی متوفی ۶۶۰ھ کی کتاب رسالہ فی القطب والغوث والابدال اور امام شعرانی کی کتاب الانوار القدسیہ جلد اول کا مطالعہ کیجیے۔

نماز پڑھا دی۔ اور محتسب کا واقعہ یہ ہے کہ اس مسجد کی آمدنی سوائے انگور کے چند درختوں کے کچھ نہیں جو سخت ترش ہیں۔ لہذا ان کی شراب بنا کر بیچنی پڑتی ہے تاکہ مسجد کی آمدنی ہوتی رہے۔ اور یہ جوان جو تم نے مجھ پر سوار دیکھا ہے اس کا والد نابالغی میں مر گیا تھا اور اس کی جائداد کورٹ آف وارڈ ہو گئی تھی۔ اب اس نے بلوغت کا دعویٰ کیا ہے اور اپنی جائداد طلب کی ہے۔ میں اس کی بلوغت آزما رہا تھا کہ تم آ نکلے۔

شاید قارئین اس کہانی کو من گھڑت سمجھیں۔ مگر میں تو صرف نقل کر رہا ہوں۔ لکھنے والے حنفی، حمص کا شہر حنفیوں کا۔ اور فقہ حنفی میں ایسے گورکھ دھندوں کی کچھ کمی نہیں۔ کتاب المستطرف اٹھائیے اور خود پڑھ لیجیے۔ انگور کی شراب بیچنا اور استعمال کرنا۔ نجاست آلود پاؤں سے نماز پڑھنا تو فقہ حنفی میں موجود ہے۔ اور اس قیاسی مذہب میں کسی کی بلوغت کو آزمانے کا یہ طریقہ بھی بعید از قیاس نہیں۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

نماز سے متعلق ایک واقعہ اور بھی سن لیجیے۔ حیوٰۃ الحیوان الکبریٰ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ اور تاریخ الخلفا سیوطی میں موجود ہے۔ کہ سلطان محمود غزنوی حضرت ابوحنیفہؒ کے مذہب پر تھا۔ اور علم حدیث کا بھی متلاشی تھا۔ اکثر محدثین سے حدیثیں سنتا اور استفسار کیا کرتا۔ اس نے مذہب شافعی کو اکثر احادیث کے مطابق پایا تو بہت سے فقہاء کو جمع کیا اور ان سے ایک مذہب کے دوسرے مذہب پر ترجیح کا مطالبہ کیا۔ آخر اس بات پر سب کا اتفاق ہوا کہ ہر مذہب کے مطابق دو دو رکعت نماز پڑھنی چاہیے۔ پس اس نماز میں نظر و فکر کرنے سے جو مذہب اچھا معلوم ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے (گویا اس زمانہ کے علماء کے نزدیک بھی انتقال فی المذاہب جائز تھا) پس نماز کے لیے اس زمانہ کے ایک بہت بڑے عالم قفال مروزی کو منتخب کیا گیا۔ اور قفال مروزی نے نماز پڑھنی شروع کی۔ پوری شرطوں سے وضو کیا۔ لباس صاف اور پاک پہنا۔ نماز کے ارکان اور ہیئتیں اور فرائض اور سنتوں اور آداب کو مکمل ادا کیا۔ اور ایسی نماز پڑھی جس سے کمی کرنا امام شافعیؒ کے نزدیک درست نہیں۔ (امام شافعی کے مقلدین بھی اہلحدیثوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں یعنی رفع یدین

وغیرہ سے نماز پڑھی)

پھر دو رکعت اس طرح ادا کیں جس طرح امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں جائز ہیں یعنی کتے کی کھال[1] دباغت کی ہوئی پہن لی۔ اس کا چوتھائی[2] حصہ نجاست سے آلود کر لیا جس سے مکھیوں کا جھگھٹا ہو گیا اور انہوں نے ہگ دیا[3] اور نبیذ سے[4] بے نیت[5] اور بغیر ترتیب[6] کے وضو کیا۔ یعنی پہلے بائیاں پاؤں دھویا پھر دائیاں۔ پھر چوتھائی[7] سر کا الٹا مسح کیا۔ پھر الٹا منہ دھویا۔ پھر تین بار ناک میں پانی ڈالا۔ پھر تین بار کلی کی۔ پھر ہاتھ دھوئے پھر نماز میں داخل ہوا اور بجائے اللہ اکبر[8] کہنے کے خدائے بزرگ است کہا۔ پھر قرأت میں بجائے[9] مدھامتان کے فارسی میں دو برگ سبز کہے پھر دونوں سجدے بغیر وقفے کے کیے۔ گویا دو ٹھونگیں ماریں۔ اور تشہد پڑھا اور بجائے سلام پھیرنے کے گوز مار دیا[10]۔ اور کہا اے بادشاہ یہ ہے

۱: سور کی کھال کے سوا ہر جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ (دُرمختار جلد۱)
کتے اور ہاتھی کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ (دُرمختار جلد۱۔ ہدایہ۔ منیہ)

۲: چوتھائی حصہ نجاست آلود کپڑے سے نماز درست ہے۔ (فقہ حنفی) پیشاب کی جگہ یا دُبر پر بکثرت نجاست لگی ہو تو نماز درست ہے۔ (درمختار جلد۱)

۳: اعضاء وضو پر مکھیوں کا گوہنا اور اس کے نیچے پانی نہ پہنچے تو وضو جائز ہے۔ (عالمگیری جلد۱)

۴،۷: چھوارے کے بھیگے ہوئے پانی سے بو بتا ہو گیا ہو وضو جائز ہے۔ (فقہ کی تمام کتب)

۵: طہارت میں نیت شرط نہیں۔ بلا نیت وضو نماز ہو جائے گی۔ (دُرمختار جلد اول منیۃ المصلی)

۶: بے ترتیب وضو جائز ہے (ہدایہ جلد۱ بہشتی زیور جلد۱) وضو میں کوئی عضو دھونا بھول جائے تو بائیاں پاؤں دھوئے وضو درست ہے۔ (ہدایہ جلد۱ بہشتی گوہر)

۸: عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں نماز شروع کرنا درست ہے۔ اذان ہر زبان میں جائز ہے۔ (دُرمختار۔ عالمگیری۔ ہدایہ)

۹: بقدر ضرورت عربی میں قرأت پڑھ کر فارسی میں شروع کر لے تو جائز ہے۔ (دُرمختار جلد۱)

۱۰: سلام کے وقت حدث کرے یعنی قصداً گوز مارے تو سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں۔ (قدوری۔ دُرمختار۔ ہدایہ۔ شرح وقایہ۔ منیۃ المصلی۔ مالا بدمنہ)

نماز ابوحنیفہؒ کی۔ سلطان نے کہا کہ اگر اس طرح کی نماز ابوحنیفہؒ کی نہ ہوئی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ (آج بھی حنفی بھائیوں کے سامنے جب فقہ حنفی سے اس قسم کی باتیں پیش کی جائیں تو وہ نہیں مانتے) ایسی نماز تو کسی صاحب مذہب کی جائز نہیں ہو سکتی۔ اور حنفی علماء نے بھی ایسی نماز کے جائز ہونے سے انکار کر دیا۔ (جیسا کہ آج کل بھی ان کا وطیرہ ہے) تو قفال مروزی نے حنفی مذہب کی کتابیں طلب کیں اور بادشاہ نے ایک نصرانی عالم سے پڑھوائیں۔ تو ابوحنیفہؒ کی نماز ویسی ہی پائی جیسی قفال مروزی نے پڑھی تھی۔ تو سلطان محمود نے حنفی مذہب ترک دیا۔

دُوسرا باب

اہلحدیث کون ہیں؟

سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت سے لے کر آخری اموی خلیفہ تک یعنی ۱۳۲ ہجری تک کا زمانہ مسلمانوں کے لئے کامل خوشحالی، فتوحات اور کامرانیوں کا زمانہ تھا۔ سوائے سیدنا علیؓ کے چار سالہ دورِ حکومت کے سادات بنو امیہ کی خلافت تاریخ اسلام میں بلحاظ فتوحات اپنی اصلی تہذیب اور سادگی بے مثال حکومت تھی۔ سادات بنو امیہ کے دورِ خلافت میں ہی مشرق میں ملتان تک مغرب میں مراکش تک اور شمال مشرق میں دیوارِ چین تک اسلام پہنچا۔ سادات بنو امیہ مذہبی معاملہ میں نہایت حساس تک تھے۔ انہوں نے تمام تخریبی عناصر کو کچل کر رکھ دیا۔ خوارج ایک شعلۂ جوّالہ تھے۔ مگر یہ لوگ جس شدت سے اُٹھے تھے اُسی طرح جلد ہی نیست و نابود ہو گئے۔ شیعیت ایک سیاسی تحریک تھی اور بہت بعد میں اس تحریک نے مذہبی شکل اختیار کی۔ آئمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ نے ضرورت کے تحت استنباط کیے مگر اُنھوں نے قرآن و حدیث کا دامن کسی وقت بھی نہ چھوڑا۔ امام ابُو حنیفہؒ نے کوفہ میں رائے اور قیاس کو بُنیاد بنا کر ایک مذہبی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور رائے اور قیاس کو ایک دینی ضرورت کا مقام دیا تو ان کی دیکھا دیکھی معتزلہ، مرجیہ، مشبہ، جہمیہ، ضراریہ، بخاریہ اور کلابیہ وغیرہ مذاہب پیدا ہو گئے۔

کتاب الملل والنحل میں علامہ عبدالکریم شہرستانی نے بڑی وضاحت سے ان فرقوں

اور ان سے آگے جو فرقے ان سے پیدا ہوئے ان کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض فرقوں نے بعض وقتوں میں عرُوج بھی حاصل کیا۔ مگر آج یہ سب مٹتے مٹتے ختم ہو گئے صرف دو فرقے باقی رہ گئے۔ اہل سنت اور شیعہ

آج اہلسنت کے تین گروہ ہمارے سامنے ہیں۔ آئمہ ثلاثہ کے مقلدین جو قرآن و حدیث سے اپنے مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور اپنے امام کی تقلید بھی فرض سمجھتے ہیں۔ احناف جو فقہ حنفی کے پیرو ہیں اور وُہ زبان سے تو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں ہم فقہی مسائل پر عمل نہیں کرتے مگر عملاً وُہ سراسر اس کے خلاف کرتے ہیں۔ یعنی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسائل میں وہ قرآن و حدیث کے علی الرغم علی الاعلان فقہی مسائل پر عامل ہیں۔ اور جب ان کی توجہ قرآن و حدیث کی طرف مبذول کرائی جائے تو وُہ مناظرہ بازی پر اُتر آتے ہیں۔ حجتوں۔ تاویلوں اور دُور از کار اُلجھاؤ میں پھنسا کر اصل بحث کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے فقہی مسائل جو قرآن و حدیث سے ٹکراتے ہیں ان کا ایک خاکہ گذشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اور وُہ مسائل پیش کیے گئے ہیں جو فقہ حنفی میں صحت کا مقام رکھتے ہیں۔ مگر عمل کرنے کے وقت بھی احناف بالکل ان مسائل کے اُلٹ پر عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں نہ تو وُہ قرآن کی سُنتے ہیں نہ حدیث کی اور نہ فقہ کی۔ اب قابل غور امر یہ ہے کہ ایسے لوگ جو حنفی کہلاتے ہُوئے فقہ حنفی پر بھی عمل نہیں کرتے۔ آخر وُہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اس کا جواب اپنی اپنی جگہ پر جو چاہے سوچے یا سوچے، مگر حقیقت اپنی جگہ علی حالہٖ قائم ہے کہ فقہ کے کھُلے قیاسی میدان نے ان کے تخیلات کے شہسوار کے لیے راہیں وا کر رکھی ہیں۔ اور ان راستوں میں سے قرآن و سنت اور فقہ نے جب جو راستہ بند کیا اُنھوں نے مختلف تاویلات سے اپنے لیے اور راستہ کھول لیا۔

مگر محدثین کرام کے پیشِ نظر صرف وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ تھا۔ اور قیاس و رائے پر چلنے والوں کو وُہ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اور

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کے گروہ میں سمجھنے لگے[5]
محدثین خوب جانتے تھے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ "سیکون
فی آخر اُمّتی اُناسٌ یحدثونکم مالم تسمعوا انتم ولا آباءکم فایاکم و

---

[5]: اِس آیت کے نزول کے وقت عدی بن حاتم نے عرض کیا یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے۔ تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وُہ تمہارے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں بناتے (فقہ حنفی میں اس قسم کے سینکڑوں اقتباس گذشتہ بحث میں لکھے گئے ہیں جو صریحًا قرآن و حدیث سے ٹکراتے ہیں یہی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا ہے) اور تم اس کو مان نہیں لیتے تھے۔ عدی بن حاتم نے عرض کیا ہاں یا رسُول اللہ یہ تو سچ ہے۔ حضور نے فرمایا یہی تو ہے رب بنانا۔ ترمذی نے اس کو روایت کیا اور اس کی تحسین بھی کی۔ قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں کہ اگر کوئی بات خلاف شرع ہے تو بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ میں داخل ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔ قاضی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جب کسی کو کوئی حدیث مرفوع جو معارضہ سے سالم ہو اور اس کا کوئی ناسخ بھی معلوم نہ ہو اور ائمہ اربعہ میں سے کسی کا اس پر عمل بھی ہو (سبحان اللہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے اس قدر جرح و تعدیل اور پھر یہ شرائط کہ ائمہ اربعہ سے اس پر کوئی عمل کرنے والا بھی موجود ہو، مگر حنفی فقہ کے تمام ہفوات بغیر دیکھے سُنے اور سمجھے نگل جاؤ) اور ابو حنیفہؒ کا فتویٰ اس کے مخالف ہو تو ایسی صحیح حدیث پر عمل واجب ہوگا۔ اور مذہبی تعصب مانع نہیں ہونا چاہیے۔ (فقہ حنفی کا حدیثِ رسُولؐ سے ٹکراؤ بیان ہو چکا ہے) اسی ضمن میں قاضی صاحب موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جس امر میں عُلمائے شرع نے کسی امر کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہو اس میں یوں کہنا ہے کہ یہ مشائخ صُوفیہ نے سنّت جاری کی ہے اور ہم ان کی سنّت کے پیروکار ہیں یہ جائز نہیں ایسا کرنا ان کے جاہل مُریدوں کی خرابی اور فساد ہے۔ (کیا فرماتے ہیں علمائے بریلی اس مسئلہ میں کہ فقہ حنفی عبدالنبی کی قسم کے نام تو شرک ہوں اور یا عبدالقادر جیلانی شیئًا للہ کہنا شرک ہو مگر اس کے باوجود آپ اس پر ڈٹے رہیں)

اتباھُم و صحیح بخاری) پھر ایک اور موقع پر فرمایا جو کوئی ایسی بات مجھ سے منسوب کرے جو میں نے نہیں کی پس اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (بخاری) عُلمائے اہلحدیث نے ان تصریحات کی رُوشنی میں سب سے پہلے حدیث کی قسمیں اور ان کے درجات کا تعین کیا:

حدیث کی قسمیں:

روایت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں ہیں:

متواتر:۔ جن کا یقینی ہونا بالکل ظاہر ہو۔ اِن احادیث کو اتنے کثیر التعداد راویوں نے بیان کیا ہو جن کا کسی جھوٹی بات پر متفق ہونا ناممکن ہو۔

مشہور:۔ ایسی حدیثوں کو کہتے ہیں جنھیں صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ایک یا دو نے ہی روایت کیا ہو۔ لیکن بعد میں وُہ اس قدر مشہور ہو گئی کہ انھیں کثیر راوی روایت کرتے رہے ہوں۔

احاد:۔ متواتر اور مشہور حدیثوں سے کم درجے کی حدیث ہو۔ خبرِ واحد کے قبول کرنے میں بہت اختلاف ہے۔ اور خبرِ واحد کے معاملہ میں بہت بحث کی گئی ہے۔ البتہ صدقِ حدیث کے معاملہ میں صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابُو ہریرہؓ، حضرت انس بن مالکؓ نیز ان جیسے اور صحابہؓ پر سب کا اتفاق ہے۔ پھر حدیث کے راویوں کی صحت کے لیے ایک خاص فن ایجاد کیا۔

اَسماءُ الرّجال

حدیث کے فن پر جرح و تعدیل کے لیے مسلمانوں نے ایک خاص فن ایجاد کیا۔ جسے اسماء الرّجال کے فن سے موسُوم کیا گیا۔ آج اگر اس فن کے علمی سرمایہ کا احاطہ کیا جائے۔ تو یہ تقریبًا تقریبًا ناممکنات میں سے ہے۔ ایک انگریز محقق کا قول ہے کہ مسلمانوں کے فن اسماء الرّجال نے ۵ لاکھ نفوسِ قدسیہ کے حالات قلم بند کر کے ایک ایسی مثال قائم کی ہے جس کا وجود نہ تو اس سے پہلے کہیں ملتا ہے اور نہ بعد میں۔ اور یہ سب کچھ رسُولِ عربیؐ کے ارشادات قلم بند کرنے کی وجہ سے معرضِ وجُود میں آیا۔

ان لوگوں نے اِس فن کو اس حد تک نکھارا اور صاف کر کے ہمارے لیے سہولت کا سامان بہم پہنچایا کہ ایک ایک حدیث پر صفحات کے صفحات لکھ کر روایت کے علاوہ درایت سے بھی بحث کی۔ آج ہم ان معلومات پر خشخش بھر بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی کسی حدیث کو دیکھ کر اپنے اندر کسی قسم کا شک یا کمی محسوس کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے کہ استفت قلبك وان افتاك المفتون یعنی مفتی لوگوں کے فتوے کے وقت اپنے دل سے بھی فتوے پوچھ لیا کرو۔ درایت کے فن کو نکھار کر رکھ دیا ہے۔ روایت کے اسی نکھار اور درایت کی اسی صحت نے ایک ایک حدیث پر کئی کئی صفحات میں بحث کی ہے۔ جب بھرطور اس حدیث پر سب کا اتفاق ہوا تو وہ ہمارے سامنے آئی۔ اور موضوعات کے ذخیرہ کو الگ کر کے رکھ دیا۔

کتابتِ احادیث اور احادیث کا ذخیرہ

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی حدیثیں بیان کروں اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے دل کے ساتھ ساتھ لکھنے سے بھی مدد لوں۔ اگر آپ اس کو مناسب خیال فرمائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری

حدیث ہو تو اپنے دل کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لو۔
(ترجمہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ رحمانی صفحہ ۴۹)

۲۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکرؓ بن محمدؓ بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ تمہارے نزدیک جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہیں ان کو اور حضرت عمرؓ کی حدیثوں کو لکھ کر بھیجو۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ علم مِٹ نہ جائے۔ (دارمی صفحہ ۴۹)

۳۔ وہب بن منبہؒ اپنے بھائی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوہریرہؓ سے سُنا کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عبداللہؓ بن عمروؓ کے سوا مجھ سے زیادہ حدیثیں کسی کو یاد نہ تھیں چونکہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا (دارمی صفحہ ۴۰)

۴۔ مبارک بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ سفیانؒ رات کو حدیث دیوار پر لکھ لیا کرتے تھے۔ اور صبح اس کی نقل کر کے دیوار صاف کر دیا کرتے تھے۔ (دارمی صفحہ ۵)

۵۔ حضرت علیؓ کے پاس بھی احادیث کا تحریری ذخیرہ تھا

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی کتابتِ حدیث شروع ہو چکی تھی۔ آگے چل کر حدیث کی کتابت میں بزرگانِ دین نے جس شغف اور انہماک سے اپنی زندگیاں خرچ کیں وہ اس رُبعہ مسکونہ پر ایک لازوال اور بے مثال کارنامہ ہے۔ حدیث کی کتابیں یوں تو تیس سے کچھ زیادہ ہیں۔ جن کے مستند ہونے پر اہلسنت کے تمام فرقے متفق ہیں۔ مگر عملی طور پر یہ سعادت صرف اہلحدیث کے حصے میں آئی کہ وہ جس طرح قولاً ان کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی طرح عملاً ان پر عمل پیرا ہیں۔

احادیث کا ذخیرہ دو قسموں پر مشتمل ہے: (۱) مسانید۔ (۲) مصنفات۔

۱۔ مسانید:

احادیث کی وہ کتابیں ہیں جن میں کسی ایک راوی کی تمام حدیثیں ایک جگہ اور دوسرے کی دوسری جگہ لکھی گئی ہیں۔ ان میں سب سے مشہور مسند امام احمد بن حنبلؒ ہے۔

۲۔ مصنفات:

حدیث کی وہ کتابیں ہیں، جن میں فقہی ابواب کے تحت حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ ان میں

سب سے اولین موطا امام مالک ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے لے کر موطا کی تصنیف تک متعدد چھوٹے چھوٹے رسائل وقتاً فوقتاً لکھے گئے۔ لیکن اس وقت ہمارے سامنے کتابی صورت میں موطا ہی حدیث کی پہلی کتاب ہے۔

دوسری صدی ہجری میں:

۱۔ موطا امام مالک ۱۷۹ھ میں لکھا گیا۔ آپ کے حالات قبل از بیان قلمبند کیے جا چکے ہیں۔

۲۔ عباد بن عباد بن حبیب بن المہلب بن ابی صفرہ المعروف العتکی متوفی ۱۸۱ھ۔ انہوں نے ابوجمرہ ضبعی اور ہشام بن عروہ سے روایت کی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے العتکی سے روایت کی۔

۳۔ قتیبہ بن سعید متوفی ۱۴۹ھ خراسان میں مشہور محدث تھے۔ بقول سفیان بن سعید ثوری متوفی ۱۶۱ھ انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا تھا۔

۴۔ ابوبکر ایوب بن ابی تمیمہ کیسانی السختیانی متوفی ۱۳۱ھ، تابعی ہیں۔ حضرت انسؓ سے ملاقات ہوئی۔ حسن بصری اور سعید بن جبیر سے روایت کی۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں سے شعبہ، سفیان ثوری، سفیان عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

۵۔ سلیمان بن یسار متوفی ۱۰۷ھ۔ زہری انہیں بہت بڑا عالم، نسائی انہیں امام وقت اور ابوزرعہ انہیں ثقہ کہہ کر پکارتے ہیں۔

۶۔ یوسف بن یزید ایلی متوفی۔ انہوں نے قاسم، زہری اور عکرمہ سے روایت کی۔ اور ان سے عبداللہ بن مبارک اور ابن وہب نے روایت کی۔ ثقہ راوی اور تابعی تھے۔

۷۔ ابوداؤد سلیمان بن کثیر العبدی متوفی ۱۳۳ھ۔ ذہبی کہتے ہیں۔ جائز الحدیث داناتھے۔

۸۔ معمر ابو عروہ معمر بن راشد الازدی متوفی ۱۵۳ھ یمن کے عالم اور محدث تھے۔ زہری اور حمام نے ان سے روایت کی۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دس ہزار حدیثیں سنی ہیں۔

۹۔ زہری۔ ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب زہری تابعی، دمشق کے محدث تھے۔ ۱۲۵ھ

میں فوت ہوئے۔

علم حدیث کی خدمت میں زہری کا مقام بہت بلند ہے۔ مگر اکثر اس کی روایات گمراہ کن ہیں۔ محمد بن اسحاق جس کے متعلق امام مالک کا قول ہے کہ وہ ثقہ اور معتبر نہیں۔ امام بخاری نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔ علی المدائنی اسے ضعیف الروایۃ کہتے ہیں۔ ابوحاتم کے نزدیک وہ غیر مستند تھا۔ اور نسائی اسے ضعیف کہتے تھے۔ زہری کے گروہ کا فرد تھا۔ مشہور شیعہ مؤلف عباس قمی زہری کے متعلق کہتا ہے کہ وہ پہلے سنی تھا پھر شیعہ ہو گیا۔ (تتمۃ المنتہیٰ صفحہ ۱۲۸) عین الغزال فی اسماء الرجال میں بھی ابن شہاب کو شیعہ کہا گیا ہے۔

۱۰۔ محمد بن عجلان۔ ابن عیینہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ خواب کے متعلق حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان جو بات چیت ہوئی وہ انہیں سے روایت ہے۔ ۱۴۸ھ میں فوت ہوئے۔

۱۱۔ شریک بن عبداللہ۔ انہوں نے انسؓ، سعید بن مسیبؓ اور عبدالرحمن وغیرہ سے روایت کی۔ ابن معینؒ، نسائیؒ، ابن سعد، ابن عدی اور ابن حبان انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴)

۱۲۔ شعبہ بن حجاج متوفی ۱۶۰ھ۔ انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔

۱۳۔ عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعی متوفی ۱۵۷ھ۔ عطا بن ابی رباح اور زہری وغیرہ کے طبقہ سے روایت کی

۱۴۔ عطا بن ابی رباح حبشی غلام تھے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے حدیث سنی ۱۱۴ھ میں فوت ہوئے۔

۱۵۔ قتادہ۔ حضرت انسؓ اور سعید بن مسیب سے روایت کی۔ نابینا مگر قوی الحافظہ تھے۔

تیسری صدی ہجری میں:

صحیح بخاری ۲۵۰ھ، صحیح مسلم ۲۶۱ھ میں، سنن ابی داؤد ۲۷۵ھ میں، ابن ماجہ ۲۷۳ھ میں، مسند امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ میں، ابن ابی شیبہ ۲۳۵ھ میں، مسند دارمی ۲۵۵ھ میں،

فتح الباری شرح صحیح بخاری ۲۰۳ھ میں اور ترمذی[۹] ۵۵۰ھ میں لکھی گئیں۔ ترمذی نے اپنی کتاب نوادرالاصول میں ۲۸۸ اصولِ حدیث پر بحث کی ہے۔

اور عبدبن حمید نے مسند کبیر اور تفسیر لکھی۔ ۲۴۹ھ میں فوت ہوئے۔

ابوداؤد طیالسی نے مسند لکھی۔ ۲۰۴ھ میں فوت ہوئے۔ احمد بن سعید داؤدی نے بخاری کی شرح لکھی۔ ابوبکر الاسماعیلی متوفی ۲۹۵ھ نے زہری کی احادیث کو جمع کیا۔ حارث بن اُسامہ متوفی ۲۸۲ھ نے مسند لکھی۔ ابوالفضل احمد بن سلمہ نیشاپوری متوفی ۲۰۰ھ جو امام مُسلم کے ہم سفر بھی رہے۔ اُنھوں نے امام مسلم کی طرز پر حدیث کی ایک کتاب لکھی۔ احمد بن عمرو بن عبدالخالق بصری متوفی ۲۹۲ھ نے مسند معلّق تصنیف کی۔ سعید بن منصور بن شعبہ خراسانی متوفی ۲۲۷ھ آئمہ حدیث تھے مکہ میں فوت ہُوئے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں اس قسم کے اہلحدیث بزرگوں کے نام کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کی تصانیف سے ہم واقف نہ ہوسکے۔

عباس بن محمد بن حاتم، یحییٰ بن معین کے شاگرد تھے۔ حافظِ حدیث ہونے کے علاوہ فنِ قرأت کے بھی امام تھے۔

قتیبہ بن سعید الثقفی متوفی ۲۴۰ھ۔ مالک اور لیث سے روایت کی اور ان سے ترمذی نے روایت کی۔ نسائی کہتے ہیں یہ ثقہ اور سچے تھے۔

ضحاک بن مخلد بن ضحاک شیبانی بصری متوفی ۲۱۴ھ۔ انھوں نے کثرت سے روایت کی۔ ثقہ ہیں۔

ابنِ نمیر حافظِ حدیث تھے۔ امام احمد بن حنبل انہیں دُرّۃ العراق کہا کرتے تھے۔

ابوذکریا یحییٰ بن معین، سید الحفّاظ کے نام سے مشہور تھے۔ خود فرماتے ہیں میں نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ انہیں امام احمد بن حنبل کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔ ۲۳۳ھ میں بحالتِ غریب الوطنی مدینہ میں فوت ہُوئے۔

ابوسلیمان دارانی متوفی ۲۱۵ھ۔ احمد بن ابی الحواری کے استاد تھے۔ جن کا تمام خاندان زاہدوں کا خاندان تھا۔ ابوسلیمان کا قول ہے۔ بسا اوقات مجھ پر لوگوں

کی باتیں وارد ہوتی ہیں۔ مگر جب تک کتاب وسنّت کے دو گواہ ان پر پیش نہیں ہوتے میں اُنہیں قبول نہیں کرتا۔ (رسالہ قشیریہ، نفحات الانس)

جنید بغدادی کو یارانِ طریقت نے مقلد بنا کر پیش کیا ہے۔ مگر آپ کا قول ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نقشِ قدم پہ چلنے والوں کے سوا تمام لوگوں کے لیے قربِ الٰہی کے دروازے بند ہیں۔ (رسالہ قشیریہ)

فنِ اسماء الرجال میں تاریخ صغیر بخاری، کتاب الضعفاء الصغیر بخاری بھی اسی صدی میں لکھی گئیں۔

چوتھی صدی ہجری میں :

ابوعوانہ[۱] متوفی ۳۱۶ھ نے مشہور حدیث کی کتاب لکھی۔ محمد[۲] بن عمرو بن موسیٰ عقیلی، متوفی ۳۲۲ھ نے کتاب الضعفاء الکبیر لکھی۔ ابوعلی[۳] سعید بن عثمان البغدادی المعروف ابن السکن متوفی ۳۵۲ھ نے المنتقیٰ۔ ابوبکر[۴] بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے مسند ابی شیبہ، حافظ علامہ ابومحمد[۵] عبداللہ بن ابراہیم اندلسی متوفی ۳۹۲ھ نے حدیث کی روشنی میں کتاب الدلائل فی اختلاف العلماء۔ امام نسائی[۶] متوفی ۳۰۳ھ نے سننِ نسائی۔ ابوسلیمان[۷] احمد بن محمد الخطابی، متوفی ۳۰۸ھ نے معالم السُّنن، اعلام السُّنن اور غریب الحدیث۔ ابوحاتم[۸] محمد بن حبّان متوفی ۳۵۴ھ نے صحیح ابن حبّان۔ ابوالقاسم[۹] سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر۔ ابویعلیٰ[۱۰] احمد بن علی متوفی ۳۰۷ھ نے مسند کبیر۔ یوسف[۱۱] بن عمر بن عبدالبر نے الاستذکار بمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ المؤطا من معانی الآثار۔ دارقطنی[۱۲] متوفی ۳۸۵ھ نے سُنن دارقطنی۔ ابنِ خزیمہ[۱۳] متوفی ۳۱۱ھ نے ابنِ خزیمہ تصنیف کیں۔

ان کے علاوہ شیخ الوقت ابوبکر جعفر بن محمد بن حسن ترکی متوفی ۳۱۰ھ جن کے پاس ہزاروں لوگ حدیث پڑھنے کے لیے دُور دُور سے آیا کرتے تھے۔ دارقطنی کے اُستاد ابوبکر محمد بن علی المصری متوفی ۲۶۹ھ اور انہیں جیسے ہزارہا جلیل القدر اصحاب کی تصانیف جو زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ نہ معلوم ان کی تعداد کیا ہوگی؟

عبداللہ بن منازل متوفی ۲۲۹ھ کا قول ہے کہ جس نے ایک فرض ترک کیا وہ سنتوں

کے ترک میں مبتلا ہو گا۔ اور جس نے سُنتیں ترک کیں وُہ بدعتوں کے ارتکاب میں مبتلا ہو گا۔
(رسالہ قشیریہ)

ابُو بکر طلستانی متوفی ۳۴۳ھ کا قول ہے کہ جس نے کتاب و سنت کی پیروی کی ..... اور صحابہ رض کے نقشِ قدم پر چلا تو صحابہؓ اس سے صرف اس لیے افضل ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

فنِ اسماء الرجال میں نسائی نے کتاب الضعفاء والمتروکین۔ دولابی متوفی ۳۱۰ھ نے کتاب الکنی والاسماء اور محمد بن حبان نے اہلِ مکہ کی حدیثیں دس جلدوں میں لکھیں۔

پانچویں صدی ہجری میں:

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم متوفی ۴۰۵ھ نے مستدرک حاکم لکھی۔ جس میں تمام وہ حدیثیں جمع کیں جو بخاری اور مسلم نے چھوڑ دی تھیں۔ اس میں ضعیف احادیث بھی ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ وُہ اس میں کانٹ چھانٹ کرنا چاہتے تھے مگر موت نے مہلت نہ دی۔
امام ابن تیمیہ حاکم کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس نے اکثر من گھڑت حدیثیں لکھی ہیں۔ قاعدہ جلیلہ طبع مصر منار ۱۳۲۷ھ صفحہ ۱۰۱۔ امام ذہبی حدیث طیر اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے تحت لکھتے ہیں کہ حاکم نے لغو احادیث لکھی (تذکرۃ الحفاظ)
شاہ عبدالعزیز بستان المحدثین میں لکھتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں مستدرک میں ایسی ہیں جو صحت کی شرط پر نہیں۔ شاہ عبدالعزیز امام ذہبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بقدر چوتھائی کتاب بے اصل اور موضوع احادیث سے مزین ہے (بستان المحدثین صفحہ ۴۳)
قاسم بن ثابت متوفی ۴۱۱ھ نے دلائلِ حدیث لکھی۔
بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے سُننِ کبیر بیہقی، کتاب دُعائے بیہقی اور جامع المصنف لکھیں۔
ابُو نعیم متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیاء تصنیف کی۔
ابنِ مردویہ متوفی ۴۱۶ھ نے تفسیر اور تاریخ کے علاوہ حدیث میں مستخرج علی صحیح البخاری اور دُعائے ابنِ مردویہ تصنیف کیں۔
فنِ اسماء الرجال میں عبدالغنی ازدی متوفی ۴۰۹ نے کتاب المؤتلف المختلف فی اسماء نقلۃ

احدیث اور کتاب المشتبہ النبی تصنیف کیں۔

اِس عظیم الشان احادیث کے ذخیرہ کی موجودگی میں احمد بن محمد بن احمد بغدادی متوفی ۴۲۰ھ نے فقہ کی اوّلین کتاب قدوری تصنیف کی۔

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم متوفی ۴۵۶ھ۔ اندلس کے خاندانِ وزارت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور خود بھی وزیرہ چکے تھے۔ معقول اور منقول دونوں کے امام تھے علم حدیث، رجال، انساب اور کلام کے متبحر عالم تھے۔ دُنیا کے تمام فِرق و مذاہب پر ان کی نظر بڑی وسیع تھی۔ علم کلام میں الفصل فی الملل والنحل ان کی مشہور تصنیف ہے۔ اس میں اُنھوں نے فلاسفہ، حکماء، ملحدین، یہود، نصاریٰ اور اہلِ سنّت کے علاوہ دُوسرے اسلامی فرقوں پر نقد و تبصرہ کیا ہے۔ اور ان کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ اور اہلِ سنّت کے عقائد کو بدلائل ثابت کیا ہے۔ وُہ اپنی تحقیق میں نہایت آزاد تھے۔ قرآن پاک اور سنّتِ صحیحہ کے علاوہ دُنیا میں کسی کے قول کو حجّت نہیں سمجھتے تھے۔ اور نہ کسی کے کلام کو بلادلیل مانتے تھے۔ بڑے بڑے اماموں کے اقوال کو اُنھوں نے بڑی بے پروائی سے ٹھکرا دیا ہے۔ اُنھوں نے حکومتِ وقت کی مصلحتوں اور جمہور کے جذبات کی کبھی پروا نہ کی۔ وُہ ایک بے نیام تلوار تھے۔ جو نُصرتِ حق اور شکستِ باطل کے لیے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں ہر طرف چلتی تھی۔ اِس لیے ان کے متعلق مشہور ہو گیا تھا کہ یوسف بن حجاج ثقفی کی تلوار اور ابنِ حزم کی زبان دونوں سگی بہنیں ہیں۔ آخری زندگی اسی جُرم کی پاداش میں صحرا نوردی میں گذاری۔ اِن کی سب سے اہم تصنیف المحلّٰی ہے۔ جو مصر کے مطبع سلفیہ سے طبع ہو چکی ہے۔ اُنھوں نے اس تصنیف میں اپنی آزاد تحقیق اور غیر مقلدانہ اجتہادات میں جو روش اختیار کی ہے اس کو بہت کم اہلِ علم نے پسند کیا ہے۔ وُہ نہایت صفائی اور بیباکی سے لکھتے چلے گئے ہیں کہ ابُو حنیفہؒ نے یہاں یہ غلطی کی، شافعیؒ نے یہ خطا کی، مالکؒ نے یہ قصور کیا۔ ابنِ حنبلؒ سے یہ لغزش ہوئی۔ اور ہر ایک کی غلطی اور اپنی صحت پر قرآن و حدیث سے استدلال کیا ہے۔ افسوس کہ اپنے زورِ بیان میں ابنِ حزم چند جگہ پر متفقہ مسائل میں اختلاف کے مرتکب ہوئے۔ جس کی وجہ

سے بعض اہلِ علم نے اُنہیں مذہبِ ظاہریہ یعنی محمد بن اسحاق راہویہ کا مقلد قرار دیا ہے۔ مگر جس حد تک اُن کی تحقیق کا تعلق ہے اُس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ غیر مقلد اور پکے اہلحدیث تھے۔

چھٹی صدی ہجری میں :

چھٹی صدی کے مصنفین کے حالات سے پہلے یاقوت حموی متولد ۵۷۵ھ کا ایک واقعہ سُن لیجیے: "آپ بیان کرتے ہیں کہ میں یزدگرد کی مسجد میں بیٹھا ہوا کچھ حدیثیں لکھ رہا تھا۔ کہ ایک بزرگ جو نہایت پھٹے حال میں تھے آئے اور بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پُوچھا کیا لکھ رہے ہو؟ میں نے جواب دینا پسند نہ کیا اور دل میں کہا کہ اس کا اس سوال سے کیا مطلب؟ آخر میں نے رُکھائی سے کہا حدیث لکھ رہا ہُوں۔ اُنہوں نے کہا شاید تم حدیث کے طالب علم ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ بولے تمہارا مکان کہاں ہے؟ میں نے کہا مرو۔ بولے اہلِ مرو بخاری کس کس سے روایت کرتے ہیں؟ میں نے کہا عبدان، صدقہ، علی بن حجر اور اس طبقہ کی ایک جماعت سے۔ اُنہوں نے پھر پوچھا عبدان کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا عبدالرحمٰن بن عثمان بن جبلہ۔ بولے ان کو عبدان کیوں کہتے ہیں؟ اب میں رُکا تو وُہ مسکرائے، پھر میں نے کہا آپ ہی فرمایئے! بولے ابُو عبدالرحمان ان کی کنیت ہے اور ابو عبداللہ ان کا نام ہے۔ چونکہ ان کے نام اور کنیت دونوں میں عبد کا لفظ ہے اس لیے ان کو عبدان کہتے ہیں۔" (معجم البلدان)

اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے کتنے ہی گنج ہائے گرانمایہ ہم سے آج تک پوشیدہ ہیں۔ تبرکاً چند ایک سے تعارف کر لیجیے :

۱۔ ابن العربی : ابُوبکر محمد بن عبداللہ بابن العربی المعافری الاشبیلی متوفی ۵۴۳ھ نے کتاب المسالک فی شرح مؤطا امام مالک لکھی۔ یہ فتوحات مکیہ والے ابن العربی نہیں۔

۲۔ امام ابومحمد بن ابی جمرہ متوفی ۶۹۵ھ نے بخاری کی شرح میں بهجة النفوس و غايتها بمعرفة ما لها و ما عليها اور ایک تفسیر لکھی۔

۳۔ قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ فقہ میں کسی کے مقلد نہ تھے۔ سبتہ میں قاضی تھے۔

قرآن کی تفسیر، مسلم کی شرح، الشفا فی حقوق المصطفےٰ لکھیں۔

۴۔ ابُو محمد عبدالحق اشبیلی متوفی ۵۸۲ھ۔ اُنہوں نے کتب احادیث سے انتخاب کر کے احکام الکبریٰ فی الحدیث تین جلدوں میں لکھی۔

مصابیح السنّت ۵۱۰ھ میں لکھی گئی۔

ساتویں صدی ہجری میں :

ابُو ذکریا محی الدین بن یحییٰ متوفی ۶۷۶ھ نے شرح مسلم، ابُوالعباس بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ھ نے مسلم کی شرح میں المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم اور تفسیر میں احکام القرآن لکھیں۔ (کشف الظنون)

اتباعِ سنّت کا ایک واقعہ بھی سُن لیجیے: عبدالغفار قوسی متوفی ۷۰۸ھ ایک بار بیٹے کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے میں کدُو بھی تھا۔ آپ نے فرمایا بیٹے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کدّو بہت پسند تھا۔ بیٹے کی زبان سے نکل گیا۔ یہ تو ایک گندی چیز ہے۔ آپ نے اُسی وقت تلوار سے بیٹے کی گردن اُڑا دی۔ اور حضورؐ کی محبت پر بیٹے کو قربان کر دیا۔ (لواقع الانوار)

فقہ کی کتاب منیة المصلی بدرالدین کاشغری نے لکھی۔ (کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۶۴۸)

آٹھویں صدی ہجری میں :

محمد بن محمد بن محمد ابن الجزری شافعی نے ۷۹۱ھ میں تمام کتب احادیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ دُعائیں جمع کر کے اس کا نام حصنِ حصین رکھا۔ مصنف گو مقلد تھے مگر تاتاریوں کے حملے کے وقت اُنہیں خود ساختہ اور مفروضہ وظائف کی نسبت رحمۃ اللعالمین کے دامنِ رحمت ہی میں پناہ نظر آئی۔ مصنف لکھتے ہیں کہ اس کتاب کی برکت سے مجھے بشارت ہُوئی اور تاتاریوں کا بادل چھٹ گیا۔

امام حافظ ابُو الفدا اسماعیل متوفی ۷۷۴ھ نے تفسیر ابن کثیر احادیث کی روشنی میں لکھی۔

شمس الدین ابُو عبداللہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ جو حافظ الحدیث تقی الدین سبکی کے مشہور تلامذہ میں سے تھے تذکرۃ الحفاظ تصنیف کیا۔

نویں صدی ہجری میں:

ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۳ھ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری اور اصابہ فی تمیز الصحابہ تصنیف کیں۔

حافظ زین الدین ابن عبدالرحیم عراقی متوفی ۸۰۵ھ نے اصولِ حدیث میں الفیہ لکھی۔

دسویں صدی ہجری میں:

شیخ الاسلام زین الدین زکریا بن محمد انصاری متوفی ۹۱۰ھ نے بخاری کی شرح لکھی۔

اس ذخیرہ کے علاوہ فن اسماء الرجال میں مختلف وقتوں میں کتاب الصحابہ ۵ جلدیں، کتاب التابعین ۱۲ جلدیں، کتاب اتباع التابعین ۱۵ جلدیں، کتاب تبع الاتباع ۱۷ جلدیں، کتاب تبع التباع ۲۰ جلدیں، اصحاب التاریخ ۱۰ جلدیں، اہلِ مدینہ کی حدیثیں ۱۰ جلدیں لکھی گئیں۔

خلاصۂ بحث

گذشتہ سطور میں حدیث کا سرسری سا تاریخی خاکہ آپ نے دیکھ لیا۔ اس خاکہ کی روشنی میں آپ ذرا اپنے مفروضات سے خالی الذہن ہو کر دیکھیں تو صاف آئے گا کہ جن لوگوں نے مختلف ادوار، مختلف حالات اور مختلف اوقات میں اسماء الرجال اور احادیث کا ذخیرہ مرتب اور مروج کیا ان کے عقائد کیا تھے؟

اب پھر ذرا اپنے ذہن کے گوشوں اور قلب کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھیے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ لوگ سب کے سب اہلحدیث تھے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے جنہوں نے کسی فقہی مسلک کو اختیار نہیں کیا وہ سب کے سب اہلحدیث ہیں۔ یہاں ایک اور غلطی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ پاک بھارت میں لفظ وہابی آج ہر مسلمان کی زبان پر اکثر نظر آتا ہے۔ مگر میں اپنے پورے طالب علمانہ تجسس کے باوجود آج تک یہ معلوم نہیں کر سکا کہ کسی زمانہ میں بھی کوئی عبدالوہاب نام کا مجدد گذرا ہو۔ دراصل ہندوستان میں جن لوگوں نے انگریز کے خلاف سب سے پہلے علمِ جہاد بلند کیا وہ اہلحدیث اور غیر مقلد تھے۔ انہوں نے سید احمد شہیدؒ، مولانا شریعت اللہؒ بنگالی، مولانا احمد اللہؒ، میاں نثیوؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہ

کے وجود میں انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کی خاطر جہاد کیے۔ تقریباً اسی دور میں جزیرہ نما عرب میں حنبلی لوگوں نے، جو امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے محمد بن عبدالوہابؒ کی تحریک سے متاثر ہو کر نجد و حجاز میں شرک و بدعت کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔ وہ لوگ اپنے عقائد میں ذرا متشدد تھے۔ جب انہوں نے پرانے مزارات کو جو اس وقت عبادات اور حاجت روائیوں کے اڈے بن چکے تھے سنت کی روشنی میں صاف کیا تو برصغیر میں انگریز کو ایک حربہ ہاتھ آگیا۔ یہاں کے مجاہدین کو وہابی وہابی کہہ کر ملک کے اخبار و رسائل کے ذریعوں میں ان کے خلاف اس قدر نفرت پیدا کی کہ مجاہدینِ سبیل اللہ جماعت وہابی بن کر عوام کی نظروں میں قابلِ گردن زدنی بن گئی۔ انگریز کا مقصد پورا ہو گیا۔ یہاں کے غالی حنفیوں کو حکمرانوں کی شہ نے ایسی کھلی چھٹی دے دی کہ کفر و ضلالت کی مشین گنوں کے منہ کھل گئے۔

اسی دوران میں مدرسہ دیوبند کے احناف میں سے چند علماء نے توحید و سنت کے معاملات میں چند امورات میں اہلحدیثوں کا ساتھ دیا تو وہ بھی غالی حنفیوں کے نزدیک گلابی وہابی بن کر رہ گئے۔

اس تمام یاوہ گوئی کے پیچھے دیانت، شرافت، انسانیت، عدالت اور صداقت وغیرہ قسم کی کسی چیز کا عشرِ عشیر بھی نہ تھا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں دیوبندی اور بریلوی دونوں ہی بدعتی ہیں۔ اہلحدیث کی حق گو جماعت نے اگر ان میں سے کسی میں کسی قسم کی حق گوئی دیکھی تو اس کی تعریف کی اور جس میں شرک و بدعت دیکھا اسے ٹوکا۔ وقت کے ساتھ ساتھ حنفیوں کے دیوبندی طبقے سے ایک طبقہ تو گاندھی اور کانگرس کی گود میں جا گرا۔ اور ایک گروہ نے اعلائے کلمۃ الحق کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ مگر غالی گروہ انگریز کے جور و استبداد کے باوجود انہیں اور اولو الامر ثابت کرنے اور متمسک بکتاب اللہ و سنت رسول کو کافر بنانے میں لگا رہا اور تقسیم ملک کے بعد تشتت و افتراق کی راہیں ہموار کرنے میں آج تک منہمک ہے۔

کسی نے آج تک دیانتداری سے کتاب وسنت کا تمسک کرنے والوں کا ساتھ دینا تو درکنار اُنہیں عام مسلمانوں کی طرح سمجھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ خدا لگتی کہیے۔ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانتے ہُوئے کہیے کسی اہلحدیث کو آپ نے آج تک کسی شرک یا بدعت میں مُبتلا پایا۔ کسی اہلحدیث کو آپ نے کسی مقام پر کفر و طغیان کے سامنے سجدہ ریز پایا۔ کسی اہلحدیث کو آپ نے کسی مقام پر تمسک کتاب وسنت کا منکر یا منحرف پایا۔ کسی اہلحدیث کو آپ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نافرمان پایا یا بزرگانِ دین کی گستاخی کرتے ہُوئے دیکھا یا زندگی کے کسی بھی شعبے میں ایسا کام کرتے ہُوئے پایا جو نبی علیہ السلام کے دَور میں نہیں تھا۔ شادی بیاہ سے لے کر تجہیز و تکفین تک، پیدائش سے لے کر موت تک کسی اہلحدیث گھرانہ میں آپ نے ڈھول باجے، سہرے گانے، نوحہ گری، تیجا، چالیسواں وغیرہ کی بدعتیں دیکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت اہلحدیث کا ہر فرد آپ کو کتاب و سنت کا تمسک کیے ہُوئے ملے گا۔ پھر آپ کو اُن کی اِن دیندارانہ سرگرمیوں سے آخر کیا تکلیف پہنچ رہی ہے۔

مگر میں بُھول گیا۔ آپ کو واقعی تکلیف ہے۔ اگر آپ کے پیچھے چلنے والے جاہل مقلد کتاب و سنت پر عمل کرنا شروع کر دیں تو آپ کے جبّہ و دستار کی دھجیاں فضائے بسیط میں اُڑتی نظر آئیں گی۔ آپ کے حلوے مانڈے ختم ہو جائیں گے۔ آپ کی دوکانداریاں ختم ہو جائیں گی۔ جہاں ہر وقت قال اللہ و قال الرسول کی آواز گونجے گی وہاں سے المدد یا حضرت شاہِ نقشبند کا بستر گول ہو جائے گا۔ وہاں سے شیئاً للہ ختم ہو جائے گا۔ وہاں سے یا پیرانِ چشت چمپت ہو جائیں گے۔ وہاں سے تیجے، دسویں اور چالیسویں غتربود ہو جائیں گے، وہاں سے گیارھویاں اور تیرھویاں کافور ہو جائیں گی، وہاں سے اسقاط بازی نو دو گیارہ ہو جائے گی اور وہاں سے پیری کا فراڈ فیل ہو جائے گا۔ تو مجبوراً آپ کو اپنے پیٹ پُوجا کا سامان کرنا پڑے گا۔ اور یہ آپ کے بس کا روگ نہیں۔ دین و ایمان کا اللہ حافظ .... روٹی مٹی رہے۔

اَب آگے بڑھنے سے پہلے گذشتہ صفحات کو پھر ذہن میں حاضر کر کے دیکھیے

کہ حدیث کے اتنے عظیم الشان ذخیرہ کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی کی کتب بھی تصنیف ہو رہی ہیں۔ ذرا خدا لگتی کہیے کہ کیا کتبِ احادیث کے اس انبار میں کسی قسم کی کمی تھی کہ فقہ کی کتب اس کمی کا ازالہ کرنے کے لیے مرتب کی جاتی رہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو اتنا اختلاف اور تباین کیوں؟

اہلحدیث ہی اہلِ سنّت والجماعت ہیں

فرنگی کا جنازہ تو نکل گیا، مگر برصغیر میں مسلمانوں کے درمیان تشتّت و افتراق کا جو بیج بو گیا، وہ پہلے سے بھی ترقی پذیر ہے۔ فرنگی نے اپنی پُوری سیاست کو بروئے کار لاتے ہُوئے مسلمانوں کے اُس گروہ سے "سجادہ و دستار اور جبّہ و عصا" کے ذریعے اس حد تک متنفر کر دیا کہ آج کتاب و سنّت پر عمل کرنے والے عوام کی نظروں میں قابلِ گردن زدنی ہیں۔

اگر خوفِ خدا ہو، اصلاحِ نفس کی ضرورت ہو، نجات کی خواہش ہو تو پھر ہٹ اور ضد کو چھوڑ کر انسان ہر سچی بات کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان میں سے انسان کے اندر کوئی چیز نہ ہو اور خواہ مخواہ "میں نہ مانوں" کی رَٹ لگاتا رہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا صاف اور واضح حکم ہے کہ جو کچھ نبی تمہیں فرمائیں اس پر عمل کرو اور جس سے منع کریں اُس سے رُک جاؤ۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ "صراطِ مستقیم یہ ہے کہ جس پر میں اور میرے صحابی ہیں۔"[1] اور اس کے ساتھ ہی واضح طور پر زمین پر پانچ خط کھینچ کر مستقبل میں نمودار ہونے والے فرقوں کا اشارہ فرمایا، ایک سیدھا خط اور دو خط اس کی دائیں طرف اور دو بائیں طرف۔[1] یہ گویا نُورِ نبوّت اور فراستِ رسالت کا ایک معجزہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے چار دائیں بائیں خطوط سے آئمہ اربعہ

---

[1]: ابنِ ماجہ۔ مسندِ احمد جلد ۶

کی طرف منسوب ہونے والوں کی طرف اشارہ فرمایا اور سیدھے خط کی طرف اصحاب حدیث کا اشارہ فرمایا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے :

۱۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ جب تک ان دونوں پر عمل کرتے رہوگے، گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری سنت۔ (مشکوٰۃ)

آج اس بھری دنیا میں کون اس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ جماعت اہلحدیث کے علاوہ کوئی اور فرقہ کتاب وسنت پر عمل کرنے والا ہے۔

۲۔ تمام صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے کہ پیغمبر کے علاوہ (موجودہ یا گذشتہ میں سے) کسی کے تمام اقوال پر عمل کرنے سے اپنے آپ کو اور دوسروں کو روک دیا جائے یہی دستور آئمہ اربعہ کا ہے۔ (عقد الجید مترجم صفحہ ۲۴)

۳۔ اہلحدیث، اہل سنت والجماعت ہیں اور حق پر ہیں۔ اور ان کی اقتدا حنفی کو جائز ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ (عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ صفحہ ۵۲۵ جلد ۱ مطبع نولکشور)

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "جو رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا یہ فیصلہ ہے" فرماتے ہوئے ایک منافق کی گردن مار دی۔ منافق کے وارثوں نے دعویٰ کیا تو فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ الخ آیت نازل ہوئی۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خدا کی قسم اگر موسیٰ علیہ السلام آجائیں اور تم اُن کی پیروی کرو اور مجھ کو چھوڑ دو تو سیدھے راہ سے گمراہ ہو جاؤ گے۔" (مشکوٰۃ)

۶۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اُمت کے کچھ لوگ ہمیشہ حق پر رہیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ کا حکم آجائے اور وہ اسی حالت پر ہوں گے۔" (بخاری ومسلم)

۷۔ میری اُمت سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔ مخالفین باوجود مخالفت کے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔" (ترمذی)

۸۔ امام ترمذی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اپنے اُستاد امام بخاری سے اور وہ اپنے اُستاد علی بن مدینی سے نقل کرتے ہیں کہ "ھم اصحاب الحدیث" (ترمذی صفحہ ۴۲ ج ۲ - مشکوٰۃ، ماجاء فی اھل الشام) یعنی اِن لوگوں

سے مراد اہلحدیث ہیں۔

۹۔ حضرت یزید بن ہارون کہتے ہیں: "اگر ان سے اہلحدیث مراد نہیں تو اور کون ہوسکتا ہے۔" (کتاب الشرف صفحہ ۲۶)

۱۰۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں: "ھم عندی اھل الحدیث" وہ میرے نزدیک اہلحدیث ہیں۔ (کتاب الشرف صفحہ ۲۶)

۱۱۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں مغیرہ کی حدیث کی شرح میں امام حاکم کی کتاب علوم الحدیث سے امام احمد بن حنبل سے بسند صحیح نقل کرتے ہیں کہ اگر یہ لوگ (یعنی جن کے متعلق بخاری، مسلم اور ترمذی میں ذکر ہو چکا ہے) اہلحدیث نہیں تو اور کون ہیں۔

۱۲۔ حضرت ابوسعید خدری جب کسی نوجوان طالب حدیث کو دیکھتے تو کہتے اے نوجوان! تمہیں رسول پاک کی وصیت مبارک ہو۔ کیونکہ آپ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ ہم تمہارے لیے اپنی مجلسوں میں کشادگی کریں اور تمہیں حدیث سکھائیں ہمارے بعد تم ہمارے خلیفہ ہو۔ اور ہمارے بعد تم ہی اہلحدیث ہو۔ (شرف اصحاب الحدیث امام خطیب بغدادی صفحہ ۲۱)

۱۳۔ بے دین زندیق فرقے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہلحدیثوں کو حشویہ کہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ حدیث پر عمل نہ کریں۔ قدریہ فرقہ کے لوگ اہلحدیثوں کو مجبرہ کہتے ہیں۔ جہمیہ انھیں مُشبہ کہتے ہیں۔ رافضی انھیں ناصبہ کہتے ہیں۔ مگر ان تمام باطل فرقوں کی یہ تہمتیں اہلحدیث پر محض افترا ہے۔ ہٹ دھرمی، تعصب اور بغض وحسد کی بنا پر یہ بہتان باندھتے ہیں۔ حالانکہ اہل سنت والجماعت کا ایک نام کے سوا کوئی نام نہیں اور وہ اہلحدیث ہیں۔ یہ بدعتی ٹولے اہلحدیث کو خواہ کچھ کہیں اہلحدیث کا کچھ نہیں بگڑتا۔ جس طرح کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی نام مثلِ جادوگر، شاعر، مجنون، مفتون اور کاہن گھڑ رکھے تھے اور اُن کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔ درحقیقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان ناموں میں

سے خدا تعالیٰ، فرشتوں، انسانوں، جنّوں اور ساری مخلوق کے نزدیک ایسا کوئی نام نہیں تھا۔ آپ کا نام صرف رسُول اور نبیؐ تھا۔ اور حضورؐ ان آفتوں سے قطعًا پاک تھے۔ (غنیۃ الطالبین)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اس فیصلہ کے بعد آپ کے مُریدوں کو سوچنا چاہیے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ اور ہمارے پیر کیا فرما گئے ہیں۔ مگر مُریدوں نے تو اپنے پیرؒ کے حکم پر عمل چھوڑ دیا اور نقال پیروں کے جیب در من بھرنے کے لیے یا غوث اعظم کی وظیفہ بازیاں شروع کر دیں۔ اہلحدیثوں کے اُلٹے سیدھے نام رکھنے والے بھی حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد غور سے پڑھیں:

اہلحدیث ہر زمانہ میں تھے۔ اور بحمداللہ آج بھی یہ لوگ قرآن و سنّت کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ اُنھیں محض تعصّب کی وجہ سے وہابی کہہ کر پکارنا کہاں کی دیانت، شرافت، انسانیت اور علمیّت ہے؟ بعض لوگ بطورِ حقارت انھیں نجدی کہتے ہیں، ایسا کہنا کونسی دینی خدمت ہے؟ اگر وُہ ان القابات کے چسپاں کرنے کے بغیر اپنا کھانا ہضم نہیں کر سکتے تو حضرت اُبو حنیفہؒ کی نسبت سے خود کو حنفی کیوں نہیں کہلاتے۔ وُہ تو مقلد ہیں اور انھیں یہ لفظ زیب بھی دیتا ہے۔ مگر اہلحدیث تو کسی کے مقلد ہی نہیں۔

مگر سچ فرمایا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے کہ یہ سب کچھ ہٹ دھرمی، تعصّب اور بُغض کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ حضرت پیر جیلانیؒ کے ارشاد کے مطابق آیندہ وُہ اہلحدیثوں کو ایسے دل آزار القاب سے یاد نہیں کریں گے۔

۱۳۔ آپ فتوح الغیب میں قرآن و حدیث کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ ان دونوں پر ہی عمل کر اور وَلَا تَتَّبِعُوا بِالْقَالِ وَالْقِيْلِ وَالْهَوَسِ یعنی مَنطِقیوں کی رائے اور قیاس پر نہ چلو۔

۱۴۔ حضرت اُبوبکر بن داؤد لکھتے ہیں کہ میں سجستان میں حضرت اُبو ہریرہؓ کی حدیثیں جمع کر رہا تھا۔ کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ سے بہت محبّت ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہونی چاہیے۔ کیونکہ میں دُنیا میں اہلحدیث تھا۔

(حدیثِ اصحابہ صفحہ ۲۰)

۱۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اہلحدیث اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے۔ اور ان کے بکثرت درود پڑھنے لکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جنّت میں چلے جاؤ۔ (حدیث لکھنے پڑھنے کے وقت بار بار درود پڑھنا پڑتا ہے)۔ (حضرت انس۔ تاریخ بغداد جلد ۳۔ سود الیہ – جواہر الاصول)

۱۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ آؤ میں تمہیں اپنے صحابہ اور پہلے نبیوں کے خلیفے بتاؤں۔ یہ وُہ ہیں جو اللہ کے رستہ میں قرآن و حدیث کو اُٹھانے والے ہیں۔ (کتاب الشرف صفحہ ۴۲)

۱۷۔ نجات پانے والا گروہ اہلسنّت والجماعت کا ہے۔ اور اہلسنّت ایک ہی گروہ ہے اور وہ اہلحدیث ہیں۔ (غنیۃ الطالبین)

۱۸۔ احمد بن سریج کہتے تھے۔ کہ اہلحدیث کا مرتبہ فقہا سے زیادہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے اصولِ شریعت کو ملحوظ رکھا۔ (میزان شعرانی جلد ۱ صفحہ ۴۸)

۱۹۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی جو چھٹی صدی ہجری میں ہُوئے ہیں اپنی مشہور تصنیف کتاب الملل والنحل میں لکھتے ہیں کہ منجملہ تہتر فرقوں کے ایک فرقہ اہلسنّت والجماعت کا ہے اور وُہ اہلحدیث ہیں۔

۲۰۔ سرخیلِ تابعین امام شعبی جنہوں نے ۵۰۰ صحابہؓ کی زیارت کی اور تقریبًا ۴۸ صحابہؓ سے علم کا استفادہ کیا لکھتے ہیں کہ اگر مجھے نتیجہ معلوم ہوتا تو میں صرف وہی حدیثیں بیان کرتا جن پر اہلحدیث یعنی صحابہ کا اجماع تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۷۲)

امام شعبی یہاں صحابہ کرامؓ کو اہلحدیث کے لقب سے پُکارتے ہیں۔ عبدالکریم شہرستانی اہلحدیث کو ناجی گروہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اُنھیں اہلسنت والجماعت کہتے ہیں اور آج کا کچھ رد ٹی پڑھا ہوا مُلّا انھیں وہابی اور نجدی کہہ رہا ہے۔

۲۱۔ حضرت سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا کہ آپ اہلحدیث کیسے ہُوئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے امام اُبو حنیفہؒ نے اہلحدیث کیا ہے۔ (حدائق الحنفیہ صفحہ ۱۳۶)

کیا اس سے یہ مراد لی جائے کہ امام ابو حنیفہؒ خود اہلحدیث تھے تو سفیان ان کی وجہ سے اہلحدیث ہوئے۔ یا امام ابو حنیفہؒ کے قیاس و رائے سے متنفر ہو کر حضرت سفیان اہلحدیث ہوئے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس وقت اہلحدیث موجود تھے اور انتقال فی المذاہب اس وقت کے علمائے کے نزدیک جائز تھا۔

۲۲۔ شرف اصحاب الحدیث صفحہ ۷۴ پر امام شافعی کا قول مرقوم ہے کہ میں جب کسی اہلحدیث کو دیکھتا ہوں تو مجھے اتنی خوشی ہوتی ہے گویا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔

۲۳۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اہلحدیث سے بہتر کوئی جماعت نہیں۔ (شرف الحدیث صفحہ ۸)

۲۴۔ امام اسحٰق کہتے ہیں کہ اہلحدیث جیسی معزز اور کوئی جماعت نہیں۔ (شرف الحدیث صفحہ ۲۲)

۲۵۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ابدال و اولیا اہلحدیث ہی ہوتے ہیں (شرف صفحہ ۵۰)

۲۶۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ پل صراط پر قائم رہنے والی جماعت اہلحدیث ہی ہے (شرف الحدیث صفحہ ۶)

۲۷۔ امام ابن حبان کہتے ہیں۔ قیامت کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب اہلحدیث ہی ہوں گے۔ (جواہر البخاری صفحہ ۴۲)

۲۸۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ لوگو تم پر اہلحدیث کا طریقہ لازم ہے کیونکہ یہی لوگ صراط مستقیم پر ہیں۔ (الآداب الشرعیہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۸)

۲۹۔ امام سیوطی اور امام ابن کثیر کہتے ہیں کہ اہلحدیث کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے امام ہوں گے۔ (ماخوذ از تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۴)

۳۰۔ روم۔ جزیرہ نمائے سینا۔ شام۔ ایران۔ آذربائیجان۔ افریقہ۔ اندلس۔ یمن، اور بحر اوقیانوس تک اور دیگر ممالک میں تمام لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد مذہباً اہلحدیث ہی تھے۔ (اصول الدین صفحہ ۳۱۷، عبدالقادر بن طاہر بغدادی)

۳۱۔ افریقہ میں اتباع سنت اور حدیث کا ولولہ غالب تھا۔ (مقریزی کتاب الخطط صفحہ ۳۳۳ / ج ۲)

۳۲۔ چوتھی صدی ہجری میں حاکم افریقہ قاضی اسد نے حنفی مذہب مسلط کیا۔ ۴۱۳ھ میں معز

بن بادیس نے مالکی مذہب پھیلایا اور لوگوں کو قبول کرنے پر مجبور کیا۔ (ابن خلکان)

۳۳۔ ابریز تصوف میں حنفیوں کی ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ پہلی بار اس کا ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے کیا اور دوسری بار ڈاکٹر پیر محمد حسن نے کیا۔ اس میں شاہ عبدالعزیز دباغؒ کے ملفوظات ہیں۔ دباغؒ فرماتے ہیں کہ صاحب فتح ولی حق کو پہچانتا ہے اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کا مقید نہیں ہوتا۔ اور اس کے لیے کسی ایک کا پابند رہنا ضروری نہیں (ترجمہ ابریز ص ۴۴۷۔ ۴۴۸) مطلب واضح ہے کہ اولیاء اللہ غیر مقلد ہوتے ہیں۔

۳۴۔ سب آئمہ تابعین اہلحدیث تھے۔ (امام ذہبی تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۹۷)

۳۵۔ امام محمدؒ کے نزدیک امام زہری کے زمانہ میں اہلحدیث کثرت سے موجود تھے۔ (امام محمد موطا)

۳۶۔ امام شعبہؒ پکے اہلحدیث تھے۔ (شرف اہلحدیث)

۳۷۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے شاگرد اور یار دوست سب اہلحدیث تھے۔ (کتاب الملل والنحل جلد ۱۔ صفحہ ۹۵)

۳۸۔ ابدال و اولیا سب اہلحدیث ہوتے ہیں یہ اللہ کے دین کے نگہبان ہیں۔ (کتاب الشرف صفحہ ۵۲)

۳۹۔ حضرت ولید اپنی موت کے وقت اولاد کو وصیت کرتے ہیں۔ تم اہلحدیث کے مذہب پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ کیونکہ میں نے بہت چھان بین کے بعد ان ہی کو حق پہ پایا ہے۔ (کتاب الشرف صفحہ ۵۸)

۴۰۔ آج سے چار سو سال پہلے حضرت سلطان باہوؒ اپنی مشہور تصنیف محک الفقر میں لکھ چکے ہیں کہ جن کے دل میں ذکر اللہ اور زبان پر مطلق قال اللہ وقال الرسول ہوتا ہے یہ لوگ اہلحدیث ہوتے ہیں۔

۴۱۔ حضرت علی ہجویریؒ کی کتاب کشف المحجوب میں بھی اہلحدیث کا ذکر ہے۔

۴۲۔ ترمذی شریف کا کوئی صفحہ خالی نہیں جہاں اہلحدیث کا ذکر نہ ہو۔

۴۳۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ہمیشہ حق پر رہنے والی اور مظفر و منصور جماعت اہلحدیث ہی ہے

۴۴۔ امام ابنِ تیمیہ منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ پر لکھتے ہیں اہلحدیث مسلمانوں میں ایسے ہیں جیسے مسلمان دُوسرے دینوں کے مقابلہ میں۔

۴۵۔ سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین ایک مُسلّمہ بزرگ ہُوئے ہیں۔ عوام میں مشہور ہے کہ وُہ حنفی تھے مگر تحقیق سے ثابت ہے کہ کوئی مقلد ولی ہو ہی نہیں سکتا سلطان الاولیاء کے اہلحدیث ہونے پر واقعہ ذیل دلالت کرتا ہے:

"قاضی رکن الدین حنفی کا کسی مسئلہ میں حضرت سلطان الاولیاء سے اختلاف ہو گیا۔ آپ نے ایک حدیث پیش کی۔ تو قاضی صاحب کہنے لگے" ترا با حدیث چہ کار قولے از ابوحنیفہؒ بیار" آپ نے فرمایا سبحان اللہ! میں صحیح حدیث مُصطفوی پیش کرتا ہُوں اور تم مجھ سے ابوحنیفہؒ کا قول طلب کرتے ہو" (تاریخ فرشتہ جلد ۲)

چنانچہ آپ نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر احناف کی اس جسارت پر اپنی کتاب نزہۃ الخواطر میں لکھا کہ مجھے اِن فقہ والوں کی جُرأت اور جسارت پر بڑا تعجب ہُوا کہ انہوں نے کس انداز سے احادیث کو ٹھکرا دیا ہے۔ اور کہنے لگے کہ فقہ کی روایات حدیث پر مقدم ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ص ۱۲۵، ۱۲۶)

سلطان الاولیاء کے اہلحدیث ہونے پر دُوسرا یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ آپ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جس نے فاتحہ نہ پڑھی اُس کی نماز نہیں (نزہۃ الخواطر)

کُتُبِ فقہ میں اہلحدیث کا ذکر

۱۔ اختلافی مسائل کے ذکر میں یہ فقرہ لکھا ہُوا ہے" یہ بعض اہلحدیث کا مذہب ہے"

(نور الانوار صفحہ ۵)

۲۔ توضیح کے صفحہ ۳۵۴ پر یہ فقرہ ہے" اس پر اہلحدیث کا عمل ہے"

۳۔ قنوتِ نازلہ کے سلسلہ میں فتح القدیر صفحہ ۱۸۹ پر درج ہے" یہ جماعت اہلحدیث کا قول ہے"

۴۔ فتح القدیر صفحہ ۲۱۱ پر فسادِ صوم بالحجامت کے ذکر میں ہے" یہ حنابلہ اور بعض اہلحدیث کا قول ہے"

۵۔ بحر الرائق اور شامی میں قنوتِ نازلہ کے بیان میں ہے" یہ بات جمہور اہلحدیث کے ہاں جائز ہے" (رد المختار جلد ۱ صفحہ ۴۹۶)

۶۔ شرح مؤطا یعنی زرقانی میں ہے" اوزاعی، شافعی، احمد، اسحٰق اور طبری اور اہلحدیث رفع یدین کے قائل ہیں۔

۷۔ نخبۃ الفکر کے حاشیہ پر ہے" اہلحدیث نے اسی کو اختیار کیا ہے"

اِن حوالجات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہلحدیث کا مسلکِ فکر بالکل الگ ہے اور ان حوالجات سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ اہلحدیث کا کوئی نیا فرقہ نہیں۔ بلکہ یہی لوگ اصل میں دینِ متین کے حامل ہیں۔

لیکن ہندوستان میں انگریزی حکومت نے ان کو اس حد تک پس منظر میں دھکیل دیا کہ آج ان کو ایک نیا فرقہ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ مگر بعض انصاف پسند لوگ انہیں نیا فرقہ کہنے کے ساتھ ساتھ حقیقت کی وضاحت سے رُک نہیں سکے۔ مشہور شیعہ عالم اور مصنف سیّد احمد شاہ اپنی ایک مشہور تصنیف میں لکھتے ہیں کہ ۱۸۶۴ء سے یہاں ہندوستان میں ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آ رہے ہیں جس سے یہاں کے لوگ بالکل آشنا نہیں (انگریز نے اہلحدیث کو وہابی بنا کر اُنہیں بالکل عوام کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا) قدیم زمانہ میں بھی اس خیال کے لوگ یہاں ہوں تو ہوں مگر کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بلکہ ان کا نام تھوڑے دنوں سے سننے میں آیا ہے۔

اپنے آپ کو وہ محمدی، اہلحدیث یا موحد کہتے ہیں۔ مگر فریقِ مخالف ان کو غیر مقلد، وہابی اور لامذہب کہتے ہیں۔ گو وہ اپنے آپ کو اس قسم کے ناموں سے نامزد ہونا پسند نہیں کرتے۔ پھر بھی ہمارے ناسمجھ حنفی بھائی محض ان کی دل آزاری کی غرض سے ان ہی ناموں سے نامزد کرتے ہیں۔ مجھ کو افسوس ہے بلکہ سخت افسوس ہے کہ اس فرقہ کے معاملہ میں بھی اکثر لوگوں نے انصاف اور دیانت سے کام نہیں لیا۔ لیکن محض تعصب اور نفسانیت

کی وجہ سے ان غلط بیانیوں اور زیادتیوں پر جو محض مخالفین نے ازراہِ افترا پردازی ان پر جوڑ دیں، اعتماد کر بیٹھے۔ بلکہ ہمارے بعض مفسدین بھائیوں نے تو ان کی تحقیر و تذلیل کے لیے کئی ایک من گھڑت اتہامات بیجا اور علی الخصوص ایسے بیہودہ اور جھوٹے الزامات گھڑے جنہوں نے اس فرقہ کو عوام کی نظروں میں ملعون بنا رکھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میرے نزدیک وہ بیچارے ان الزامات سے بَری ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ انبیاء و اولیاء کی توہین کرتے ہیں، بزرگوں کے منکر ہیں، اماموں سے پھرے ہوئے ہیں، اولیاء اللہ کی کرامات کے قائل نہیں، سؤر کی چربی کو حلال جانتے ہیں، خداوند تعالیٰ کے جھوٹ بول سکنے کے قائل ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے منکر ہیں اور آنحضورؐ کا بڑے بھائی جتنا ادب کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی اس قسم کے الزامات جن کا ثبوت ان بیچاروں کی نسبت آج تک نہ کسی نے دیا۔ اور نہ دے سکتا ہے حتی الوسع ان کے سر تھوپنے میں کسر نہ رکھی اور یہ جھوٹے الزام کچھ ایسے زبان زد ہوئے کہ عوام تو عوام خواص بھی یہ افترا سن کر اہلحدیث کی نسبت بدظن ہونے لگے۔ لوگوں کے دلوں میں اس فرقہ کا ایسا نقشہ جم گیا کہ جس وقت لفظ وہابی یا غیر مقلد سنتے ہیں ان کے ذہن میں ان کی نسبت نہایت ناگفتہ بہ خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم کو خوب یاد ہے کہ جب تک ہم اس مذہب کی حقیقت سے واقف نہ تھے ہم بھی ایسا ہی سمجھتے تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے۔ مگر جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ہمارا خیال محض غلط تھا۔ اور وہ ایسے ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے مخالفین نے (اور یہ مخالفت انگریز نے پیدا کرائی) ازراہِ نفسانیت لوگوں کو ان کی طرف سے نفرت دلانے اور عوام کالانعام کو بھڑکانے کی غرض سے یہ بدشیوہ اختیار کیا ہے۔ میں ناچیز تو کیا کوئی بھی انصاف پسند حنفی (معلوم نہیں وہ انصاف پسند حنفی کب پیدا ہوگا؟) اس قبیح حرکت کو پسند نہیں کرے گا۔

پیارے بھائیو! میرا ہرگز یہ منشا نہیں کہ میں اہلحدیث کا طرفدار ہوں۔ ہاں! یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں ان کا دامن ہر قسم کی آلائش سے پاک پاتا ہوں۔ اس لیے میری انصاف پسندی مجبور کرتی ہے کہ میں حق گوئی سے نہ چوکوں۔ بلکہ صاف گوئی سے کام لوں۔ بھائیو! کیا خوب ہوتا کہ ہم جملہ اہلِ اسلام اپنی متفقہ کوششوں سے اسلام کی حمایت

پر کمربستہ رہتے۔ کاش! ہم اس باہمی نزاع اور اپنے ان اسلامی بھائیوں کی عیب گیری اور نکتہ چینی کے خود اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھتے اور غور کرتے۔ تو ہرگز ایسی نازیبا حرکت ہم سے سرزد نہ ہوتی۔ ہم کبھی بھی اس ادنیٰ سی مخالفت کو اپنی جہالت کا ذریعہ نہ بناتے۔ بلاشک ہماری کتب فقہ میں بھی اس قسم کے مسائل کہ جن میں فریقِ اہلحدیث ہم سے مخالف ہے سینکڑوں ہیں...... مگر فریقِ اہلحدیث نے قرآن و حدیث کے لینے میں ہم سے کس قدر سبقت کی ہے۔ اور ان مسائلِ فقہ سے انکار کرتے ہیں...... ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم انصاف کا ناحق خون کر کے ان کو اہلسنت والجماعت سے خارج تصور کریں۔ اور ان کی دشنام دہی اور تحقیر و تذلیل پر آمادہ ہوں۔ (شواہد الصادقین مصنفہ حکیم سید احمد شاہ تلمیذ اعلیٰ حضرت سید نجم الحکماء لکھنوی)

(مطبوعہ لاہور پرنٹنگ پریس ص ۲۱ تا ۲۲)

وہابی کون ہیں؟

وہابی دنیا بھر میں کوئی فرقہ یا گروہ نہیں۔ یہ لفظ انگریزی ڈپلومیسی کی پیداوار ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۱۴ء کی پہلی عالمگیر جنگ میں ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دے کر انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو شریفِ مکہ نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ انگریزوں کی طرف سے اس وقت جزیرہ نما عرب میں لارنس نامی ایک مکار اور عیار انگریز عربوں کو بیوقوف بنانے اور جاسوسی کرنے کے لیے مقرر تھا۔ ترک تو مختلف محاذوں سے سمٹتے سمٹتے جزیرہ نما عرب سے نکل گئے اور میدان شریفِ مکہ کے لیے خالی ہو گیا۔ مگر انہیں ایام میں عرب میں آلِ سعود کی تیسری طاقت ابھر کر انگریزوں کے لیے دردِ سر بن گئی۔ شریفِ مکہ باوجود انگریزوں کی مدد کے آلِ سعود کے سامنے نہ ٹک سکا۔ آلِ سعود مسلکاً امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے چونکہ امام احمد بن حنبل کے مذہب کی بنیاد قرآن و حدیث ہی پر مبنی تھی اور عرب میں بدعات و دیگر مشرکانہ خرافات پورے زور سے پھیلی ہوئی تھیں یہاں تک کہ یمامہ میں زید بن عمرؓ کی قبر کے سامنے باقاعدہ سجدے ہوتے تھے اور حاجتیں طلب کی جاتی تھیں۔

جنوں سے استعانت اور استعاذہ طلب کیا جاتا تھا۔ جنوں اور بتوں کے نام چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ مریضوں کے لیے شفا طلب کی جاتی تھی۔ اسی سرزمین میں فحال نامی ایک کھجور کے درخت سے نوجوان کنواری لڑکیاں لپٹ کر شادی کی دعائیں کیا کرتی تھیں۔ درعیہ کی نچلی جانب ایک غار کے باہر کھانے پکا کر رکھے جاتے تھے اور مشہور تھا کہ بعض فاسق و فاجر افراد کی دست درازی سے بھاگ کر بنت الامیر نامی ایک عورت اس غار میں پناہ گزین ہوئی تھی وہ زندہ ہے۔ اور اگر یہاں کھانے نہ رکھے گئے تو وہ بھوکی رہے گی اور ہمیں بددعا دے گی۔

انہیں ایام میں تاج نامی ایک اندھے نے اپنے ولی اللہ ہونے کا اعلان کر کے لوگوں کو اپنے دام تزویر میں جکڑ رکھا تھا۔ علاقہ کے تمام حکام اور عوام اس سے بری طرح خائف رہتے تھے۔ وہ نہایت قبیح حرکات کا ارتکاب کرتا مگر پھر بھی لوگ اسے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے۔ ان باتوں نے لوگوں کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا کر گمراہ کر دیا تھا۔ آلِ سعود نے حکماً ان خرافات کا انسداد کیا۔[۱]

انگریز تو ایسے مواقع کی تلاش میں تھے۔ عوام کالانعام کو آلِ سعود سے متنفر کرنے کا ایک کارگر حربہ ان کے ہاتھ آ گیا۔ اور محمد بن عبدالوہاب کی وجہ سے انہیں وہابی کہہ کر لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انہیں ایام میں ہندوستان میں جماعت اہلحدیث نے سید صاحب کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو انگریزوں کو یہاں بھی وہی ہتھیار آزمانے کا موقع مل گیا۔ حالانکہ جزیرہ نمائے عرب میں شرک و بدعات کی خرافات کے خلاف آواز اٹھانے والے حنبلی تھے اور ہندوستان میں غیر مقلدین اور اہلحدیث تھے۔ انگریز کی ڈپلومیسی نے یہاں بھی سرودں کی تعداد میں اپنے زرخرید لوگوں سے وہابی وہابی کا اس زور و شور سے نعرہ بلند کرایا کہ وہابی کا لفظ ایک گالی بن کر رہ گیا۔ اور انگریز نے یہ لفظ عوام کو جماعت اہلحدیث سے متنفر کرنے کے

باقی صفحہ ۱۴۹ پر۔

---

[۱] : ملخص از دمرا جہاد تالیف پروفیسر محمد شریف۔

بے گھڑا تھا۔ چونکہ انگریز کو ان سے سخت خوف تھا۔ اور وہی لفظ ایک شرابی، زانی، جواری، چور اور بدمعاش کے مقابلہ میں آج تک تحقیر و تذلیل کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

خدا کے بندو! اپنے ایمان، وجدان، ایقان کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاضر و ناظر جانتے اور مانتے ہوئے بتاؤ کیا آج تک تم وہابی وہابی کی رٹ لگا رہے ہو یہ درست ہے؟

اور اگر درست ہے تو خدارا ذرا سنجیدگی سے اپنے استدلالات کو بروئے کار لاتے ہوئے وضاحت سے ہمیں باخبر کرو۔

آج سعودی عرب کے حنبلی اصطلاحِ عوام میں وہابی مشہور ہیں، مگر جو لوگ پاک و ہند میں اہلحدیث کہلاتے ہیں انھیں مشرقِ وسطیٰ کے تمام ممالک میں سلفی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو مولانا مسعود عالم ندوی کا سفرنامہ "دیارِ عرب میں چند روز" اس تحقیق کے مزید انکشاف کے لیے مولانا محمد عاصم کا سفرنامہ "ارض القرآن" کا صفحہ نمبر ۱۴۱ بھی دیکھیں۔ مولانا لکھتے ہیں کہ: "عصر اور مغرب کے درمیان ہم شیخ عبدالرزاق علیفی کے ہاں گئے۔ وہاں ان کے بہت سے سلفی (اہلحدیث) احباب موجود تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ ہم اس سفر میں مصر جانے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں تو انھوں نے ہمیں قاہرہ اور اسکندریہ کے بہت سے سلفی حضرات کے پتے دیے۔" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہلحدیث دنیا کے ہر ملک میں اپنا الگ مسلک رکھتے ہیں۔ پھر ان لوگوں کو حنبلیوں "وہابیوں" میں شمار کرنا کتنی بڑی بددیانتی، بے حیائی، شوخ چشمی اور دیدہ دلیری سے حقائق کے چہرہ پر پردہ ڈالنا ہے۔ میں یہاں یہ بھی واضح کر دوں کہ سعودی مملکت میں حنبلی لوگ لونڈیوں سے بلا نکاح تمتع کو جائز قرار دیتے ہیں۔

آخر مجبور ہو کر چند اللہ کے نیک بندوں نے اس "وہابیت" کی گالی کی طرف حکومت ہند کو متوجہ کرتے ہوئے استدعا کی کہ اس وہابیت کی تحقیقات کی جائے۔ اور جو کچھ ثابت ہو اس کا اعلان کیا جائے۔ چنانچہ حکومتِ ہند نے چھان بین کے بعد

ایک آرڈی نینس جاری کیا جس کی ایک نقل زیر دفعہ نمبر ۵۰۸ مورخہ ۲۳ر دسمبر ۱۸۸۹ء گورنمنٹ پنجاب کو بھیجی اور لکھا کہ کسی کو وہابی پکارنا قانوناً جرم ہے۔ پھر اسی قسم کی صدائے بازگشت ۱۲ر جولائی ۱۹۰۹ء کو کلکتہ ہائی کورٹ میں سُنی گئی۔ اور ہائی کورٹ نے زیر دفعہ نمبر ۵۰۰ فیصلہ دیا کہ کسی کو وہابی پکارنا قانوناً جُرم ہے۔

الغرض جس انگریز نے لفظ وہابی کی اپنے زعم میں گویا ایک گالی ایجاد کی تھی اُسی کی حکومت نے اور اُسی کی عدالتِ عالیہ نے یہ تسلیم کیا کہ یہ لفظ تحقیر اور تذلیل کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ لہذا اسے ختم کر دیا جائے اور وہابی کے قائل کو مجرم گردانا۔

نجدی کون ہیں؟

بخاری، مسلم اور ترمذی میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ دُعا کی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، فرمایا:

اللّٰھُمّ بارک لنا فی شامنا، اللّٰھُمّ بارک لنا فی یمننا، قالوا یارسول اللہ و فی نجدنا۔ قال اللّٰھُمّ بارک لنا فی شامنا، اللّٰھُمّ بارک لنا فی یمننا، قالوا یارسول اللہ فی نجدنا۔ فاظنہ قال فی الثالثۃ ھناک الزلازل و الفتن و بھا یطلع قرن الشیطان او قرن الشمس (او کما قال)

کنز العمال اور مجمع الزوائد وغیرہ میں و فی نجدنا کی بجائے و فی عراقنا کا لفظ ہے یعنی آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور دُعا کر رہے ہے کہ اے اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت عطا کر۔ کسی نے کہا کہ ہمارے (نجد، عراق) کے لیے بھی دُعا کیجیے۔ تو آپ نے مشرق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ فتنوں کے نکلنے کی جگہ اسی مشرق کی طرف ہے۔ جس طرف سے سُورج نکلتا ہے۔

آئیے! ہم ذرا چند منٹ کے لیے علمی موشگافیوں کی ذہنی ورزشوں سے ہٹ کر دیکھیں کہ اس حدیث میں شام، یمن اور نجد یا عراق کے لفظ آئے ہیں۔ نجد یا عراق نے

چونکہ شبہ پیدا کر دیا ہے لہذا پہلے اس کی تحقیق ضروری ہے۔ اس کے لیے فتح الباری ۲۹ ۱۳ کے یہ کلمات ہماری رہنمائی کرتے ہیں: "نجدٌ من جهة المشرق ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها وهي مشرق اهل المدينة" یعنی مدینہ کے مشرق کی طرف جو نجد ہے وہ نجد عراق ہے اور وہی مدینہ کا مشرق ہے۔

کنز العمال، مجمع الزوائد اور فتح الباری کے مندرجات سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عراق کو فتنوں کے پیدا ہونے کی جگہ فرمایا۔ اور پھر یہاں اس امر کو بھی ذہن نشین رکھیے کہ جس وقت یہ دعا کی گئی اس وقت عراق میں پارسی حکومت تھی۔ آگے چل کر جب قادسیہ کے معرکہ میں پارسی حکومت کو شکست ہوئی تو اسی خطہ میں کوفہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی خطہ سے خوارج کے فتنہ کا ظہور ہوا۔ اسی خطہ میں جمل اور صفین کے واقعات پیش آئے۔ اسی خطہ میں تاریخ اسلام کا نہایت ہی اندوہناک واقعہ کربلا پیش آیا۔ اسی خطہ سے مسئلہ خلق قرآن نے سر نکالا۔ اسی خطہ میں قرآن و حدیث کے علی الرغم قیاس و رائے کے مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ معتزلہ، اشعریہ، جہمیہ، رافضیہ، قدریہ تمام اسی خطے میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔ غرضیکہ حضرت علیؓ کی شہادت بھی اسی کان نجدہ بادية العراق میں ہوئی۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی خطہ سے شیعیت کا ظہور ہوا۔ اور اسی خطہ میں شیعیت کے پیٹ کا منتج ملا۔ اللہ تعالیٰ کو بداء ہوتا ہے یعنی وہ جھوٹ بولتا ہے، چند غیر معروف قسم کے لوگوں کو اسی خطہ سے رب اللوح والقلم، رب السموات والارض کے خطابات سے نوازا گیا۔ تقیہ، متعہ اور خلافت بلافصل کے جراثیم اسی خطہ کی پیداوار ہیں، ماتم، تعزیہ اور صحابہ کرام پر سب و شتم کی وبا اسی خطہ کی سیئات ہیں۔

فتنہ خوارج کے متعلق حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت سے کچھ لوگ نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے، نماز پڑھیں گے، روزے رکھیں گے اور تمہارے نماز روزے ان کے سامنے کچھ وقعت نہیں رکھیں گے۔ لیکن یہ قرآن پڑھنا ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا بلکہ نقصان دے گا۔ ان کی نمازیں ان کے گلے سے نیچے نہیں [illegible]

ہوں گی۔ وُہ اسلام سے نکل جائیں گے جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے۔ (مسلم ج۲ ص۱۱۵)
نیز فرمایا "وُہ دین سے نکل جانے والے مشرق کی طرف (یعنی عراق کی طرف سے) نکلیں گے" (بخاری صفحہ ۳۰، ۲۴۷)

حضرت کعبؓ بن احبار نے حضرت عمرؓ کو عراق جانے سے روکتے ہوئے کہا تھا کہ وہاں مت جائیے چونکہ وہاں دس حصّوں میں سے نو حصّے شر ہے۔ (کنز العمال)
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے حالتِ احرام میں مکھی یا مچھر مارنے کے متعلق پوچھا آپؓ نے دریافت کیا کہ تُو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا عراق کا۔ آپ نے فرمایا عراق والے مکھی مارنے کے متعلق تو مسئلہ پوچھتے ہیں مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو بے دریغ ذبح کر دیا۔ (بخاری صفحہ ۴، ۱۱۸۰)
عراق میں ہی وُہ گروہ پیدا ہوا جو کہتا تھا "علیؓ خدا ہے جو انسان کی شکل میں آیا ہے"
(غنیہ)

بعض کہتے تھے کہ امام سب ماضی و مستقبل کی خبریں جانتے ہیں (غنیۃ الطالبین ص۱۹۹)
بعض کا عقیدہ تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے تمام کام اپنے نبیؐ کو سونپ دیئے ہیں (غنیہ ص۲۰۲)
اسی عراق کے متعلق نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "میری اُمت کے تہتر فرقوں میں سے زیادہ فتنے پیدا کرنے والے اور خطرناک وُہ لوگ ہوں گے جو اپنی رائے اور قیاس سے دین میں دخل دیں گے" (غنیۃ الطالبین ص۱۹۰) فافهم فتدبر
رائے اور قیاس سے دین میں دخل دینے والے کون ہیں؟ کوئی بتلائے ــــ کہ ہم بتلائیں کیا؟ کیا رہبانیت کی بنیاد بھی اسی نجد یعنی عراق کے شہر کوفہ ہی میں نہیں رکھی گئی؟
عمرو بن سلم راوی ہیں کہ حضرت ابُو موسیٰؓ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور کہا کہ میں نے ایک مسجد میں دیکھا ہے کہ چند لوگ حلقہ بنائے بیٹھے ہُوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں کنکر ہیں۔ وُہ آگے آگے سُبحان اللہ، اللہ اکبر اور لا اِلٰہ الا اللہ پڑھتا ہے اور باقی اس کے پیچھے لگتے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ یہ سُن کر غصہ میں آگئے اور فرمایا کہ تم اتنی جلدی ہلاکت اور گمراہی کی طرف آگئے ہو۔ اور بدعت

دیگر ا ہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ پھر انھیں بخاری کی حدیث یخرج الناس من قبل المشرق پڑھ کر سنائی اور مسجد سے نکال دیا۔ (دارمی۔ ابو نعیم فی البحر)
بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے حدیث ذیل پڑھی اور انھیں مسجد سے نکال دیا:

سیکون فی آخر الزمان قوم یجلسون فی المساجد حلقًا حلقًا امامھم الدنیا فلا تجالسوا ھم فانہ لیس للہ فیھم حاجۃ۔ (مجمع الزوائد ص۲۴/۲)

"آخر زمانہ میں کچھ لوگ مسجدوں میں حلقے بنا کر بیٹھیں گے...... تم ان کے ساتھ مت بیٹھنا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کوئی حصہ نہیں۔" مگر یہاں—!

سہ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے "احناف" کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اگر اب بھی حدیث "قرن الشیطان" کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تو مجدد البدعات[1] کے گروہ کے مفتی اعظم احمد یار گجراتی کی تحقیق انیق سے اپنے روح و وجدان کو محظوظ کیجیے۔ موصوف نے اپنی مشہور تصنیف "جاء الحق و زھق الباطل" میں بڑے وثوق اور یقین سے کئی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ قرن کے معنی سینگ یعنی بند اور شیطان کے معنی دیو ہیں اس لیے قرن الشیطان سے مراد دیو بند ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے مصداق دیوبندی ہیں۔ خیر یہ احناف کا گھریلو معاملہ ہے اور ہم اس میں مداخلت کرنے والے کون ہیں؟ شاید اب تو احناف کو نجدِ عراق کے متعلق دعا نہ فرمانے کا مطلب سمجھ میں آ گیا ہو گا۔

مندرجہ بالا تصریحات کے باوجود اگر ضدی آذہان کا رُوئے سخن اس نجدیت کے متعلق جماعت اہلحدیث ہی کی طرف ہو تو ہم علی رؤس الاشہاد یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گا

[1]: یہ لقب مولانا محمد منظور نعمانی حنفی کا عطا کردہ ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ اعلان النفیر فی آذان البقر کے ٹائٹل کا صفحہ۔

کہ آج جن لوگوں کو آپ گالی کے طور پر نجدی کہنا چاہتے ہیں وہ لوگ امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں۔ گذشتہ صدی کے بدنام مصلح یعنی محمد بن عبدالوہاب نجدی تھے اور ان کے عقائد وہی تھے جو امام ابن تیمیہؒ کے تھے۔ اور ابن تیمیہ کے وہی عقائد تھے جو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے تھے۔ اور حضرت جیلانیؒ کے وہی عقائد تھے جو امام احمد بن حنبلؒ کے تھے۔ حضرت جیلانیؒ یا ابن تیمیہؒ یا محمد بن عبدالوہاب سب کے سب مقلد تھے۔ مگر اہلحدیث کسی امامؒ کے مقلد ہی نہیں تو محمد بن عبدالوہاب سے ان کا تعلق پیدا کر کے انھیں نجدی کہنا کتنی بڑی اخلاقی اور دینی بددیانتی ہے۔

حنبلی بھی مقلد ہیں اور حنفی بھی مقلد! تو یہ مقلدین کا گھریلو معاملہ ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو جو چاہیں کہیں۔ مگر اہلحدیث کو خواہ مخواہ درمیان میں گھسیٹنا کونسی دیانتداری ہے۔ ہاں! اہلحدیث حنبلیوں کو اس وجہ سے باقی مقلدین کی نسبت ترجیح دیتے ہیں کہ ان لوگوں کے فقہی مسائل کا منبع قرآن و حدیث ہے۔

غیر مقلد کون ہیں؟

یہ لوگ نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مقلد ہیں۔ نہ کھل کر اہلحدیث کہلاتے ہیں اور نہ ہی تقلید کے منکر ہیں۔ یہ لوگ خذ ما صفا کے قائل ہیں۔ وسیع الظرف، تنگ نظری سے متنفر اور اختلافی مسائل کے جھگڑوں سے محترز رہتے ہیں۔

ضرورت کے مطابق جس کا قول انھیں کتاب و سنت سے قریب تر نظر آتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ کسی کے مقلد نہ ہوتے ہوئے بھی جب علاقہ میں جس امام کے مقلدین کی اکثریت ہو نمازیں انھیں لوگوں کی طرح پڑھتے ہیں۔

اپنی وسعت نظر کی بنا پر یہ لوگ ہر دور میں اہم شخصیتوں کی صورت میں اسلام اور مسلمانوں کی دینی، اصلاحی اور اخلاقی خدمتوں میں اپنی زندگیاں وقف کیے رہے ہیں۔ ماضی قریب میں سید جمال الدینؒ افغانی، محمد عبدہٗ مصری، علامہ امیر شکیبؒ ارسلان، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ ولی اللہؒ، اور ان کے اخلاف، حسن البناؒ اور ان کے شاگرد اور

دورِ حاضرہ میں پاکستان میں جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت ایسے ہی عقائد کی حامل ہیں۔ ۞
اگر مجھے اجازت دی جائے تو میں یہ کہنے میں ذرہ بھر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گا کہ ایسے
عقائد کے حامل لوگوں کا وجود ہر دور میں مسلمانوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ رہا ہے

جماعت اسلامی کے امیر کی اسلامی خدمات ایک طرف مسلمات کا درجہ رکھتی ہیں مگر
دوسری طرف موصوف نے خلافت و ملوکیت جیسی رسوائے زمانہ کتاب لکھ کر مسلمانوں کے علمی
طبقہ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کہیں یہ شخص ملا حسین واعظ کاشفی اور نامی نورالعتد
شوستری کی قسم کا مسلمان تو نہیں۔ خلافت و ملوکیت میں سادات بنو امیہ کے خلاف
خصوصاً سیدنا ذوالنورینؓ اور امیر معاویہؓ اور ان کے بیٹے امیر یزیدؒ کے خلاف طبری جیسے رافضی
اور الامامت والسیاست جیسی مجہول کتاب جو کسی رافضی نے لکھ کر ابن قتیبہ کے نام منسوب کی ہے
جیسی بیہودہ کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔

تبلیغی جماعت کی بنیاد برصغیر میں مولانا محمد الیاس اختر کاندھلوی نے رکھی۔ اس
جماعت کے لوگ سال میں چند ہفتے یا چند دن اپنے اپنے خرچ پر اپنی استعداد کے
مطابق ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچتے ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی آدمی اہلسنت والجماعت
کے کسی فرد سے کیوں نہ تعلق رکھتا، مسلمان ہے۔ ان کا کام گھر گھر پہنچ کر نماز، روزہ،
حج، زکوٰۃ، سخاوت اور حقوق العباد کی تبلیغ کرنا ہے۔
یہ لوگ اخلاق اور اخلاص کا مجسمہ بن کر نہایت انکساری اور خلق سے دینی تبلیغ
میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ دیوبندی ہے وہ بریلوی ہے یہ اہلحدیث ہے وہ مالکی،
شافعی، حنفی یا حنبلی ہے انھیں اس بات سے غرض نہیں۔ مگر یارانِ سرِ پل نے ان پر
بھی وہابیت کی چھاپ لگانے سے گریز نہیں کیا۔ علامہ عنایت اللہ المشرقی بھی غیر مقلد تھے۔ ۞

تفہیمہ

اورنگ زیب عالمگیر اسلامی حکومت کا برِ صغیر میں آخری صاحبِ اقتدار شہنشاہ ہوا ہے۔ قطب الدین ایبک سے لے کر عالمگیر کے آخری زمانہ تک دینی طور پر جو کچھ ہوا ہے وہ فتاویٰ عالمگیری کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کی ترتیب پر دو لاکھ روپے خرچ کیے گئے۔ وقت کے تمام مختلف علماء نے اس کی تدوین و ترتیب میں حصہ لیا۔ جنھوں نے آٹھ سال کی محنتِ شاقہ کے بعد ۱۰۷۷ھ اور ۱۰۸۵ھ کے درمیان اسے مرتب کیا۔ اس کے مؤلفین میں شیخ نظام برہانپوری، میر سید محمد قنوجی متوفی ۱۰۹۷ھ، ملا محمد جمیل جونپوری متوفی ۱۰۵۵ھ، قاضی محمد حسین جونپوری، شیخ وجیہ الدین گوپامئوی کے علاوہ چند اور سربرآوردہ عالموں کے نام ملتے ہیں۔ اس کتاب کی تالیف میں سو سے زائد کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل کا نام بار بار حوالوں کے طور پر آیا ہے:

البدائع، المغنی، الخلاصہ، الفوائد البہیہ، السراج الوہاج، البحر الرائق، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، الجامع الوجیز، النہر الفائق، التنبیہ، النہایہ، المصباح، الوافی، الکافی، الملتقط، الزاد، المفید والمزید، الاسرار فی الاصول والفروع، الصغریٰ، الکبریٰ، النقایہ، الحصیر، البرجندی، افراد العیون، المنتقیٰ، الواقعات، المجتبیٰ، التحریر شرح جامع الکبیر، البقالی، الفصول العمادیہ، الحاوی، الواقعات الحسامیہ، الاسعاف، المستصفیٰ، نوادر الزاہدی، فتح القدیر، فصول الاستروشنی، فوائد برہان الدین، فوائد نظام الدین، فتاویٰ قاضی خان، تاتارخانیہ، سراجیہ، برہانیہ، الحجۃ، غیاثیہ، الغرائب، عتابیہ، قراخانی، آہو (ضیریہ) التمرتاشی، الولوالجیہ، کرخی، فضلی، نسفی، الجندی، رشید الدین، فتاویٰ ابی الفتح، ظہیریہ، محیط برہانی، محیط سرخسی، محیط سرخسی اور ملخص محیط، مبسوط اور شرح مبسوط، مصفیٰ، تحفہ، تجنیس، تہذیب، تنویر شرح تلخیص جامع الصغیر، در مختار اور اس کی

شروح، عتابیہ، مختار النوازل، کتاب ذربن، شمنی اور اس کی شرح کتاب الاستحسان، شرح زیادات، شرح النقایہ، شرح المجمع، شرح مقدمہ ابی اللیث، شرح نقایہ برجندی، شرح ادب القاضی، ہدایہ اور اس کی شروح بینی عینی، کفایہ، عنایہ شاہان، غایۃ البیان، الغایۃ وغیرہ، طحاوی اور اس کی شرح از بدر الدین، منیۃ المصلی اور اس کی شروح مثل ذخیرۃ العقبیٰ، قنیۃ المنیہ، شرح منیہ للحلبی، شرح منیہ لابن امیر الحاج، شرح منیۃ الحاوی وغیرہ، قدوری اور اس کی شروح مثل مضمرات، جوہرہ نیرہ، البحر الزاخر، صغیری اور کبیری وغیرہ، وقایہ اور شرح وقایہ، خزانۃ الفقہ، خزانۃ المفتیین، خزانۃ الفتاویٰ، خانیہ، جامع الجوامع، جواہر الاخلاطی، نصاب، ینابیع اسفرائینی۔ نفقات، نوادر ابن سماعہ، کنز الدقائق اور اس کی تمام شروح۔

فتاویٰ عالمگیری کے ان مآخذات سے آپ کو متعارف کرانے کے بعد میں نہایت دردمندانہ طور پر آپ کے سامنے یہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنے خدا کو حاضر و ناظر جانتے اور مانتے ہوئے اپنے ایمان، وجدان اور ایقان کی روشنی میں دیکھیں کہ آیا ان غیر معروف جناتی ناموں کے درمیان کہیں کسی حدیث کی کتاب کا نام بھی نظر آیا ہے۔ اور کیا جن کتابوں کے نام آپ نے پڑھے ہیں ان میں سے سوائے چند ایک کے کوئی کتاب بھی کسی زمانہ میں ثبوت (AUTHORITY) کے طور پر تسلیم کی گئی ہے۔ ان میں بیس سے زائد فتاوے ہیں۔ جو سب کے سب تاریخی طور پر مجہول الاحوال افراد کی ذہنی ورزشوں کی پیداوار ہیں۔

ذرا خدا لگتی کہیے کہ کسی دور میں کسی غالی سے غالی حنفی نے ان کو مسلّمات کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ یا باقی کتابوں میں سے سوائے فقہ کے چار متنوں کے کسی اور کتاب کو کسی بھی حیثیت سے کسی بھی دور میں تسلیم کیا گیا ہے؟ کوئی دیوانہ ہی اثبات میں اس کا جواب دینے کی جرأت کرے تو کرے ورنہ یہ لاطائل ہفوات یہ مجموعہ اسفار لہو الحدیث کسی دور میں بھی قابلِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ پھر فتاویٰ عالمگیری کی شکل میں منقلب کر کے جس شخص نے اسے مسلمانوں کے لیے حرفِ آخر قرار دیا اُس نے اسلام کی کونسی خدمت انجام دی

یہاں پھر وُہی سوال اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ آیا اُس دَور کے عُلماء کو حدیث کی کوئی کتاب نہ مل سکی۔ اگر صُورت یہی تھی تو کیا اورنگ زیب پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا تھا کہ وُہ اتنے بڑے کام کی طرح ڈالنے کے لیے تو تیار ہو گیا۔ مگر یہ جاننے کے باوجُود کہ دینِ اسلام عبارت ہی قرآن و حدیث سے ہے کتبِ احادیث کی فراہمی کا انتظام نہ کر سکا۔ حالانکہ ایک شہنشاہِ وقت کے لیے یہ بہت آسان کام تھا۔ کاش کہ فتاوٰی عالمگیری کی تدوین میں اگر وُہ لوگ قرآن و حدیث کو بھی ماخذ بناتے تو یہ مجمُوعہ آج عالمِ اسلام کا ایک بے مثال سرمایہ ہوتا۔

اگر یہاں یہ عذر تراشا جائے کہ فتاوٰی عالمگیری کی تدوین کے وقت کتبِ احادیث میں سے کوئی کتاب بہم نہ پہنچ سکی تو میں علی رؤس الاشہاد یہ کہنے کے لیے تیار ہُوں کہ برِصغیر میں ہر دَور میں ایک ایسا طبقہ موجُود رہا جو صرف کتاب و سنّت سے تمسّک کرنے والا تھا۔ حدیث کی کتابوں کے متعلق معارف ۱۹۲۹ء میں نواب صدر یار جنگ نے صحیح مسلم کے ایک قلمی نسخہ سے متعارف کرایا تھا۔ اس مضمون کے شروع میں سیّد سلیمان ندویؒ نے ہندوستان میں اشاعتِ حدیث کی تاریخ متعیّن کی تھی۔ جس کا ماحصل یہ ہے:

۱۔ نویں صدی ہجری تک ہندوستان میں صرف "مشارق الانوار" کا نسخہ نظر آتا ہے۔

۲۔ عہدِ اکبری میں شمائلِ ترمذی کا نسخہ ہندوستان میں پہنچ چکا تھا۔ ملّا عبدالنبی اور ملّا یعقوب ۹۸۲ھ کو حجاز گئے اور حجاز سے حدیث پڑھ کر آئے اور یہ نسخہ ساتھ لائے۔

۳۔ شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ عرب سے مشکوٰۃ، مؤطّا امام مالک، صحیح بخاری، اور صحیح مسلم کے نسخے لائے۔

۴۔ سلاطینِ تیموریہ کے کتب خانوں میں حدیث کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ میں نے اس نظر سے خاص یورپ اور ہندوستان کی مطبوعہ فہرستیں دیکھی ہیں۔

مجھے سیّد صاحبؒ کی اس تحقیق سے ایک گونہ اختلاف ہے۔ آپ نے سلاطینِ تیموریہ کے کتب خانوں کی فہرستیں دیکھی ہیں۔ اور ان میں سیّد صاحبؒ کو حدیث کی کسی کتاب کا نام نہیں ملا۔ یہی تو میں کہتا ہوں کہ مغلوں کو اور مغلوں سے پہلے افغانوں کو حدیث

سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہندوستان کا پہلا بادشاہ خاندانِ ابُو حنیفہ کا پروردہ تھا۔ اس کے بعد کے تمام افغان بادشاہ بالواسطہ فقہ حنفی سے مستفید تھے۔ اور مُغلیہ خاندان کے بادشاہوں کا علمی سرمایہ بھی اپنے پیشرُووں کے ذخیرہ پر مشتمل تھا۔ اور ان کا قانونی پلندہ تورۂ چنگیزی تھا۔ پھر ان سے یہ اُمید کیسے رکھی جا سکتی تھی کہ اُنھیں حدیث سے بھی شغف ہوتا۔ سیّد صاحب مُلّا عبدالنبی اور ملّا یعقوب کے متعلق لکھتے ہیں کہ وُہ شمائلِ ترمذی کا ایک نسخہ لائے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اُنھیں حجاز سے حدیث کی کوئی اور کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

عقل اس بات کو باور کرنے کے لیے تیار نہیں کہ ہندوستان میں کوئی حدیث کی کتاب موجُود نہ ہو اور وقت کے دو چوٹی کے عالم حجاز کے سفر سے صرف شمائلِ ترمذی کا نسخہ لانے پر اکتفا کریں۔ درایت یہ کہتی ہے کہ یا تو کتبِ احادیث ہندوستان میں موجود تھیں اور شمائل کا نسخہ موجُود نہ تھا جو وُہ ہمراہ لائے۔ اور یا وہ باقی کتبِ احادیث بھی ضرور ہمراہ لائے ہوں گے۔ مگر ہمارے علم میں صرف اس قدر آسکا کہ وُہ صرف شمائل کا نسخہ ہی لائے۔ آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اصولِ حدیث، اسنادِ حدیث، تخریجات، رجال، غریب الفاظ، شروح، سیرت، سیر و مناقب، مُدوّنات، موضوعات، اربعینات اور اَوراد و وظائف پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں۔ اور اس ذخیرہ کا اہم حصّہ چھاپہ خانوں کی ایجاد سے پہلے لکھا جا چکا تھا۔ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ بغیر احادیث کے اصل سرمایہ کے یہ سب کچھ کیسے ظہور پذیر ہو سکتا تھا؟ ہمیں لامحالہ ماننا پڑے گا کہ فتاوٰی عالمگیری کی تدوین سے پہلے حدیث کا کافی ذخیرہ ہندوستان میں موجود تھا۔ میں یہاں چند ان کتابوں کا سرسری طور پر تعارفی خاکہ پیش کرتا ہُوں جو ہندوستان میں فتاوٰی سے پہلے لکھی گئیں

مخدوم نظام الدین مُتوفّی ۹۰۹ھ نے اصولِ حدیث میں "نہج" تصنیف کی۔ (عُلماءِ ہند)

مولانا وجیہ الدین گجراتی متوفّی ۹۱۱ھ نے شرح نخبۃ الفکر، حاشیہ شرح التجرید وغیرہ تصنیف کیں۔ (منتہی الادب مؤلّفہ ذوالفقار احمد بھوپالی)

ملا عبدالنبی نے عہد اکبری میں بھی شرح نخبۃ الفکر لکھی تھی۔ (علماء ہند) ذریعۃ النجاۃ شرح مشکوٰۃ۔ شرح حدیث خیر الاسماء عبداللہ و عبدالرحمان، شرح حدیث کنت کنزاً مخفیاً، شرح حدیث الصلوٰۃ معراج المؤمنین وغیرہ بھی ۱۰۲۰ھ سے پہلے لکھی جاچکی تھیں۔ (ملخص علماء ہند) شیخ عبدالقادر بن شیخ عبداللہ العیدروس متولد ۹۲۸ھ نے فن رجال میں النور السافر فی اخبار القرآن العاشر اور دیگر فنون میں الفتوحات القدسیہ، الحدائق الحفرۃ العزیز، المنہاج الی معرفۃ المعراج، المنتخب المصطفٰی فی مولد المصطفٰی، الانموذ اللطیف فی اہل بدر الشریف وغیرہ متعدد کتابیں لکھیں۔ شیخ علی متقی برہانپوری م ۸۸۵ھ نے لغت حدیث میں مختصر نہایہ ابن اثیر اور شیخ ابوالحسن عبدالغافر بن اسماعیل م ۵۲۹ھ نے غریب الحدیث میں مجمع الغرائب اور المفہم شرح غریب صحیح مسلم تصنیف کیں۔ (اتحاف النبلاء ص۳۰۵) شیخ حسن بن محمد الصغانی اللاہوری م ۶۵۰ھ نے معلوم الاسم شرح بخاری لکھی۔ (اتحاف النبلاء ص۵۵) میر سید عبدالاول بن علاء الدین الحسنی متوفی ۹۶۸ھ نے انتخاب سفر السعادۃ اور فیض الباری تصنیف کیں۔ (اتحاف ص۳۱۲) شیخ یعقوب صرفی کاشمیری م ۹۰۸ھ نے شرح صحیح بخاری لکھی۔ (علمائے ہند ص۲۵۵) ملا علی طارمی اکبرآبادی متوفی ۹۸۱ھ نے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح لکھی۔ (رود کوثر مصنفہ مولانا محمد مظفر صاحب گوپاموی مشتمل بر تذکرہ نواب صدیق حسن خاں ص۳۰۵) محمد سعید سرہندی متوفی ۱۰۷۰ھ نے بھی مشکوٰۃ کا حاشیہ لکھا۔ (علماء ہند ص ۱۰۹) مولانا شاہ عبدالحق م ۱۰۵۲ھ نے اشعۃ اللمعات، شرح سفر السعادۃ اور مصطلحات حدیث پر چند رسائل لکھے۔ ان میں ایک پرانی مشکوٰۃ کے شروع میں منضم ایک رسالہ ایک بار میری نظر سے بھی گذرا۔ شیخ المفتی نور الحق م ۱۰۷۳ھ نے تیسیر القاری شرح صحیح بخاری لکھی (اتحاف)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِن کتب سے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں کیوں مدد نہ لی گئی۔ یہ حقیقت ہے اور ٹھوس حقیقت ہے کہ کیا خان بادشاہ اور کیا مغل حکمران سب کے سب فقہ حنفی کو ہی اصل دین سمجھ کر اسی کے ہی ہو چکے تھے۔ پھر کتاب و سنت سے اعتنا ان کے لیے ایک انوکھی چیز تھی۔

تیسرا باب

برِّصغیر میں اہلحدیث

برّصغیر میں اسلام کی آواز سب سے پہلے عرب تاجروں کے ذریعے پہنچی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زندگی ہی میں مسلمان تاجر مالی بار کے ساحلی علاقوں میں پہنچ چکے تھے۔ یہ لوگ اپنے کردار، سچائی، اخلاص اور بے داغ کیریکٹر کی وجہ سے یہاں کے حکمران کی نظروں میں ایک خاص مقام حاصل کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ انہیں اس ملک میں مسجدیں بنانے کی اجازت بھی مل گئی تھی[1]۔ ان لوگوں کے حالات سلیمان تاجر، ابنِ خردازبہ، ابودلف، مسعودی، ابنِ حوقل، بشاری اور ابنِ بطوطہ کی تاریخوں اور سفرناموں میں ملتے ہیں۔ ان

---

[1]: نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے چند سال بعد ریاست کوچین میں قدیم چیرا سلطنت کے پایۂ تخت کرینگ نور کے پاس اراکولم تالاب کے کنارے ایک چھوٹی اور سادہ مسجد بنائی گئی۔ اس کے گرد کیٹو لی قدیم کے مندر اور کرینگ نور کے حاکم کے مکان کے کھنڈر اور سامنے ایک قبرستان میں بہت سے مقبرے ہیں۔ یہ مسجد اُس وقت تعمیر ہوئی جب کرالا کا آخری حکمران مسلمان ہوا۔ کہتے ہیں کہ آج تک اس مسجد کے گرد ہندو جلوس کی شکل میں چکر لگاتے ہیں۔ (معارف ۵ جلد ۴۴ بحوالہ انگریزی روزنامہ "ہندو" جو مدراس سے شائع ہوتا تھا)

کے علاوہ کتاب البدء والتاریخ ابوالعباس ابو الشہری، عبدالکریم شہرستانی، عبدالقادر بغدادی اور مرتضیٰ زبیدی نے بھی ان کے حالات لکھے ہیں۔ متاخرین میں حافظ بصری، یعقوبی، ابن الندیم بغدادی، ابوریحان بیرونی اور قاضی ساعد نے بھی ان لوگوں کا ذکر کیا ہے[۵]۔ یہ سب مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ ان عرب تاجروں کا مذہب اہلحدیث تھا۔ عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ لوگ اہلحدیث تھے۔ اور تاریخ بھی یہی بتاتی ہے۔ تقلید کے جراثیم شمالی ہندوستان کے راستے اس ملک میں پہنچے۔ سب سے پہلے علاءالدین خلجی وسطِ دکن تک پہنچا۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ مقلد تھا یا غیر مقلد، اگر ہم یہی تسلیم کریں کہ وہ مقلد تھا تب بھی مالابار، مدراس، ارکاٹ، لنکا وغیرہ کی حکومتیں اس کی دستبرد سے محفوظ رہیں۔ اِن حقائق سے صاف یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ جنوبی ہند کے مسلمان تاجروں کا مذہب "ما انا علیہ واصحابی" تھا۔ اور اس حقیقت سے آج بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنوبی دکن کے مسلمان آج تک شرک و بدعت کی مروجہ رسوم سے بالکل متنفر ہی نہیں بلکہ بے خبر ہیں۔ شمالی ہندوستان سے فتوحات کا جو سیلاب اُٹھا تھا وہ ساحلی علاقوں تک پہنچتے پہنچتے دم توڑ دیتا رہا۔ اور ساحلی علاقوں کے تاجروں کی اولاد گویا آج تک شرک و بدعت کی اس یلغار سے محفوظ چلی آرہی ہے۔

عموماً یہ بات تاریخ کے مطالعہ سے صاف واضح نظر آتی ہے کہ مسلمانوں کے آماس میں جہاں تقلید نے اپنے پنجے گاڑے وہاں چند صدیوں میں جمود، بے حسی اور سہل انگاری نے قبضہ جمایا۔ جب بھی کوئی مشکل ہمارے سامنے آئی عمل کی بجائے خود ساختہ حاجت رواؤں کے نام لے لے کر استمداد طلب کرنی شروع کر دی۔ قانونِ فطرت سے انحراف کرتے ہوئے صرف غیر مشروع دعاؤں پر تکیہ کیا گیا۔ نتیجہ یہی نکلا کہ صرف حکومتیں ہی نہ گئیں بلکہ قتلِ عام ہوئے، عصمتیں لوٹی گئیں، شیر خوار بچے نیزوں کی انیوں پر چڑھائے گئے، نوجوانوں کے گلوں میں سولی کے پھندے ڈالے گئے۔ بوڑھوں کی گردنیں ماری گئیں۔ اور ایسی

---

[۵] عرب و ہند کے تعلقات از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی

تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا کہ ان کی داستانیں بھی نسیاً منسیا ہو کر رہ گئیں۔ جنوبی ہند میں سلطان حیدر علی اور سلطان فتح علی کے ہاتھوں جو کچھ ظہور پذیر ہوا اس میں ہمیں کہیں بھی اس سہل انگاری کا وجود نہیں تھا۔ آخر اس کی وجہ بھی سوچی گئی اور اس پر غور کیا گیا۔ گردن میں پٹہ ہو تو انسان کی سوچنے سمجھنے کی تونیق ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر جنوبی ہند کے ان مجاہدانہ کارناموں کے پس منظر کی طرف جھانکنے کی عقل کہاں؟

فتاویٰ عالمگیری مرتب کرانے والے کے بعد صرف جنوبی ہند کا خطہ ہی ایسا رہ گیا تھا جہاں تیرہ سو سال سے اسلام تقریباً اصل حالت میں موجود تھا۔ اور حیدر علی اور فتح علی اسی اسلام کے گلِ سرسبد تھے۔ جو کچھ انھیں اسلام نے سکھایا وہ کر دکھایا وہ کر گذرے اور زندۂ جاوید ہو گئے۔

مگر جن خطوں میں اسلام کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا گیا تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا آج ہمارے پاس اس کی یاد میں سوائے حسرت و یاس کے کچھ نہیں۔

شمالی ہند میں مسلمانوں کے ورود کا باعث بھی جنوبی دکن کے ہی اہلحدیث ہوئے۔ واقعات کچھ اس طرح ہیں کہ لنکا یا مالابار میں چند عرب تاجر مر گئے۔ مقامی حکمرانوں نے ان کے بیوی بچے چند جہازوں پر سوار کر کے عرب کی طرف روانہ کیے۔ یہ جہاز جب موجودہ کراچی کے قریب پہنچے تو سندھ کے حکمران داہر کے ایماء سے ڈاکوؤں نے لوٹ لیے اور عرب تاجروں کے بیوی بچوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

یہ اطلاع مشرقی ممالک کے گورنر حجاج بن یوسف کو پہنچی تو اس نے خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک کی اجازت سے راجہ داہر کی گوشمالی کا ارادہ کیا۔

اموی خلافت کا یہ دور فتوحات کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ اس زمانہ میں موسیٰ بن نصیر مغرب کی طرف فتوحات کے پھریرے اڑاتا ہوا مراکش تک جا پہنچا۔ قتیبہ بن مسلم باہلی نے شمال مشرق کی طرف چین کی دیواروں کے سامنے پہنچ کر جھنڈے گاڑ دیے۔ محمد بن قاسم سندھ کے ریگستان کو روندتا ہوا ملتان تک پہنچ گیا۔

یہاں اس قدر بتانا ہی مقصود ہے کہ اس دور میں تقلید نام کی کوئی شے اسلام میں سرے سے موجود ہی نہ تھی۔ لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس زمانہ میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ صرف کتاب و سنت کے پیروکار یعنی اہلحدیث تھے۔ تقلید کا نظریہ سب سے پہلے قاضی ابو یوسف نے پیش کیا۔ قاضی صاحب کو خلافتِ عباسیہ میں قاضی القضات کا عہدہ ملا تو انہوں نے تمام ممالکِ محروسہ میں حنفی فقہ پھیلانی شروع کی۔ محکمۂ قضا میں حنفی علماء کو قضات کے مناصب پر تعینات کیا۔ رعایا کے لیے یہی امر حنفیت کو قبول کرنے کا موجب بنا۔ اور مقبوضہ و مفتوحہ علاقوں میں الناس علیٰ دین ملوکھم کے مصداق حنفیت پھیلنی شروع ہوئی چونکہ اس وقت شافعی، مالکی اور حنبلی کی شاگردانہ نسبتیں بھی مروّج ہو چکی تھیں۔ لہٰذا فقہ حنفی کی شاگردانہ نسبت نے جب ایک مذہب کی شکل اختیار کر لی تو وہ لوگ بھی اپنی شاگردانہ نسبتوں کو بطور مذہب ہی ظاہر کرنے لگے۔ اکثر عباسی خلفاء کو قاضی صاحب کی مفروضہ فقہ کی آڑ میں شراب نوشی اور دیگر عیاشیوں کی چھٹی مل چکی تھی، انہوں نے مذہب کی گرفت ڈھیلی کر دی تو عوام ذہنی انتشار کا شکار ہو گئے۔

جہمیہ، قدریہ، معتزلہ، اثنا عشریہ اور مسئلہ خلقِ قرآن وغیرہ اسی ذہنی انتشار کی پیداوار ہیں۔ عباسیوں نے مسلمانوں کے اس ذہنی انتشار کو ہوا دینے کے لیے آزادانہ مناظروں کی طرح ڈالی۔ تاکہ عوام ذہنی طور پر پراگندہ ہوتے چلے جائیں۔

فقہ حنفی کے مفروضہ مسائل پر گرفت کرنے کی طرف توجہ ہی نہ ہو سکی تاکہ ہمیں من مانیاں کرنے کی کھلی چھٹی ملی رہے۔ خلفائے وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خواص نے تقلید کا جوا اپنی گردنوں میں ڈال لیا۔ عوام شرکت و بدعت کی خرابیوں سے بے خبر ہوتے چلے گئے۔ پڑھے لکھے لوگ امارتوں، خطابتوں اور دیگر اعلیٰ عہدوں پر اسی صورت میں فائز ہو سکتے تھے کہ ان کا مذہب خلفاء وقت کے مذہب پر ہوتا۔ اور جب وہ خلفاء کا مذہب قبول کر کے ملک کے دور دراز حصوں میں تعینات ہو کر پہنچتے تو اسی طرح یہ المیہ وہاں بھی دوہرایا جاتا۔ غرضکہ نئے نئے عمّال کی تعیناتیوں کی وجہ سے مقبوضہ ممالک میں بھی تقلید کے جراثیم پہنچنے شروع ہو گئے۔

ان حالات میں مفتوحہ ممالک میں نو مسلموں کا مذہب حنفی ہونا ضروری تھا۔ مگر سابق الایمان جو صرف اہلحدیث تھے وہ بھی چونکہ کما حقہٗ دینی روح سے دور ہو چکے تھے اسی زد میں آ نکلے۔ اس سراسر یک طرفہ حالات کے باوجود ایک گروہ صراطِ مستقیم پر قائم رہا۔ اور آج ہم جو دین کی برکات سے متمتع ہو رہے ہیں تو یہ انہیں کے فیضِ استقلال کا نتیجہ ہے جنہوں نے کسی ترغیب و ترہیب کے سامنے سر نہ جھکایا اور مضبوطی سے کتاب و سنت کا دامن تھامے رکھا۔

یہ چند سطور ضمناً درمیان میں آ گئی ہیں۔ میں بتا رہا تھا کہ موسیٰ بن نصیر، قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم کے مجاہدانہ کارناموں کی برکات سے جو لوگ مشرف باسلام ہوئے وہ سب کے سب کتاب و سنت کے پیرو یعنی اہلحدیث تھے۔ باقی مسلم ممالک سے قطع نظر صرف سندھ کے متعلق مشہور عربی سیاح علامہ بشاری مقدسی نے جو ۳۷۵ھ میں سندھ میں پہنچے، اپنی کتاب احسن التقاسیم میں منصورہ (سندھ) کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہاں کے ذمّی بُت پرست ہیں۔ اور مسلمانوں میں اہلحدیث اکثریت میں ہیں (بحوالہ تاریخ سندھ جلد ۲ صفحہ ۱۲۴) گویا چوتھی صدی ہجری کے اخیر تک ہندوستان میں تقلید کا رواج بہت کم رہا۔

اس کے بعد ہندوستان میں محمود غزنوی نے جہاد شروع کیا۔ سلطان مرحوم شروع میں حنفی تھے۔ پھر انہوں نے شافعی مسلک اختیار کیا۔ (انتقال فی المذاہب کو حرام قرار دینے والے غور کریں) سلطان مرحوم کے خیالات میں مسلک کی اس تبدیلی کے بعد وسعتِ خیال پیدا ہو چکی تھی۔ سلطان نے جہاد کے ساتھ ساتھ مختلف بادشاہوں کے پاس سفارتیں بھی بھیجیں۔ ان سب سفارتوں میں سے اہم ترین سفارت ملک ایلک خان کی طرف بھیجی گئی۔ اس سفارت کے امیر ملک کے نامور اہلحدیث عالم ابو الطیب سہیل بن محمد صعلوکی تھے۔ (تاریخ فرشتہ جلد ۱ ص ۳۵)

سلطان مرحوم کے زمانہ سے شہاب الدین محمد غوری کی فتوحات تک ہندوستان میں اہلحدیث مسلمانوں کی اکثریت رہی۔

برِّ صغیر میں حنفیّت کیسے پہنچی ؟ :

سلطان محمد غوری کی طرف سے قطب الدّین ایبک دہلی کا صُوبے دار مقرر ہوا۔ قطب الدّین ایبک ایک ترکی غلام تھا۔ جو بِکتے بِکتے نیشاپور کے قاضی القضات امام فخر الدّین عبدالعزیز کوفی کے پاس پہنچا۔ قاضی صاحب امام ابُو حنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے۔ اُنہوں نے قطب الدّین کی پرورش اپنے بیٹوں کی طرح کی۔ قاضی صاحب کی تربیت سے قطب الدّین پکّا حنفی تھا۔ ۱۲۰۶ھ میں سلطان محمد غوری کی وفات کے بعد قطب الدّین دہلی کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ اس سے پہلے ہندوستانی مسلمانوں میں اکثریت اہلحدیثوں کی تھی۔ اور جو گِنے چُنے مقلّد تھے وُہ سلطان محمُود غزنوی کی وجہ سے شافعی تھے۔ مگر اب حنفیت کا دور دَورہ شروع ہوا۔ یہاں اس حقیقت کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ قطب الدّین کے بعد اس کا تمام خاندان یعنی خاندانِ غلاماں اور اس کے بعد خلجی، تغلق، سادات اور لودھی خاندان کے تمام حکمران نومُسلم اور تازہ اسلام تھے۔ یہ لوگ جن مبلّغین یا بادشاہوں کی وجہ سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے رہے وُہ سب کے سب حنفی تھے۔ یہ لوگ "خبر" کے فیض سے محروم تھے۔ اس تمام دَور میں حنفیّت کا مطلب اسلام اور اسلام کا مطلب حنفیّت ہی سمجھا جاتا رہا۔ گویا کہ افغان بادشاہوں کا تمام زمانہ حنفیّت کے گرد ہی گھومتا رہا۔

تقریباً سوا تین سو سال کے بعد ۱۵۲۶ء میں بابر اُفقِ ہندوستان پر نمودار ہوا۔ بابر اور اس کا خاندان افغانوں کی نسبت دینی رُوح سے زیادہ بے خبر تھا۔ بابر اپنے ساتھ اپنا خاندانی بلندہ تورۂ چنگیزی بھی لایا۔ افغانوں کے زمانہ میں فقہ حنفی کا دور دورہ تھا مگر اب تورۂ چنگیزی کے قوانین بھی مُسلّط کیے جانے لگے۔ فقہ حنفی اور تورۂ چنگیزی کے آدھا تیتر اور آدھا بٹیر نے کیا حاکم کیا محکوم، کیا راعی، کیا رعایا، کیا ادنیٰ کیا اعلیٰ سب کے قلوب و اذہان کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی بابر کی فوج میں بڑے بڑے عہدوں پر شیعہ قابض تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے عقائد اس سہ طرفہ یلغار میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔

یہاں یہ بھی واضح کر دُوں کہ بابر چوتھی پشت میں اُسی رُسوائے زمانہ، بدنام ترین فاتح اور اسلام دُشمن نام کے مسلمان تیمور کا پوتا تھا۔ جس تیمور نے عین اُس وقت بایزید یلدرم کے خلاف فوج کشی کی جب وُہ آسٹریا، ولاچیا، ہنگری، ہنسلی، قوسیس، ٹوویلیں، لوکریس موریا وغیرہ یعنی نصف سے زیادہ یورپین ممالک کو فتح کر کے کسوڈہ کے مقام پر متحدہ تثلیثی حکومتوں کو شکست دے کر آگے بڑھ رہا تھا۔ تیمور نے ہی سیورس کو فتح کر کے چار ہزار ترکوں کو اس طرح زندہ دفن کر دیا تھا کہ اُن کے گھٹنوں میں سر اور بازو جکڑ کر گڑھوں میں بٹھا کر گڑھوں کو اُوپر سے پاٹ دیا۔ بایزید کو یورپی فتوحات سے دست بردار ہو کر تیمور کی یلغار روکنے کے لیے انگورہ واپس آنا پڑا۔ جہاں اُسے تیمور نے شکست فاش دے کر قید کر لیا۔ اور اس کے بیٹے مُوسیٰ سمیت اُسے گرفتار کر کے پنجرے میں بند کر کے اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرا۔ آٹھ ماہ تیمور کی اسارت میں رہنے کے بعد موت نے بایزید کو قیدِ ہستی اور زندانِ آہنی سے بیک وقت رہائی دلائی۔ تیمور کی یہ اسلام دُشمنی اس کی شیعیت اور بے دینی کی وجہ سے تھی۔ ابنِ خلدون اپنی سوانح حیات العبر میں تیمور کے مفتی عبدالجبار اور اس کے سرکاری مؤرّخ شرف الدّین کے حوالے سے لکھتا ہے کہ وُہ شیعہ تھا۔ تیمور نے اہلِ دمشق پر حضرت علی کی مخالفت کا الزام لگا کر اپنے لشکریوں کو اس حد تک بھڑکایا کہ تاتاری بھیڑیوں نے دمشق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

تیمور نے بعض مقامات پر شیعہ مناظر کی حیثیت سے خود حصّہ لیا۔ ڈاکٹر فشل نے ابنِ خلدون پر نوٹ لکھتے ہوئے تیمور کا شیعہ ہونا صحیح تسلیم کیا ہے

بابر کے جسم میں اسی تیمور کا خون اور اس کے ہاتھ میں انسان دشمن اپنے مورثِ اعلیٰ چنگیز کا قانونی پلندہ تورۂ چنگیزی تھا۔ پھر بابر کی اولاد سے جو کچھ اسلام کے متعلق ہوتا رہا وہ ناگزیر نہیں تھا۔ اِن تمام کیفیات کے نتیجے سے یہ بات آسانی سے اخذ کی جا سکتی ہے کہ شیعیت، حنفیّت، تورۂ چنگیزی کے مرکّب خیالات کے مجمُوعہ حاملین بادشاہوں کو کتاب و سنّت سے کیا شغف ہو سکتا تھا۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ مُغلیہ دورِ حکومت میں اکثر کلیدی آسامیاں شیعوں کے قبضے میں تھیں اور آخر خاندانِ مُغلیہ کی تباہی کا سبب بھی مشہور بادشاہ گر برادران یعنی علی اور عبداللہ ہوئے۔ جو غالی شیعہ تھے۔ یہ لوگ فاتح اور بادشاہ ضرور تھے مگر اسلامی لحاظ سے پراگندہ ذہن تھے۔

یہی ذہنی پراگندگی اور اسلام کی رُوح سے گریز پائی بابر کے لیے :

؏ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کا نعرہ لگوانے کا مُوجب بنی۔ کسی نے ایسی ہی بے سروپا تاویلات اور مذہبی بھول بھلیوں سے متنفر ہو کر خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی بڑ ہانکی۔ کسی کے لیے یہی دین سے تجاہل اور بے خبری ناؤنوش کا بندۂ بے دام بننے کا موجب بنی۔ اور اسے ایک ہرن کی قبر پہ قومی خزانہ سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی جرأت دلائی۔[51]

اور کسی نے ان ہی اسفار لہو الحدیث کی آڑ میں پناہ لے کر علی الاعلان رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے علی الرغم اپنی بیوی کی قبر پہ۔ رعایا کی خون پسینہ کی کمائی کا خزانہ میں جمع شدہ کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا۔ اور کتاب و سنت کی یہی بیگانگی کسی کے لیے کتبِ فقہ سے باپ کو قید اور بھائیوں کو قتل کرنے کا جواز ڈھونڈ دی۔

باپ کو قید اور بھائیوں کو قتل کرتے وقت عالمگیر کی نظر شاید اس طرف نہ اٹھی کہ باپ دادا نے جس دینی رُوح سے بیگانگی کی وجہ سے کفر اور شیعیت کو سر پہ چڑھا رکھا تھا وُہ کسی وقت بھی تباہی کا سامان بن سکتے ہیں۔ وُہ اپنی ہی بر خود غلط سیاست اور عاقبت نااندیشی کی جنت میں آگے بڑھتا گیا۔ اُس نے مرض کی اصل کی طرف توجہ ہی نہ کی اور بجائے اس کے کہ وُہ عوام سے رابطہ پیدا کر کے اُن میں دینی رُوح پیدا کرتا اور کتاب و سنت کی ترویج سے لوگوں کو شرک و بدعت سے نکال کر ایک مرکز پہ جمع کرتا۔ قوم کے دماغوں کو اور پریشان کرنے کے لیے وقت کے تمام علما کی علمی، ذہنی اور دماغی قوتوں کو فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تدوین پہ صرف کرا دیا۔ یہی علمار کا گروہ اگر اس وقت فقہ کی اس «فربہ ترین»، مگر بے سُود کتاب پہ اپنی قابلیتیں صرف کرنے کی بجائے قرآن و سنت کو ہاتھ میں لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوتا تو شاید مستقبل کی یہ خونچکاں داستانیں تاریخ کے صفحات میں نہ دُہرائی جاتیں۔ مگر علمار کا گروہ تو عالمگیر کا مُرغِ دست آموز بن چکا تھا۔

---

[51] : ہرن منارہ ضلع شیخوپورہ (تزکِ جہانگیری)

آج تاریخ کہتی ہے کہ عالمگیر کے نااہل، آرام پسند، عیش کوش اور بزدل جانشینوں نے مغلیہ سلطنت کا بیتہ پانچہ کر کے رکھ دیا۔ ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان کے اپنے مقرر کردہ عامل خود مختار بادشاہ بن بیٹھے۔ مگر اسلام کہتا ہے کہ اس تمام بیماری کی جڑ دین سے بے خبری اور روحِ اسلام سے بیگانگی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور کوئی مسلمان جب کتاب و سنّت سے بے اعتنائی کرتا ہے تو روحِ اسلام سے بیگانہ ہو جاتا ہے، روحِ اسلام سے بیگانہ ہوتا ہے تو جہاد کی سپرٹ سے محروم ہو جاتا ہے۔ جہاد کی سپرٹ سے محروم ہوتا ہے تو شیر کی طرح حملہ آور ہونے کے بجائے لومڑی کی طرح بھٹ تلاش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر خوش نصیبی سے اُسے قریب ہی کہیں بھٹ مل گیا تو کچھ وقت کتوں کی یلغار سے بچ جائے گا۔ ورنہ وہ ابھی راہ ہی میں ہوتا ہے کہ کتے اُسے چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ کیا اس وقت کے حکمرانوں کے پاس سوائے بے بسی، بے کسی، بیچارگی اور درماندگی کے کچھ نہ تھا۔ جواب واضح ہے کہ تھا اور سب کچھ تھا۔ دولت تھی، وسائل تھے، حکومت تھی، مگر کتاب و سنّت سے بیگانگی نے انہیں یاس اور قنوطیت کے آخری کناروں پر پہنچا دیا۔

الغرض جب مرکز کمزور ہوتا نظر آیا تو مرہٹوں جیسی مفلوک الحال، جاٹوں جیسی مجہول النسب، سکھوں جیسی مادر پدر آزاد قومیں ایک بگولے کی طرح اُٹھیں اور آندھی کی طرح تمام ہندوستان پر چھا گئیں ایک طرف اندرونِ ملک یہ لوگ ایک طوفان کی طرح چاروں طرف چھائے ہوئے تھے۔ اور دوسری طرف ساحلی علاقوں میں انگریز نہایت دور اندیشی سے حالات کا جائزہ لے کر آگے بڑھنے کے لیے پر تول رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ بعض دفعہ کسی قوم کو یک لخت سزا نہیں دیتا۔ بلکہ اُسے دوبارہ راہِ راست پر لانے اور سنبھلنے کا موقع دیتا ہے۔ یہاں بھی قدرت نے احمد شاہ ابدالی کے وجود میں اپنی سنّت کو دہرایا۔ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کا کچومر نکال کر مسلمانوں کے لیے سنبھلنے کا ایک موقع بہم پہنچا دیا۔ مگر مسلمان کیا سنبھلتے انگریز کے لیے میدان صاف ہو گیا۔

فطرت اب بھی مسلمانوں پر مہربان تھی۔ بنگال سے غازی سراج الدولہ اور جنوبی ہند سے سلطان حیدر علی اور اس کے شیر دل سپوت سلطان فتح علی ٹیپو نے دشمنوں کو للکارا۔ مگر کتاب و سنت سے بے بہرہ اسلاف جو بیج بو چکے تھے وہ اب جعفر و صادق کی شکلوں میں تناور درخت بن چکے تھے۔ جن کی چھاؤں تلے اغیار دم لیتے رہے، تھکن دور کرتے رہے۔ تازہ دم ہوتے رہے اور آگے بڑھتے ہوئے اپنی پوری درندگی اور بہیمیت سے امت مسلمہ میں ایسے گھاؤ پیدا کرتے چلے گئے کہ جن کے اندمال کی بظاہر کوئی صورت باقی نظر نہ آتی تھی۔ ان حالات میں جب پوری قوم نہایت بیچارگی، بے بسی، بیکسی، ذلت، نکبت افلاس اور مجبوری میں گھرے ہوئے چاروں طرف نہایت مظلومانہ طور پر دیکھ رہی تھی تو:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اس وقت بظاہر بالکل تہی دامن، بے نوا، غیر معروف بوریا نشین فقیروں کا ایک گروہ مستانہ وار میدانِ دعا میں کود پڑا۔ یہ لوگ ~~ساڑھے~~ چھ سو سال سے ایک طرح کے گوشہ نشین ~~تھے~~ تخصیص حکومتوں کے جبر و استبداد میں تازہ۔ مزاج شاہان کے ظلم و ستم اپنے ہم مذہب اور ہم مسلک علماء پر دیکھ ~~چکے~~ ~~تھے~~۔

بلکہ مرکز جذب

پھر وہ لوگ کہاں بخشے جانے والے تھے جن کا مسلک ہی الگ تھا۔ وقت کے علماء ہر قسم کی مشرکانہ آلودگیوں میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ایک مردِ قلندر کی حرکت اسے پسند نہ آئی۔ ان حالات میں تقریباً ساڑھے چھ سو سال جماعت اہلحدیث نے اپنے آپ کو نہایت محتاط طریقہ سے دعوت و تبلیغ میں مشغول رکھا۔ گو افغانوں اور مغلوں کی حکومتیں اسلام سے کتنی بیگانہ سہی مگر اہلحدیث انھیں مسلمان جانتے تھے۔ اس وجہ سے یہ طویل دوران کی خاموشی میں گذر گیا۔ مگر اب ملک دار الحرب بن چکا تھا۔ تو پھر انہوں نے قلتِ اسباب کو پرکاہ جتنی وقعت نہ دی۔ نہ ہجرت سے جی چرایا، نہ حکومت کی طاقت سے مرعوب ہوئے اور نہ اپنوں کی غداریوں سے گلہ سنج

ہوئے۔ بلکہ جو کچھ کرنا تھا کر گذرے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس دور کے مسلمانوں کی مذہبی فرقہ بندیوں پر نظر ڈالتے چلیے۔ تاکہ آئندہ سطور سمجھنے میں آسانی رہے :

۱۔ اہلحدیث اور غیر مقلد۔ انہوں نے حکومت کافرہ کو للکارا۔

۲۔ حنبلی، شافعی اور مالکی تعداد میں بہت ہی کم تھے۔ مگر ان کی ہمدردیاں مجاہدین کے ساتھ تھیں۔

۳۔ احناف : چھ سو سال حکمران رہے۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ۔ ماضی میں حکمران تھے تو خود، کسی صوبہ کے عامل تھے تو خود، قاضی تھے تو خود۔ مگر اب ان کے حصے میں بھی محکومیت ہی آئی۔ تاریخ کی اس پکار سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں کہ غازی بنگال اور شیر میسور کی شہادتوں کے بعد ان لوگوں کے خواص نے نئی حکومت کو صرف خوش آمدید ہی نہیں کہا۔ بلکہ ان کے ہاتھ مضبوط کرنے میں کوئی کمی روا نہ رکھی۔ مگر جماعت اہلحدیث توکل علی اللہ میدان جہاد میں کود پڑی۔

میدان جہاد میں کودنے کے بعد حکومت کی زبان میں یہ لوگ باغی اور وہابی کے نام سے اور احناف کی زبان میں وہابی اور کافر کے نام سے پکارے جانے لگے۔ مگر یہ لوگ جن کے پیش نظر صرف کتاب و سنت تھی۔ جنہوں نے ہندوستان کو دار الحرب سمجھا، اور کروڑوں کی جائدادیں چھوڑ کر ہجرت کی۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک جاگیرداریاں چھوڑ کر قلندرانہ وار جیتے، چلتے اور پھڑکتے راہ حق میں سر کٹاتے رہے۔

قرآن و حدیث اور تاریخ کی زبان میں یہ مجاہدین کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہیں قرآن و حدیث نے جس نصب العین کا راستہ دکھایا وہ اس پر ثُمَّ اسْتَقَامُوا ہو کر چل پڑے۔ جس مقصد کو انہوں نے حق سمجھا اس کے لیے انہوں نے اپنی طرف سے امکان بھر کوشش کی۔ وہ سخت سے سخت، شدید سے شدید، مشکل سے مشکل اور نازک سے نازک وقت میں بھی پے درپے اور لگاتار احیائے ملت کے لیے سر کٹاتے رہے، غیر انسانی تشدد برداشت کرتے رہے اور اس امر سے کوئی سروکار نہ رکھا کہ کسی اسلامی حلقے کی نوبات

بانداز حق میں ایک کلمۂ تحسین بھی نکلے۔ وہ اس بات سے بھی لمحہ بھر کے لیے رنجیدہ یا کبیدہ خاطر نہ ہوئے کہ کروڑوں مسلمان اغیار کے مرغِ دست آموز بن کر انہیں وہابی اور کافر کہہ رہے ہیں۔ وہ صرف ترانۂ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ کے مستانہ ہیں۔

یہ لوگ چھ سو سال تک اپنوں کی حکومتوں سے بہت کچھ سیکھ چکے تھے۔ مگر خاموش تھے۔ اب ان کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ ذاتِ باری کے عاشق اپنے گھروں سے یہ آرزو لے کر نکلتے تھے کہ اللہ کے راستہ میں قربان ہو جائیں۔

یہ لوگ پہرہ دیتے وقت اگر ایک دوسرے کو آواز دینا چاہتے تھے تو ایک کہتا: سُبحان اللہ، دوسرا سنتا تو کہتا الحمدللہ، تیسرے کے کان میں آواز پہنچتی تو اس کی زبان سے بے اختیار یرحمک اللہ نکلتا، اور چوتھا یہ سُن کر بے قرار ہو جاتا اور اس کی زبان سے یہدیکم اللہ کے الفاظ جاری ہو جاتے۔

یہی پاک باز گروہ باغی، کافر اور وہابی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اور راہِ حق میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو کر اپنوں کی زبان ہی سے قتیل کہلایا مگر جو قدم انہوں نے اُٹھایا وہ اُٹھتا ہی چلا گیا۔

عود الی المقصود:

یہ لوگ جو میدانِ جہاد میں کودنے کے لیے ابھی اپنے مقاموں پر مضطربانہ پہلو بدل رہے تھے۔ وسائل کی کمی، رسل و رسائل کے اسباب سے محرومی انھیں اپنی اپنی جگہ ایک مرکز کی ضرورت کا احساس دلا رہی تھی۔ مگر کسی مرکزی شخصیت کی محرومی کی وجہ سے وہ پس و پیش میں تھے کہ دہلی کے خطہ سے دلی الٰہی خاندان نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ مگر یہ سب کچھ ابھی تک کسی نظم و ضبط اور لائحہ عمل کا محتاج تھا کہ برطانوی سامراج نے حکمرانی کے ساتھ ساتھ اپنے تبلیغی ذرائع بروئے کار لاتے ہوئے اپنی ثقافتی تنظیم بھی مسلمانوں پر مسلط کرنی شروع کر دی، تو برطانوی سامراج کے اسی ثقافتی نظام سے متاثر ہو کر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فتویٰ دیا کہ:

"دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست۔ و حکم رؤسائے نصاریٰ بے

بے دغدغہ جاری است۔ مراد از اجرائے حکم کفر این است کہ در مقدمہ ملک داری وبندوبستِ رعایا وا خذِ خراج وعشور و اموالِ تجارت وسیاست قطاع الطریق وسراق وفصلِ خصومات وسزائے جنایات کفار بطورِ خود حاکم باشند۔ آری اگر بعض احکامِ اسلام را مثلِ جمعہ وعیدین و آذان وذبح بقر تعرض نکنند نکردہ باشند۔ لیکن اصل الاصول این چیزہا نزدِ ایشاں ہباء وہدر است زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم می نمایند وہیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیذانِ ایشان درین شہر ودر نواحِ آن نمی تواند آمد۔ برائے منفعتِ خود از واردین ومسافرین وتجار منع نمی نمایند۔ اعیانِ دیگر مثل شجاع الملک و ولایتی بیگم بغیر حکمِ ایشان درین بلد داخل نمی توانند شد۔ واز این شہر تا کلکتہ عملِ نصاریٰ جاری است۔" (فتاویٰ عزیزیہ جلد ا صفحہ ۱۷ مطبع مجتبائی)

مندرجہ بالا فتویٰ سے مسلمانوں پر تین فرض عائد ہوتے تھے:

۱۔ جہاد ۲۔ اگر ممکن ہو تو ہجرت

۳۔ ہمت ہو تو جابر سلطان کے سامنے کلمۃ الحق کہنا۔

غیر مقلدین اور اہلحدیث نے تو شاہ صاحبؒ کے اس فتویٰ کی روشنی میں اپنے آپ کو جہاد کے لیے وقف کر دیا۔ اور مقلدین نے فرنگی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے خلاف کفر کے فتوے دینے شروع کر دیے۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

برطانوی سامراج کو برصغیر میں اگر کسی سے خطرہ تھا تو صرف مسلمانوں سے خطرہ تھا۔ فرنگی ابتدائے اسلام سے لے کر اس وقت تک یرموک کے معرکہ میں، سپین کے میدانوں میں صلیبی جنگوں میں اور نیل کے ساحل پر سینکڑوں بار فرزندانِ اسلام سے پٹ چکا تھا۔ فرنگی جانتا تھا کہ اگر مسلمانوں کو ذرا سنبھلنے کا موقع مل گیا تو وہ ہمیں اٹھا کر بحرِ ہند میں پھینک دیں گے۔ اور اب کہ جب اس نے دیکھا کہ یہ سویا ہوا شیر بیدار ہو رہا ہے تو بقول ڈاکٹر تصدق حسین خالد برطانوی سامراج نے تحریک ترغیبِ محمدیہ کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکن

کوشش شروع کر دی لیکن یہ تحریک نابود نہ ہو سکی چونکہ اس کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھی۔ جن کی زندگیاں ہر قسم کی آلودگی سے پاک تھیں۔ اور ان کے سینے میں ایک شعلہ فروزاں ہو چکا تھا۔ جس سے وہ غیر اسلامی حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتے تھے یہی ڈاکٹر خالد ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد کے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ برطانوی سامراج نے اس مسئلہ پر غور کیا تو اس نے اس تحریک کو توڑنے کے لیے غداروں کا ایک گروہ فراہم کرنے کی کوشش کی۔ یہ غدار کون تھے۔ بڑے بڑے زمیندار سرمایہ دار اور علماء۔ بقول ہنٹر ایسے فتووں کا ایک انبار اکٹھا کیا گیا۔ جن میں اعلان کیا گیا کہ وہابی کافر ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کو بغاوت کے خطرناک راستہ سے الگ کیا گیا۔ سرمایہ دار طبقہ نے کلکتہ کے خان بہادر عبداللطیف کی رہنمائی میں محمڈن لٹریری سوسائٹی قائم کی۔ اور ۲۳ نومبر ۱۸۷۰ء کو علماء نے ایک قانون پر بحث کی اور برطانویوں کے حق میں فتویٰ دے دیا۔ ایک اور ملا عبدالحی اسی قسم کا ایک فتویٰ مکہ سے لکھوا کر لایا۔ اس طرح برطانوی سامراج نے یہ جنگ جیت لی۔ ہنٹر آگے چل کر لکھتا ہے "کہ ہر مسلمان مولوی جس کی مسجد یا خانقاہ کے ساتھ ایک درجن ایکڑ زمین تھی وہ بھی وہابیوں کے خلاف چلانے لگا۔ اور پچاس سال تک اسی کام میں مصروف رہا۔"

(ملخص اسماعیل شہید از عبداللہ بٹ ص ۹۵ قومی کتب خانہ لاہور)

اُنیسویں صدی کے آخری عشرہ میں کسی "علامہ" نامی فاضلِ گرامی عالمِ اجل فاضلِ اکمل سفیر علام البادیل فقیہ بے بدیل مولانا مولوی عبدالجلیل سلمہ الخلیل یوسف زئی عموماً دولت زئی خصوصاً از مضافاتِ پشاور" نے سیف المقلدین علی اعناق المنکرین دو جلدوں میں لکھی۔ اس کی دوسری جلد اس وقت میرے سامنے ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ۲۲ سطروں کے ۴۸۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ بالکل وہی ہے جب مجاہدین نے امبیلہ کی جنگ کے بعد ۱۹۰۲ء میں اسمست کو اپنا مرکز بنایا۔ اور دوسری طرف انبالہ، پٹنہ، عظیم آباد کے مشہور "وہابی" مقدمات کے ماخوذ ملزمین کالا پانی میں سزائیں کاٹ رہے تھے۔

اِس کتاب کی تقریظ میں کلکتہ، بنگال، میرٹھ، کانپور، علی گڑھ، فرنگی محل لکھنؤ، پشاور، غازی پور اور دہلی وغیرہ کے اڑھائی سَو "علماء کرام" نے حصّہ لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اختلافی مسائل کی آڑ میں یہ کتاب صرف جماعت اہلحدیث کو گالیاں دینے کے لیے کسی انگریز حاکم نے لکھوائی تھی۔ چند گالیاں آپ بھی سُن لیں:

لا مذہب، دجّالون کذّابون۔ (صفحہ ۳) بہ خطاب جماعت اہلحدیث یعنی مجاہدین کو عطا ہوتے ہیں
لے فرقہ لا مذہبیاں (صفحہ ۲۹)

سے ذکرِ آن کوران عوران شل ہر جا کہ باشد دراں جا خلل (صفحہ ۴۰)

لے صاحبانِ متعصّبین، لے ذرّیاتِ نجدیانِ مضلّین (صفحہ ۶۳)

پنجہ در صید بردہ ضیغم را۔ چہ تفاوت کند کہ سگ لاید۔ (ص۹۸)

شیاطین طبعیناں۔ (ص۱۲۱) ذرّیتہ شیخ النجدیہ (ص۴۲۲)

دھابیۃ الخبیثۃ فی اکیاد الطّائفۃ النجدیۃ المنجسۃ الّذین ھم ضلّوا و ضلّوا سواء السّبیل۔ (ص۴۳۲) انگریزوں نے اس قسم کی سینکڑوں کتابیں لکھوائیں۔

میاں محمد بخش متوفی ۱۳۲۴ھ / ۱۹۱۱ء جو پنجابی کے ایک رُومانی ناول سیف الملوک کے مصنّف ہُوئے ہیں۔ ہم اُنھیں اسی قدر جانتے تھے، کہ وہ ایک صُوفی منش شاعر تھے۔ جنھوں نے اپنی تصنیف میں کہیں کہیں اپنے زورِ شاعری میں:

"نیاں ناوں گھٹ نہ رہیا ہر وسیوں ہر کسیوں" یا

"چاندی ادی سلاخ شہزادہ . . . ." (رجیا مانع ہے)

وغیرہ قسم کے شعر لکھ دیے ہیں مگر اُن کی تصنیف "ہدایت المسلمین" پنجابی اشعار میں پڑھ کر سخت حیرانی ہُوئی۔ اِس کتاب کی تاریخِ تصنیف ایک غالی کی زبان میں:

"لمن نظمہ من عنایات حق" یعنی ۱۲۹۴ھ ہے۔

اِسی کے صفحہ ۳ پر ایک عنوان ہے: "ظہور و خروج دجال محمد بن عبدالوہاب نجدی"۔ صفحہ ۷ پر ایک مصرعہ ہے: "دین نیا اک پیدا ہویا نجدی نامراد دں"

اس کتاب کی تقریظ میں بھی کئی علامہ دوراں حصّہ دار ہیں، جن میں مولوی غلام محی الدین رحمہ اللہ (قصور) ...

(جہلم) والے خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کے رشحاتِ قلم سے بھی کتاب کو زینت دی گئی ہے۔ صفحہ ۱۲۲ پر رقم طراز ہیں:

ے ہوا اک فرقہ پیدا کچھ دنوں سے ـــ جو بد باطن خبیث و بدزباں ہے
وُہ کہلاتے ہیں لامذہب وہابی ـــ بڑا گمراہ گروہِ نجدیاں ہے
میاں مٹھو ہیں بنتے اپنے مُنہ سے ـــ بنا فرعون ہر اک بے سماں ہے

صفحہ ۱۷۲ پر کسی اور علامۃ الدہر کی تقریظ ہے۔ دو شعر اس کے بھی سُن لیجیے:

ے انّہ للنجد ناۂ حامیہ ـــ سادمنہ حولہ بئس المآب
یا الٰہ العالمین ادخم لھم ـــ فی الجحیم بما نسوا یوم الحساب

صفحہ ۱۲۲ پر ایک پیرِ طریقت یوں گل افشانی فرماتے ہیں:

رسالہ نتنی صدد الوھابیّین کالنبال دکتابہ لجرح اکباد المنجدین کالنصال۔

کتاب کا لُبِ لباب یہ ہے کہ عبدالوہاب نجدی نے شاہِ رُوم کے خلاف خروج کیا۔ اور لوگوں نے اُسے اپنا امیر المومنین بنا لیا۔

لقب امیر المؤمنینوں کر تسلیم بُلایا ـــ خطبہ نام اُہدے تے پڑھ کے نجدی شاہ بتایا (ص۶)

عبدالوہاب نے تمام حجاز پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔ جسے شاہِ رُوم نے شکست دے کر قتل کر دیا اور اس کے پیرو ساری دُنیا میں بکھر گئے۔ (انگریز ایک فقیر منش سے بھی اہلحدیثوں کے خلاف زہر اُگلوا کر رہا)

ایسے علامۂ دوراں اور غوثِ زماں کی معلومات اور تاریخ دانی اور علمیت کے مقابلہ میں سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے:

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

کتاب اوّل سے آخر تک من گھڑت واقعات کا پلندہ ہے۔ جس کا کوئی ایک واقعہ بھی تاریخی طور پر صحیح نہیں۔ مگر جُہلا کے بہکانے کے لیے کامیاب حربہ ہے۔

فرنگی کی شاطرانہ چالوں نے جب مسلمانوں کے ایک کثیر گروہ کو اپنا ہم نوا بنا لیا تو

کتاب وسنت سے تمسک کرنے والوں کو اپنی تبلیغانہ اور مجاہدانہ سرگرمیوں کے لیے ایک محتاط راستہ اختیار کرنا پڑا۔ اگر اس وقت تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کا نعرہ بلند کرتے تو ایک دفعہ پھر تمام برِصغیر کی حکومت مسلمانوں کے قدم چومتی۔ مگر ان غدارانِ ملت نے چند روزہ دنیوی فائدہ کے لیے ایسی بے حیائی کا مظاہرہ کیا جس کی سزا آج تک اساسِ ملت کے جسم پر کشمیر، تقسیم پنجاب، تقسیم بنگال وغیرہ کی شکل میں ایک ناسور کی صورت میں موجود ہے۔

الغرض جماعتِ اہلحدیث نے اسی محتاط طریقہ کو اختیار کر کے ایک خاص منصوبہ کے تحت سب سے اوّل ایک دینی دار العلوم کی بنیاد رکھی تھی۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ برِصغیر میں مسلمانوں کی اوّلین درسگاہ دیوبند ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم کی پیدائش ۱۸۳۰ء میں ہوئی۔ مگر دار العلوم اہلحدیث کی بنیاد اٹھارھویں صدی کے آخر میں رکھ دی گئی تھی۔ مولانا نذیر احمد کہتے ہیں[۵] کہ پنجابی کٹڑہ جسے حکومتِ دلی نے ریلوے سٹیشن پر قربان کیا اور آج اس کا نام ونشان نہیں میرے آباؤ اجداد کا مسکن تھا۔ اور پنجابی کٹڑہ کی مسجد میں مولانا عبدالخالق حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ جو میرے جدِّ امجد تھے۔ یہ مسجد دلربا سنگ سرخ کی نہایت خوش وضع اور خوب صورت تھی۔ اس میں مولانا عبدالخالق کے بعد شیخ الکل مولانا نذیر حسین نے درس دینا شروع کیا۔ مسجد میں طلباء کے لیے مکانات اور ایک حوض بھی تھا۔ (واقعات دار الحکومت دہلی بشیر الدین ص ۲۷۴)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس محلہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ریلوے سٹیشن نہیں بن سکتا تھا۔ مگر یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا۔ اور اس منصوبے کا مقصد اس "وہابیوں" کی درسگاہ کو ختم کرنا تھا۔

دوسرا دار العلوم بزعم روشن الدولہ کی مسجد واقع قاضی واڑہ میں تھا۔ شاہ محمد مخصوص اللہ

---

۵ : مصنف مرأۃ العروس، توبۃ النصوح، ابن الوقت اور بنات النعش وغیرہ اور تعزیرات ہند کا اور قرآن مجید کا بھی اردو میں ترجمہ کیا۔ تعزیرات ہند انڈین پینل کوڈ کا ترجمہ ہے۔

ابنِ شاہ رفیع الدین ابنِ شاہ ولی اللہ متوفی ۱۸۵۷ء اس کے مہتمم اور ناظم تھے۔ شاہ صاحب متقدس بزرگ، زاہد و عابد، شب زندہ دار تھے۔ تعلیم و تدریس کے علاوہ کوئی مشغلہ نہ تھا موصوف عامل امین بالجہر اور رفع یدین تھے۔ سرسید آپکے شاگردوں میں سے تھے۔ اور آپ سید احمد سے بیعت تھے۔ (بہادر شاہ ظفر صفحہ ۲۵۵)

اِن کے علاوہ ملک بھر میں اور بھی متعدد درسگاہیں موجود تھیں۔ مولانا سیّد محی الدین عبد اللطیف المعروف قطب ویلور نے مولانا اسکلی مدراسی سے علم حاصل کیا۔ پھر مکہ گئے۔ مولانا شاہ اسحٰق سے قراءۃً وسماعاً حدیث کی سند حاصل کی۔ واپس آکر مدرسہ لطیفیہ قائم کیا۔

اِسی طرح کرناٹک میں عمر آباد کے مقام پر جوانبو رسے ۵ میل کے فاصلہ پر ہے ایک دار العلوم تھا، جو آج تک موجود ہے۔ اس دار العلوم سے الجامعہ ایک ماہنامہ بھی نکلتا ہے۔ طویل عرصہ اس کے اخراجات کے کفیل محمد اسماعیل کاکا رہے ہیں یہاں میرا مقصد جماعت اہلحدیث کے مدارس کا احاطہ کرنا نہیں۔ بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جس وقت ہندوستان میں احناف کی کوئی دینی درسگاہ نہیں تھی اُس وقت جماعت اہلحدیث کی کئی درسگاہوں میں سینکڑوں طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں اس بات کا ذکر بھی انتہائی ضروری ہے کہ ان تعلیمی سرگرمیوں کے باوجود اہلحدیث جو آگے چل کر مختلف اصطلاحوں میں باغی، وہابی اور مجاہد کہلائے۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے کسی مرکز سے محروم تھے۔ اور مرکز نہ ہونے کی وجہ سے نظم وضبط اور میل جول وغیرہ سے محروم تھے۔ ان حالات میں ولی اللٰہی خاندان نے اُنھیں اپنا مقام یاد دلاتے ہوئے ایک مرکز کی طرف بُلایا۔ مگر اس کے باوجود جنوبی ہند، بنگال اور شمالی ہندوستان کے مجاہدین اپنے درمیان رابطہ قائم نہ کرسکے۔

الغرض انگریز چونکہ تمام دُنیا میں مسلمانوں سے خائف تھا۔ اس لیے باوجود اس بات کے کہ اُس نے ملک پر قبضہ کرلیا تھا اُس کو اطمینان نہیں تھا۔ اور اب اس کے کان میں یہ بھنک بھی پڑ رہی تھی کہ اس ملک کے اہلحدیث بھی اپنے اپنے علاقوں میں انفرادی

طور پر کچھ نہ کچھ بیدار ہو رہے ہیں تو اُس ۔نے بڑی دُور اندیشی سے اُنھیں اپنے مرکز سے دُور رکھنے کا ایک منصوبہ تیار کیا۔ انگریز کا خیال تھا کہ اس منصوبہ پر جب عمل شروع کیا تو مرکز سے کٹ جانا مسلمانوں کے لیے مرگِ ناگہاں ثابت ہو گا۔ مگر اب مشکل یہ تھی کہ اس منصوبہ پر عمل کیسے ہو۔ یہ صورت بھی فوراً پیدا کر لی گئی۔ یعنی انگریز صادق و جعفر کی صورت میں غدارانِ ملت سے خوب واقف ہو چکا تھا۔ اُس نے فوراً علمائے سُو کی ایک کھیپ بہم پہنچا کر اُن سے فتوے لکھوا کر ملک کے طول و عرض میں شائع کرا دیے کہ اس زمانہ میں حج کی فرضیت ساقط ہو چکی ہے۔ چونکہ سمندری سفر غیر یقینی ہے اور خشکی کا راستہ خطرناک ہے اور قرآن پاک کا حکم ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

یہ نہایت خطرناک سازش تھی۔ اور عوام بڑی سادگی اور آسانی سے اس سازش کے شکار ہو گئے۔ انگریز جس طرح حالات اپنے موافق کرنے میں کوشاں تھا "اہلحدیث" علماء اپنے محدود ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی بساط بھر ان سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش میں تھے۔ مگر انفرادی کوششیں، ایک دوسرے سے رابطہ کا نقدان، ذرائع رسل و رسائل اور وسائل کی کمی سے ہر شخص اپنے اپنے مقام پر بے بسی سی محسوس کر رہا تھا کہ عملی دنیا میں قدم رکھنے کا سبق دینے کے لیے سید احمد شہید کے وجود میں ایک ہستی کو پیدا کیا۔

سید احمد شہید:

سید صاحبؒ ۱۷۸۶ء کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر نواب وزیرالدولہ کے ہاں عسکری تربیت حاصل کی۔ وہاں سے فارغ ہو کر ملک کے طول و عرض میں احیائے سنت اور ردِّ بدعات کے لیے تبلیغی دورے شروع کیے۔ آپ کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ تاثیر بخشی تھی۔ ۱۸۱۶ء میں شاہ عبدالحیؒ اور اور شاہ اسماعیلؒ اور شاہ محمد مخصوص اللہؒ اور شاہ محمد یعقوبؒ مہاجر مکی متوفی ۱۲۷۳ھ نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ یہ سب لوگ اپنے اپنے مقام پر بڑی جلیل القدر اور مرجع خواص و عوام ہستیاں تھیں۔ شاہ محمد یعقوب کے تلامذہ میں سے نواب صدیق حسن خاں

شوہر ملکۂ بھوپال، حکیم عبدالحمید دام پوری بہت مشہور ہوئے ہیں۔ (بہادر شاہ ظفر)

سید صاحب دعوت و تبلیغ کے دوران نہایت گہری نظر سے حالات کا جائزہ لیتے رہے۔ آپ جہاں پہنچے وہاں ایک مرکز کی بنیاد رکھی۔ آپ جس راستہ سے گذرتے وہاں شرک و بدعت کی جگہ قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں گونجنے لگتیں۔ آپ نے بڑے غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے برصغیر کے مسلمانوں کو حج کی ترغیب لانا ضروری ہے۔ آپ نے دوسرے کاموں کی نسبت سب سے پہلے مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ کیا کہ اللہ کے فرائض کی ادائیگی کسی صورت میں ساقط نہیں ہوسکتی۔ اور عملاً اس کا سبق اس طرح دیا کہ ۱۸۲۰ء کے آخر میں کلکتہ سے تقریباً ساڑھے تین سو مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا قافلہ لے کر عازم حج ہوئے۔ آپ کے قافلہ میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی، جو بالکل تہی دامن تھے۔ آپ نے اعلان کیا کہ جو لوگ اس وقت وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کی غلط تفسیریں سے لوگوں کو حج سے روک رہے ہیں وہ بالکل غلط کہتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس زادِ راہ نہیں تو میں اس کے اخراجات ادا کروں گا۔ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کلکتہ سے عازم حج ہوئے تو آپ کی جیب میں صرف ایک روپیہ تھا۔

مگر یہ مردِ خدا کسی مشکل سے نہ گھبرایا۔ اس کے سامنے تو صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کی نافرمانی ہو رہی ہے۔ اور اس صورت میں خاموش بیٹھ رہنا اللہ کی نافرمانی میں تعاون ہے۔ سید صاحب ۱۸۲۱ء سے ۱۸۲۴ء تک عرب میں رہے۔ واپس آکر چند سال ہندوستان میں دعوت و تبلیغ میں مصروف رہے۔ آخر مجاہدین کی ایک جماعت لے کر سرحد میں پہنچے۔ آپ کے پیشِ نظر تھا کہ سرحد کو مستقر بنا کر ہندوستان کو برطانوی سامراج سے آزاد کرایا جائے گا۔ مگر غدارانِ ملت بدستور اپنے کام میں مصروف رہے۔ اور آخر آپ بالاکوٹ کے مقام پر شہادت کے بلند مقام پر فائز ہوگئے۔ آپ کے ساتھ ہی آپکے دستِ راست شاہ اسماعیل شہیدؒ بھی مرتبہ شہادت پر فائز ہوگئے۔ سید صاحبؒ کی شہادت پر فرنگی دور کے کاسہ لیسانِ فرنگی خوش تھے کہ فرنگی کی حکومت بچ گئی اور کاسہ لیسانِ فرنگی کی اجارہ

رہبانیت کا تقدس بچ گیا۔ مگر وہ یہ بھولے ہوئے تھے :

ے نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اللہ کے وہ نیک بندے جو مدت سے انفرادی طور پر اپنے محدود حلقہ اثر میں پہلو بدل بدل کر کفر و طغیان اور شرک و بدعات کے خلاف اپنے قلبی جذبات سے آگے نہ بڑھ سکتے تھے اُن کے سامنے اب واضح راستہ کھل چکا تھا۔ پھر کیا ہوا ؟ :

اس جماعتِ حقہ نے ایک پوری صدی تک انگریز کو ننگی کا ناچ نچایا۔ پھانسیوں پر لٹکے، کالا پانی پہنچے، جیلوں میں انسانیت سوز تشدد کا نشانہ بنے۔ جائدادیں قرق کرائیں مگر : ع یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اُتار دے

ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا اور تیسرے کے بعد چوتھا پروانہ وار آگے بڑھتے رہے اور کفر و طغیان اور شرک و بدعت کی بھڑکتی آگ میں کود پڑتے رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا دامن تھامنے والے یوں مٹنے والے نہ تھے۔ برطانوی سامراج نے کوئی ایسا حربہ نہ چھوڑا جو اُن پر نہ آزمایا۔ مگر یہ لوگ سیلِ رواں کی مانند تھے۔ ایک لہر اُٹھ کر جب جبر و استبداد کے پہاڑوں سے ٹکرا کر ختم ہو گئی، تو اس کے ساتھ ہی دوسری لہر اُبھر آئی۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ ہی ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو گیا۔

انگریز نے اِس جماعت کو مٹانے کے لیے ایک طرف جیلوں کے دروازے کھول دیے۔ دوسری طرف کالے پانی کی سزائیں دینی شروع کر دیں۔ تیسری طرف سرِ راہ پھانسیوں کے پھندے لٹکا دیے۔ چوتھی طرف علمائے سوء سے فتووں کے انبار لکھوا کر شائع کیے اور وہابی وہابی کی چیخ و پکار سے زمین و آسمان ملا دیے۔ پانچویں طرف مرزا قادیانی کی قسم کے لوگوں سے جہاد کے خلاف حرام ہونے کے اعلان کرائے۔ چھٹی طرف سے غیر مسلموں کو ان پر اقتصادی، معاشی اور مالی امورات میں مسلط کرنے کے وسائل وسیع کیے۔ ساتویں طرف گدی نشینوں، درجبہ و دستار کے حامیین کو اپنی سرپرستی میں لے کر تبلیغی انداز

میں پھیلا کر اس جماعت کے خلاف بہتان طرازیوں سے عوام کو متنفر کرنے کی کوشش کی مگر اپنوں اور بیگانوں کی اس چو طرفہ یلغار میں بھی وہ لوگ اپنے متعین کردہ راہ سے بال بھر بھی دائیں بائیں نہ ہٹے۔ یہاں تک کہ مٹانے والے خود مٹ کر رہ گئے۔ الغرض جماعت اہلحدیث کی سرگرمیوں کی وجہ سے انگریز کے لیے پوری انیسویں صدی پھانسی کا پھندا بنی رہی۔

ان نفوسِ قدسیہ کے حالات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کے لیے آج انسانی طاقتیں معذور و مجبور ہیں۔ کس کس کا ذکر کیا جائے۔ اور کس کس کی قربانی اور سرفروشی کو لکھا جائے۔ اور پھر کون بتا سکتا ہے کہ کتنے لاکھ ایسے پاکیزہ نفوس گذرے ہیں جن کا ہم نام تک بھی نہیں جانتے۔ کتنی پاکیزہ ہستیاں کہاں کہاں کس کس مقام پر کیا کیا کر گذری ہیں؟

سطورِ ذیل میں ایک ہلکا سا خاکہ صرف تبرکاً پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ بروزِ حشر ہمیں نبی علیہ السلام کی شفاعت اور ان بزرگانِ دین کی معیت نصیب فرمائے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ :

سید صاحبؒ کے دستِ راست۔ سید صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو انہیں کے ہو رہے۔ بغل میں قرآن، گلے میں تلوار، دُنیا و مافیہا سے بے خبر، تن، من، دھن اللہ کی رضا جوئی میں قربان! یہ مردِ خدا اپنی مثال آپ ہی تھا۔

نواب صدیق حسن خان اتحاف ص۱۴۱ پر لکھتے ہیں: "منقول و معقول میں پہلوں کی یاد بھلا دیتے تھے۔ فروع و اصول میں آئمہ کو پرے بٹھا دیتے ہیں۔ جس علم میں ان سے بات کرو گے جان لو گے کہ وہ فن کے امام ہیں۔ ایک دفعہ وعظ میں فرمایا کہ جو وضع میں چاہتا تھا کسی نے بھی اختیار نہ کی اور وہ افراط و تفریط کے درمیان توسط کی راہ تھی۔ ڈاکٹر اقبال کہا کرتے تھے کہ ہندوستان نے ایک مولوی پیدا کیا اور وہ اسماعیلؒ کی ذات تھی۔

(اسماعیل شہید از عبد اللہ بٹ)

یہاں پہنچ کر میں اپنے اندر نہایت بے چینی، بے بسی اور مجبوری کی کیفیت پاتا ہوں۔

کس کے ذکر کو مقدم کروں اور کس کو مؤخر رکھوں؟ کس کی کون کونسی خوبی لکھوں؟ کہاں تک لکھتا چلا جاؤں؟ کیا لکھوں اور کیا چھوڑ دوں؟ ان جواہرات کے انبار میں سے کس موتی کی آب و تاب کا کونسا وصف بیان کروں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنوں اور بیگانوں کے چو طرفہ حملوں سے بچ کر کس کے حالات تاریخ کے اوراق میں ملیں گے۔ مجھے اپنے عجز، کم علمی، بے بضاعتی اور معلوماتی فقدان کا اعتراف ہے۔ بہرکیف جو کچھ فراہم کر سکا ہوں افسوس کہ اُسے بھی کما حقہٗ آپ کے سامنے پیش کرنے کی اپنے آپ میں سکت نہیں پاتا۔ اس وقت میرے دِلی جذبات میرے قابو میں نہیں ہیں۔ میں اپنے آپ میں ان کے حالات پیش کرنے میں انتہائی طور پر کمی پاتا ہوں۔ حکیم امجد علی مصنف بہارِ شریعت جو جماعت اہلحدیث کو ایک نیا فرقہ کہتے ہیں اور ان کے ہم خیال جو محراب و منبر سے آج تک گلے پھاڑ پھاڑ کر وہابی وہابی کی رٹ لگانے سے نہیں تھکتے، ذرا اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر اپنے ایمان کو سامنے رکھ کر اور اللہ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے جواب دیں کہ انیسویں صدی میں آپ کے اسلاف کیا کر رہے تھے؟ کونسی دینی خدمت انجام دے رہے تھے، جب یہ نفوسِ قدسیہ احیائے قرآن و سنت کے لیے آگ اور خون کا کھیل کھیل رہے تھے۔

میرے دوستو! ہم سب نے مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور ایک روز ضرور حاضر ہونا ہے۔ نفسانی تعصب، ہٹ دھرمی اور بیجا ضد کو چھوڑ کر اپنے نفسوں کا محاسبہ کر کے بتائیے کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور تاریخ کیا کہہ رہی ہے؟ یہاں تبرکاً چند ایک کے صرف ناموں پر ہی پر اکتفا کرنا پڑا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمت بخشی تو جلد ہی ان کی مکمل تاریخ پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

مولانا نذیر حسینؒ: ۱۲۲۰ھ میں سورج گڈھ ضلع مونگیر میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۴۲ھ میں دہلی آ گئے۔ مولانا عبد الخالق سے چند کتب پڑھیں۔ پھر شاہ عبد القادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ سے چند کتب پڑھیں۔ مولانا عبد الخالق نے اپنی صاحبزادی ان کے نکاح میں دے دی

۱۲۸۵ھ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یمن، نجد، سنوس، اندلس، افغانستان، کشمیر، کاشغر، برما، چین اور جاوا تک آپ کے شاگرد پھیلے ہوئے تھے۔ سرسید کہتے ہیں۔ آپ زبدۂ اہلِ کمال اور اسوۂ اربابِ فضل و افضال تھے۔ غدر کی لپیٹ میں آئے اور راولپنڈی پہنچائے گئے۔ عدالت میں آپ کے نام لکھا ہوا ایک خط پیش کیا گیا کہ نخبۃ الفکر بھیج دیجیے۔ وکیلِ استغاثہ نے کہا نخبۃ الفکر کیا ہے؟ آپ جلال میں آ گئے اور کہنے لگے: "توپ کا گولہ ہے، مشین گن ہے" آخر آپ کو آزادی ملی اور دہلی پہنچ گئے۔ (بہادر شاہ ظفر)

مولانا نذیر حسینؒ کے بعد آپ کے خلفِ اکبر مولانا محمد شریف نے یہ سلسلہ چلانے کی کوشش جاری رکھی۔

رسالدار عبدالحمید خان :۔ ٹونک میں ممتاز عہدے پر فائز تھے۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر باقی زندگی سید صاحب کے ساتھ وقف کر دی۔

میاں جی محی الدین :۔ شاہِ بخارا کے پاس دعوتِ جہاد لے کر پہنچے۔ جنگ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

نواب وزیر الدولہ ٹونک :۔ ۱۳ اکتوبر ۱۸۳۴ء کو مسند آرائے حکومت ہوئے۔ کثیر الدعا اور نہایت منکسر المزاج تھے۔ تہجد اور ظہر کے علاوہ تمام نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ بڑے جید عالم تھے۔ "وصایا الوزیر علیٰ طریق البشیر والنذیر" آپ کی تصنیف ہے۔ جس سے آپ کے تبحرِ علمی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

سید قطب علی، جعفر علی :۔ ضلع بستی کے بہت بڑے زمیندار تھے۔ بقول شیخ محمد اسحاق گورکھپوری دونوں بھائی زہد و تقویٰ اور علم و فضل میں بے مثل تھے۔ سید جعفر علی کی ہجرت اور سفر کے حالات آگے آئیں گے۔

اللہ داد خان یُنی :۔ روہیل کھنڈ کے بہت بڑے زمیندار اور رئیس تھے۔

مولوی سید محمد علی رام پوری :۔ تبلیغ کے لیے مدراس کو مستقر بنایا۔ اور تھوڑے عرصہ میں وہاں دینی انقلاب پیدا کر دیا۔ (تنبیہ الضالین)

مولوی محمد قاسم :- بیٹے کے علاقہ میں مبلغ تھے۔

حافظ قطب الدین :- وسطِ ہند میں تبلیغ کرتے رہے۔

مولانا محی الدین بن ہبتہ اللہ بن نور اللہ :- بڑھانہ ضلع مظفر نگر کے تھے۔ شاہ عبدالعزیز کے گھر آپ کی پھوپھی تھیں اور شاہ صاحب کی صاحبزادی آپ کے نکاح میں تھیں۔ آپ نے سید صاحب سے حضورِ قلب کی استدعا کی۔ سید صاحب نے دو رکعت نماز پڑھائی آخر انھیں کے ہو رہے۔ (وصایا نواب وزیرالدولہ)

مولانا محمد یوسف پھلتی :- شاہ ولی اللہ کے بھائی شاہ اہل اللہ کے پوتے تھے۔ وصایا حصہ دُوم میں نواب وزیرالدولہ لکھتے ہیں کہ: "علم میں بے مثل اور عمل میں بے بدل تھے"

سید ابو محمد اور سید ابوالحسن :- بڑے خوبصورت اور خوب رو نوجوان تھے۔ سید صاحب کے ساتھ ہی رہے۔

قاضی محمد حبان :- کانڑا غوربند آزاد سرحد کے باشندے تھے۔ بہت بڑے عالم ذکی الطبع، غیور اور خوش تقریر تھے۔ (جماعت مجاہدین ص۱۵۱)

مولوی خیرالدین شیرکوٹی :- سید صاحب کی طرف سے دنتور اور ایلارڈ کی طرف سفیر بن کر گئے تھے۔ (جماعت مجاہدین ص۱۵۵)

شیخ بلند بخت اور شیخ علی محمد :- میرٹھ۔ مظفر نگر اور سہارنپور میں تبلیغ کرتے رہے۔ پھر سید صاحب کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔

مولوی مظہر علی عظیم آبادی :- اونچے درجے کے عالم اور نہایت غیور تھے۔ مجاہدین کا قافلہ لے کر سید صاحب کے پاس پہنچے۔

شیخ محمد اسحاق گورکھپوری :- شاہ عبدالعزیز سے فیض حاصل کیا۔ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

ارباب بہرام خان :- تہکال کے رئیس تھے۔ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

٥ مفتی صدرالدین آزردہ متوفی ۱۲۸۰ھ :- جن کے متعلق سرسید لکھنے سے پہلے

لکھتے ہیں :

؎ ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبیست

ایسے باکمال صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ آپ نظری اور علمی طور پر اہلحدیث تھے۔ چنانچہ آپ کا مشہور رسالہ "منتہی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال" آپ کے اہلحدیث ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ عملی طور پر ڈاکٹر اقبال کی طرح حنفی تھے۔

نواب صدیق حسن خان۔ نواب یوسف علی خان رامپوری۔ سر سید۔ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی۔ مولوی فیض الحسن۔ حکیم محمد الحسن امروہی۔ احمد حسن مراد آبادی۔ مولانا سید نواب کئی آپ کے مشہور تلامذہ میں سے تھے۔

○ <u>شاہ غلام علی</u> : متولد ۱۱۵۶ھ۔ آپ کا نام پڑھ کر سینکڑوں مقلدین کی جبینیں شکن آلود ہوں گی۔ مگر انھیں کیا معلوم کہ ان کے سب سے بڑے پیر اور جلیل المرتبت پیر بھی اہلحدیث تھے۔

آپ کے اوصاف میں آج تک ہزاروں صفحات پر مشتمل بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ آپ شاہ غلام علی کے عرف سے ہی مشہور ہیں۔ مگر آپ کا اصل نام عبداللہ تھا۔ جو آپ کے چچا نے نبی علیہ السلام کی بشارت پا کر رکھا تھا (عبدالنبی اور عبدالمصطفیٰ نام رکھنے والے غور کریں) آپ نے صبح کی نماز تمام عمر اوّل وقت میں پڑھی۔

<u>جنرل محمد بخت خان</u> :- اس مردِ خدا نے دہلی پہنچ کر جب فوجوں کا انتظام سنبھالا تو جنگِ آزادی لڑنے والوں کا حوصلہ چار چاند ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ جس وقت جنرل موصوف دہلی میں وارد ہوئے تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک پوربی وضع کا نوجوان کندھے پر انگوچھا ڈالے تلوار گلے میں حمائل کیے شاہی قلعہ کی طرف جا رہا ہے۔ بعد میں لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہی جنرل محمد بخت خان ہے۔ اگر مرزا مغل کی غلط اندیشی اور الٰہی بخش کی غداری اس کی راہ میں روڑے نہ اٹکاتی تو یہ مردِ خدا ایک بار پھر ہندوستان کو آزاد کرا چکا تھا۔

"جنرل بخت خان جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ہیرو حضرت سید احمد شہید کی تحریک انقلاب کا معتقد اور اپنے عہد کے انقلابی علماء کا پیرو کار تھا۔" (سیارہ ڈائجسٹ اگست ۱۹۶۵ء)

اگر بہادر شاہ ہمایوں کے مقبرے سے جنرل بخت خان کی ہمراہی قبول کر لیتا تو شاید ایک بار پھر ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہو جاتی۔ بعض روایات کے مطابق جنرل موصوف جنگ مایار میں مجاہدین کے ساتھ شہید ہوا۔

<u>مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی</u> :- یہ بھی جنگِ آزادی کے نامور مجاہدوں میں سے ہیں۔ شاہ صاحب کی زندگی کا جب ہم غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ از اوّل تا آخر اس تحریکِ آزادی کو پروان چڑھانے اور کامیاب بنانے میں مساعی کرتے رہے۔ مولانا احمد اللہ شاہ کی حوصلہ مندی، اولوالعزمی، ہمت، شجاعت اور پختگیٔ ایمان کی تعریف ان کے دشمنوں نے بھی کی ہے۔

تیتو میر :- نثار علی عرف تیتو میر ۱۷۸۲ء میں چاند پور بنگال میں پیدا ہوئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد حج کیا۔ مقامی زمیندار سے چپقلش ہو گئی۔ زمیندار نے حکم دیا کہ جو لوگ تیتو میر کے معتقد ہو کر وہابی ہو گئے ہیں۔ اگر داڑھی رکھیں گے اور مونچھیں ترشوائیں گے تو ان کو سوا روپیہ جرمانہ ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بھی پابندیاں عائد کیں۔ تیتو میر نے زمیندار کو لکھا کہ میں اپنے دینِ اسلام کی خدمت کر رہا ہوں۔ میرے ان کاموں سے ناراضگی کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ ہمارے مذہب میں مداخلت نہ کریں۔ وہابی نام کا دنیا میں کوئی مذہب نہیں۔

آخر ہندو زمیندار نے مسلمانوں پر جھوٹے دعوے دائر کر کے بقایا کی ڈگریاں حاصل کر لیں۔ ۲۳ اکتوبر ۱۸۳۱ء کو تیتو میر نے جہاد کی نفیر پھونک دی۔ زمیندار کی مدد کے لیے فوج پہنچ گئی اور چار سو آدمیوں کو بھون کے رکھ دیا۔ تیتو میر غیر شرعی رسموں سے روکتے تھے، قبروں کی پوجا سے منع کرتے تھے۔ داڑھیاں رکھنے کی تاکید کرتے تھے۔ غیر مسلموں کے رسم و رواج سے منع کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ایسا لباس پہنو جس سے تم غیر مسلموں سے ممتاز نظر آؤ۔

○ شاہ نعمت اللہ ولی :- متوفی ۷۳۰ھ جن کا قصیدہ پیشین گوئی مختلف وقتوں میں مختلف قسم کے اشعار میں شہرت پاتا رہا۔ یہاں اس قصیدہ کا ذکر خارج از موضوع ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ غیر مقلد اور اہلحدیث تھے۔ شاہ نواز خان نے مآثر الامرا میں ان کا ایک قطعہ نقل کیا ہے جو ان کے عقائد پر دلالت کرتا ہے :

گویند مرا چہ کیش داری	اے بے خبراں چہ کیش دارم
از شافعی و ابو حنیفہ	آئینہ خویش پیش دارم
این ہمہ تابعانِ بدانند	من مذہبِ جد خویش دارم

آخری شعر ذرا غور سے پڑھیے۔ آپ صاف کہہ رہے ہیں کہ آئمہ کرام اپنے باپ دادوں کے مذہب پر ہیں اور میں اپنے جدِ اعلیٰ کے مذہب پر ہوں۔

قاضی محمد مچھلی شہری :- والیہ بھوپال نواب شاہ جہان بیگم تمام ملکی امورات اپنے شوہر نواب صدیق حسن خان کے مشورہ سے انجام دیتی تھیں۔ جس وقت ریاست کے قاضی القضات مولانا زین العابدین فوت ہوئے تو نواب صاحب نے قاضی القضات کی آسامی کے لیے کسی عالم کی تلاش شروع کی۔ ایک دن خواب میں مولانا سید عبداللہ غزنوی[۱] نے قاضی محمد صاحب کے نام اور حلیہ سے آگاہ کیا۔

اچانک قاضی صاحب چند روز کے بعد بھوپال وارد ہوئے۔ نواب صاحب نے قاضی صاحب کو دیکھا تو حضرت غزنوی کا خواب یاد آ گیا۔ اور قاضی صاحب کو قاضی القضات بنا دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۲۹۷ھ کا ہے۔

مولانا سلامت اللہ جیراجپوری :- نواب صدیق حسن خان کے مشورہ سے بھوپال میں خطیبِ اعظم مقرر ہوئے۔ تمام عمر تنخواہ نہیں لی۔

مولانا محمد بشیر سہسوانی :- بھوپال میں مدارس کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ قیامِ بھوپال کے زمانہ میں مولانا عبدالحی لکھنوی سے تحریری مناظرہ ہوا۔ ۱۳۰۷ھ میں فوت ہوئے۔

ناصر خان بھٹ گرامی :- سقوطِ بالاکوٹ کے بعد اسی نے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کی۔ جان محمد جراح اور عبدالرحیم جالندھی نے سقوطِ بالاکوٹ کے بعد مجاہدین کی مرہم پٹی کی۔ اللہ دین پھلی اور خضر خان قندھاری نے سقوطِ بالاکوٹ کے بعد مجاہدین تک بالاکوٹ کے حالات پہنچائے۔

مولانا نصیر الدین منگلوری :- ان کی سالاری میں مجاہدین نے درہ بھوگڑ منگ کا مورچہ سنبھال رکھا۔

شیخ ولی محمد پھلتی :- جو سید صاحب کی شہادت کے بعد امیر بنے تھے۔

صاحبزادہ محمد نصیر :- تندجیاڑ کے سب سے بڑے پیر تھے۔ جنہوں نے مجاہدین کو سقوطِ بالاکوٹ کے بعد سنبھالا۔

---

[۱] : مولانا سید داؤد غزنوی کے جدِ بزرگوار

ملا مقام ساکن چھپر گرام :- ناصر خان کا پیر اور سید صاحب کا معتقد۔ اس کی وجہ سے مجاہدین کو بہت آرام پہنچا۔

محمد امیر خان قصوری :- قصور کا پٹھان تھا۔ گیارہ سال کی عمر میں بغرضِ جہاد گھر سے نکلا۔ آخری زندگی نواب وزیر الدولہ کے ہاں گذاری۔

سید نصیر الدین دہلوی :- سید ناصر الدین خانبیری کی اولاد سے تھے۔ شاہ رفیع الدین کے نواسے تھے۔ جہاد کے ارادہ کے لیے نکلے تو عبدالرحیم سواتی۔ مولوی بہاء الدین چنیاپی، احمد سادہ کار۔ امام الدین سوزن ساز ساتھ تھے۔ آپ کو امیر بنایا گیا۔ آپ نے ٹونک۔ اجمیر میرٹھ۔ امروہہ۔ رام پور اور اطرافِ دہلی کی طرف تبلیغی دورے کیے۔ احیائے دین اور ردِ بدعات میں آپ نے بہت کام کیا۔ آپ کی نظر نہایت دور رس اور طبیعت سلجھی ہوئی تھی۔ ۳ر ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ کو بغرضِ جہاد ہجرت کی۔ شیخ تقی الدین الٰہ آبادی۔ حاجی عبدالرحیم سواتی۔ شیخ عبدالکریم شاہ جہان آبادی۔ سید عبدالرحیم بنگالی۔ عبدالکریم غازی پوری۔ شیخ عبداللہ گورکھپوری۔ امباز خان ناگپوری۔ اللہ بخش الٰہ آبادی۔ امجد علی بنگالی۔ محمد علی شاہ افغانستانی۔ افضل شاہ کاشمیری۔ نور محمد پنجابی۔ مولوی ابراہیم اورنگ آبادی۔ کریم خان بریلوی۔ شریعت اللہ سہارنپوری۔ احمد بیگ دکنی اور ان کے علاوہ اور بہت سے اصحاب جو برصغیر کے مختلف حصوں سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے ساتھ تھے۔ تفصیل پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر کے کونے کونے سے لوگ آپ کے پاس بغرضِ جہاد پہنچے۔ جے پور کے راستے نواب وزیر الدولہ کے پاس پہنچے۔ پھر اجمیر جودھ پور۔ جیسلمیر اور پیر کوٹ کا دورہ کیا۔

مولوی نصیر الدین لکھتے ہیں کہ میں مخدوم عبدالخالق کے پاس پہنچا تو اہلِ سندھ کی عادت کے مطابق نیز شغل و ذکر میں انہماک کے باعث نماز میں تاخیر دیکھی۔ میں نے ان کے سامنے مشکوٰۃ کی احادیث اور دُرِّ مختار کی روایات پیش کیں۔ مخدوم صاحب نے میری بات مان لی اور نماز میں تاخیر ترک کر دی۔

سید ابراہیم شاہ گمبٹ کے بہت بڑے پیر تھے۔ وہ ختمِ قادریہ میں ایک تسبیح

یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کی پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ان کے خلیفوں کو ایسے طریقہ سے سمجھایا کہ انہوں نے اس کے ممنوع ہونے کا اقرار کر لیا۔ اور اول وقت میں نمازیں پڑھنے لگے۔

آپ یہاں سے حیدرآباد اور پیر منگاری، ہالہ، کوٹ تاج محمد سے ہوتے ہوئے ٹونہرہ پہنچے۔ ہالہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے وہاں کے گدی نشین کو جہاد میں شامل ہونے کی دعوت دی تو اس نے جواب دیا کہ ”اگر پیرانِ سندھ ہمراہِ شما خواہند رفت ما نیز حاضر ہستیم“۔

افسوس کہ اس وقت کے اکثر عالم اور پیر قرآن سے کس قدر بے بہرہ ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ۔

”کیا تم گمان کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک یہ نہیں جانا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں“۔

یہ بڑی بڑی گدیوں کے مالک۔ یہ قوم کی جیبوں سے ہزاروں روپے حاصل کرنے والے پیر یہ جبہ و دستار کے حامل عالم کس طرح فریضۂ جہاد سے منحرف تھے۔ بلکہ انگریزوں کی ہمنوائی میں رطب اللسان تھے۔ مولوی سید عبدالکریم، میاں لطف اللہ نے بھی اپنی شمولیت کو جماعت کی فراہمی کے ساتھ مشروط کیا۔ گویا اس وقت مجاہدین کی فراہمی کا فرض صرف سید نصیر الدین کے ذمہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعت اہلحدیث نے جس وقت علمِ جہاد بلند کیا۔ مقلدین سیفت و عزیمت کی روح سے محروم ہو چکے تھے۔

مولوی صاحب نے سندھ میں بیٹھ کر ایک بار پھر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اپنی آواز پہنچائی۔ یہ بڑی لمبی داستان ہے کہ سید نصیر الدین کتنا عرصہ یہاں رہے اور پھر مجاہدین کے مرکز ستھانہ میں پہنچے۔ ۱۲۴۲ھ میں وہیں فوت ہو گئے۔ سید نصیر الدین شاہ اسحٰق کے داماد تھے۔ سید صاحب کے بعد سید نصیر الدین نے مسلمانوں کا جمود توڑا اور ان کے سامنے ایک نصب العین رکھا۔ مولانا سید نصیر الدین کے مخاطبوں میں چھ سو تک ایسے اشخاص کی تعداد ملتی ہے جو اپنے وقت کے بلند پایہ عالم یا بلند سطح کے زمیندار، تجار اور رؤسا

تھے۔ سید اولاد حسن قنوجی والد نواب صدیق خان شوہر ملکہ عالیہ بھوپال بھی ان کے متبعین میں شامل تھے۔

مبارز الدولہ :- ناصر الدولہ کا بھائی تھا۔ اس نے صراطِ مستقیم اور تقویۃ الایمان پڑھیں تو شرک و بدعت اور منہیات کے تمام مراسم ترک کر دیے۔ حرم میں چار عورتیں رکھ کر باقی فارغ کر دیں۔ اس کے دربار میں آداب و تسلیمات کے بجائے سلام مسنون جاری ہو گیا۔ افسوس کہ ان کی یہ اسلام دوستی ان کے بھائیوں کو پسند نہ آئی اور انھیں گولکنڈہ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ جہاں وہ عظیم شخصیت واصلِ بحق ہو گئی۔

مولانا شریعت اللہ :- آپ فرائضی تحریک کے بانی کے نام سے مشہور ہیں۔ بہادر پور ضلع فرید پور میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں حج کے لیے گئے اور ۱۸۰۲ء میں بیس سال کے عرصہ کے بعد واپس آئے۔ وہ اپنے ساتھ بیش قیمت کتابوں کا ذخیرہ لائے۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تو آپ خود ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور اپنے زہد و اتقا کی بنا پر ان سب کو پرہیزگار اور عبادت گذار بنا دیا۔ وطن میں پہنچ کر اصلاح کا کام شروع کیا۔ ملا نے حسبِ معمول مخالفت کی مگر آپ خاموشی سے ردِ بدعات و شرک میں مشغول رہے۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی آپ نے ایک کثیر گروہ اپنے گرد اکٹھا کر لیا۔ ۱۸۴۰ء میں فوت ہو گئے۔

دودو میاں :- مولوی محمد محسن المعروف دودو میاں آپ کے بیٹے تھے۔ آپ نے تحریک کی باگ ڈور سنبھال لی۔ آپ نے علاقہ بھر میں اسلامی طرز پر پنچایتیں قائم کیں۔ اور آخر میں الارض للہ کا نعرہ بلند کیا۔ ان کی تحریک کو فرائضی تحریک اس لیے کہتے ہیں کہ وہ فرائض کی بجا آوری پر بڑا زور دیتے تھے۔ بنگال کے ایک بڑے حصے پر اُنھوں نے ایک طرح کی متوازی حکومت قائم کر لی تھی۔ ان کے حلقۂ اقتدار میں شرک و بدعت کہیں دیکھنے کو بھی نہ ملتا تھا۔ دودو میاں کی وفات کے بعد یہ تحریک ختم ہو گئی مگر ردِ بدعات میں جو اثر لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو چکا تھا وہ آج تک موجود ہے۔

○ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی زبیری کا خاندان

اس خاندان کے متعلق اس قدر کہنا کافی ہے کہ :-

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

- ○ مولانا فتح علی زبیری عظیم آبادی [۵۱]
  - ○ مولانا ولایت علی متولد ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰-۹۱ء
    - ○ مولانا عبد اللہ متوفی ۱۹۰۲ء
      - ○ عبد القدوس
      - ○ مطیع اللہ
        - ○ نعمت اللہ
          - ○ ہدایت اللہ
            - ○ نور الہدیٰ
          - ○ صبغۃ اللہ
          - ○ آیات اللہ
      - ○ امان اللہ
        - ○ رحمت اللہ
      - ○ عبد السبوح
    - ○ ہدایت اللہ
    - ○ مولوی عبد الکریم متولد ۱۲۵۷ھ متوفی :- ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء
    - ○ مولوی محمد حسین فریح
  - ○ مولانا عنایت علی
    - ○ حافظ عبد المجید
  - ○ مولانا طالب علی
  - ○ مولانا فرحت حسین
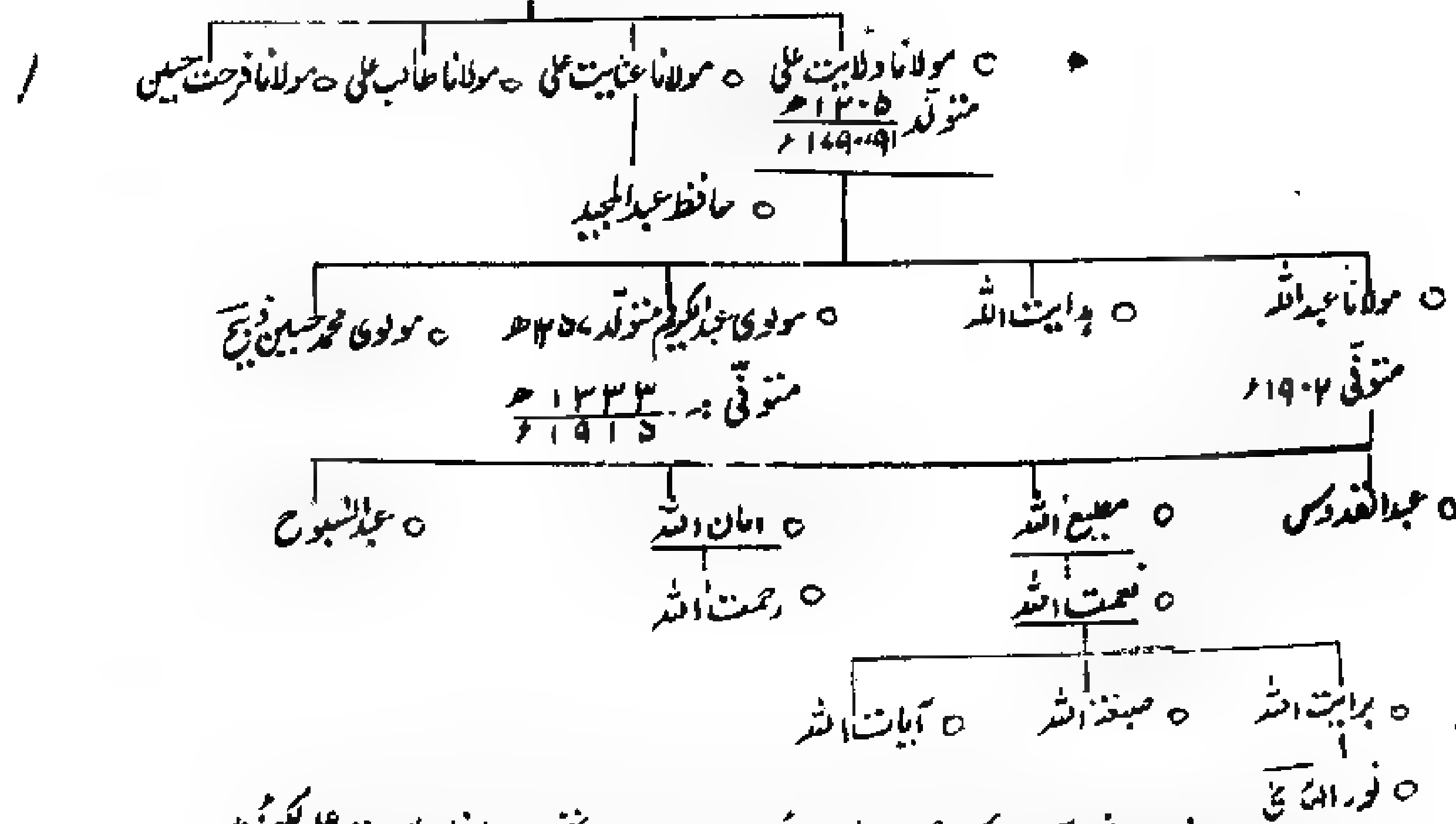
مولانا فتح علی عظیم آباد کے بہت بڑے رئیسوں میں سے تھے۔ مولانا ولایت علی لکھنؤ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ سید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ بس انھیں کے ہو کر رہ گئے۔ صرف ولایت علی ہی نہیں بلکہ ان کا تمام خاندان یعنی مولانا فتح علی، مولانا عنایت علی، مولانا طالب علی

---

[۵۱] : اس زبیری خاندان کا تعلق سیدنا زبیر بن عوام سے نہیں بلکہ زبیر بن عبد المطلب سے ہے انہی زبیر کو وفات کے وقت عبد المطلب نے اپنا جانشین اور وصی قرار دیا تھا یہی زبیر نبی علیہ السلام کے کفیل تھے زبیر بن عبد المطلب کی وصایت اور نبی علیہ السلام کی کفالت کے حالات کے لیے دیکھیے انساب الاشراف بلاذری۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۴۵۵۔ نسب قریش صفحہ ۲۹، التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۰۶، کتاب المحبر ابو جعفر متوفی ۲۴۵ صفحہ ۱۶۲، سیرۃ الحلبیہ ج ۱ صفحہ ۱۴۱، ۱۲۲، حاشیہ ۱۸، بہجۃ المحافل ۱/۴۷۔ البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۱، حیات محمد محمد حسین ہیکل صفحہ ۱۱۵، الف آت محمد صفحات ۱۰، ۱۵، ۱۸، رحمۃ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۹۰، الروض الانف سہیلی صفحہ ۱۱۵، جمہرۃ الانساب ابن حزم حاشیہ صفحہ ۱۳، طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۹۹، الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۵، السیرۃ النبویۃ والآثار المحمدیہ علامہ دحلان صفحہ ۱۳۱ حاشیہ صفحہ ۱۰۲، ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۳۶۷۔

انہی زبیر کے بیٹے عبد اللہ کی اولاد میں چودہ واسطوں سے بہار میں ایک جلیل القدر بزرگ محمد معروف بہ تاج فقیہ منیری ہوئے ہیں یہ خاندان ہمیشہ سے علم و فضل کا مرکز رہا آج کل کراچی میں اس خاندان کے کافی لوگ آباد ہیں جن میں سے پروفیسر محمد مسلم بن محمد یوشع بن حافظ عبد المجید بن مولانا عنایت علی قابل ذکر ہیں

مولانا فرحت حسین اور ان کے اقربا میں مولانا شاہ محمد حسین، مولوی الٰہی بخش، مولانا احمد اللہ مولانا یحییٰ علی، مولانا فیاض علی، مولانا باقر علی سب نے ارادت کا حلقہ اپنی گردن میں ڈال لیا۔ مولانا ولایت علی کو سید صاحب نے سرحد سے بغرضِ جہاد و تبلیغ دکن کی طرف بھیج دیا۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد مولانا حیدرآباد۔ برہان پور، سیونی، نرسنگھ پور اور جبل پور سے ہوتے ہوئے عظیم آباد پہنچے۔ اس کے بعد بنگال، اڑیسہ اور الٰہ آباد میں دعوت و تبلیغ کا منظم سلسلہ جاری کیا۔

آپ کی تبلیغ کا انداز نرالا تھا۔ جولاہوں کی کھڈیوں پر پہنچتے، کسانوں سے کھیتوں میں ملتے اور بدزبانوں کی بدزبانی شربت کی طرح پی جاتے۔ (تذکرہ صادقہ)

مولانا عنایت علی اپنے بھائی سے دو تین برس چھوٹے تھے۔ آپ نے ضلع جیسور کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا۔ مولانا عنایت علی نے سرحد میں پہنچ کر مجاہدین کا انتظام سنبھالا اور اپنے بھائی کو بلایا۔ اللہ کی شان عظیم آباد کا یہ لکھ پتی خاندان کتاب و سنت کے تمسک میں سب کچھ بھول کر گھر بار ترک کر کے دربدر ہو رہا ہے۔ مولانا ولایت علی تبلیغ و ارشاد کے دوران دہلی بھی پہنچے۔ مسجد فتح پوری کے قریب ایک مکان میں قیام کیا۔ نواب زینت محل کے استاد مولانا امام علی اور مشہور شاعر حکیم مومن خان بھی آپ کے وعظ میں موجود ہوتے۔ جب آپ کا ذکر بادشاہ اور بیگم تک پہنچا تو قلعہ معلّٰی میں دعوت دی گئی۔ مولانا قلعہ میں پہنچے۔ بادشاہ نے آگے بڑھ کر لبِ فرش تک استقبال کیا، اپنے ساتھ بٹھایا اور تعظیم کی۔ مولانا نے وعظ شروع کیا تو اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ کی تلاوت کی۔ وزیرِ اعظم نے کان میں کہا کہ بادشاہ کے سامنے عذاب بیان کرنے کا دستور نہیں۔ مگر آپ نے بے تکلف عذابِ قبر، ہنگامۂ حشر اور عذابِ دوزخ کا بیان بڑے تشدد سے کیا۔ جس سے تمام بیگمات اور شہزادے متاثر ہو کر رونے لگے۔ (تذکرہ صادقہ)

آپ کی تصنیفات میں رسالہ ردِ شرک۔ رسالہ عمل بالحدیث۔ رسالہ اربعین۔ رسالہ دعوت۔ رسالہ تکبیر الصلوٰۃ۔ رسالہ ثمرہ با شجرہ۔ رسالہ تبیان الشرک خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ آخر یہ آفتاب ۱۹۔۸۔۱۹۶ء کو ستھانہ کی خاک میں غروب ہو گیا۔

○ <u>مولانا عنایت علی</u>:۔ مولانا ولایت علی کے بعد مجاہدین کے امیر بنے سینکڑوں انقلابات میں ڈوبتے ابھرتے ۱۲۷۴ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

○ <u>مولانا عبداللہ</u>:۔ مولانا عنایت علی کے بعد امیر بنے۔ انہیں کے دورِ امارت میں امبیلہ کے میدان میں چار سو مجاہدین انگریزوں کی بے پناہ فوج سے ٹکرا گئے۔ یہ کوئی نمائشی کارروائی نہ تھی بلکہ یہ دکھانا مقصود تھا کہ جب زبانی دعوت کا وقت ختم ہو جائے تو عملی دعوت کیسے دی جاتی ہے۔

اس منظر کو دیکھ کر اخوند صاحب سوات کوتل گھوڑے پر بیٹھے تاب و ید نہ پا کر کبھی اِدھر دوڑتے اور کبھی اُدھر دوڑتے، اور کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے:

الٰہی بدہ فتح اسلام را　　بکن غرق خصم بد انجام را

○ <u>مولانا الٰہی بخش کا خاندان</u>

- ○ مولانا احمد اللہ (پیدائش ۱۸۰۸ء)
  - ○ حکیم عبدالحمید
  - ○ مولانا عبدالقدیر
- ○ مولانا فیاض علی
- ○ مولانا یحییٰ علی
- ○ مولانا عبدالرحیم
  - شمس العلماء مولانا محمد عیسٰی عرف امجد علی
  - ○ مولانا محمد یوسف رنجور
- ○ مولانا اکبر علی

○ <u>حکیم عبدالحمید</u>:۔ مولانا لقمان ندوی انہیں خاقانی ہند کہا کرتے تھے۔

○ <u>مولانا عبدالقدیر</u>:۔ جہاد کے بعد مختلف مقامات پر ہیڈ ماسٹر رہے ۱۹۰۸ء میں وفات پائی۔

○ <u>مولانا محمد عیسٰی</u>:۔ عرف امجد علی تھا، شمس العلماء کا خطاب پایا۔ علی گڑھ اور الٰہ آباد میں عربی کے پروفیسر رہے۔ ۱۹۲۱ء میں وفات پائی۔

○ <u>مولانا محمد یوسف رنجور</u>:۔ خان بہادر اور شمس العلماء کا خطاب ملا۔ کلکتہ بورڈ میں چیف ممتحن رہے ۱۹۲۳ء میں وفات پائی۔

اس متبرک اور پاکیزہ خاندان نے تمسک کتاب و سنت کے جرم میں جو سختیاں برداشت کیں۔ آج انہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

جب ان کے خلاف مقدمہ چلا تو اس وقت مولانا یحییٰ کی عمر ۴۷ سال تھی۔ مولانا عبدالرحیم

کی عمر ۲۸ سال تھی۔ انہیں عبور دریائے شور اور ضبطی جائداد کی سزا ہوئی۔ عین عید کے روز پورے خاندان کو گھروں سے نکال دیا گیا اور ایک سوئی تک ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی۔

ان کے علاوہ ٹھیکیدار محمد شفیع۔ مولانا جعفر تھانیسری۔ قاضی میاں جان۔ میاں عبدالغفار۔ منشی عبدالکریم۔ عبدالغفور۔ الٰہی بخش۔ حسینی عظیم آبادی۔ حسینی تھانیسری کو ضبطیٔ جائداد اور عبور دریائے شور کی سزائیں ملیں۔

مولانا مبارک علی :۔ حاجی پور بہار کے رہنے والے تھے۔ مشہور اہلحدیث عالم مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں کہ عجیب قیامت کا سماں تھا جب عظیم آبادی خاندان پر یہ دبار نازل ہوا اس وقت مولانا مبارک علی نے تنظیم جماعت کا کام سنبھالا۔
(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک)

ہنٹر لکھتا ہے کہ اس وقت وہابیوں کی دیکھ بھال کے لیے سکاٹ لینڈ کے ایک تہائی حصے جتنا خرچ ایک صوبے میں ہو رہا ہے۔ (ہندوستانی مسلمان)

مولانا عبدالرحمان :۔ مولانا ولایت علی کے خلیفہ تھے۔ مالدہ کے ایک گاؤں میں رہائش پذیر تھے۔ گاؤں کے بچوں کو پڑھاتے اور خفیہ طور پر رقمیں فراہم کر کے مجاہدین کو بھیجتے۔

رفیق منڈل :۔ جماعت اہلحدیث کے سرگرم کارکن تھے۔ ۱۸۵۳ء میں گرفتار ہوئے تو تمام کاروبار اپنے بیٹے امیرالدین کے حوالے کر دیا۔ دریائے گنگا کے دونوں کناروں پر آپ کے ہزارہا عقیدت مند تھے۔ یہ بھی گرفتار ہوئے اور ضبطیٔ جائداد اور عبور دریائے شور کی سزا ملی۔

ابراہیم منڈل :۔ بزرگانِ عظیم آباد سے ان کا تعلق تھا۔ ۱۸۶۸ء میں گرفتار ہوئے عبور دریائے شور اور ضبطیٔ جائداد کی سزا ہوئی۔ اسلام پور اور اس کا نواحی علاقہ ان کی وجہ سے آج تک دینداری اور اخلاقی برتری میں ممتاز مقام رکھتا ہے۔

پیر محمد۔ امیر خان۔ حشمت داد خان۔ مولوی مبارک علی۔ مولوی تبارک علی۔ حاجی دین محمد اور امین الدین اپنے وقتوں کے بعض ٹھیکیدار اور بعض کروڑ پتی اور بعض

بلند مرتبہ عالم تھے۔ سب اس لپیٹ میں آئے اور سزایاب ہوئے (بڑا وہابی مقدمہ انگریزی)

ملا صاحب کوٹھا عرف حضرت جی :۔ آپ کا روحانی تعلق سید صاحب سے تھا۔ ہندوستان میں سید صاحب کے نیازمندوں پر وہابیت کی تہمت لگ چکی تھی اور جب اس کی صدائے بازگشت سرحد میں پہنچی تو ملا صاحب کوٹھا پر بھی وہابی ہونے کا الزام لگایا گیا۔

اخوند صاحب سوات کو آپ سے کچھ رنجش تھی۔ جب ملا صاحب پر وہابی ہونے کی تہمت لگی تو اخوند صاحب کو ایک حربہ ہاتھ آ گیا۔ جب ملا صاحب کو معلوم ہوا تو خود سوات اخوند صاحب کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ کی مجلس میں مجھ پر بد اعتقادی اور مذہبی تہمت اور الزام لگایا جاتا ہے میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ اپنے مریدوں اور علماء کو بلائیں اور میں اپنے آپ کو ان کے سامنے تحقیق کے لیے پیش کرتا ہوں۔ اگر مجھ پر الزام ثابت ہو تو سزا دی جائے یا توبہ قبول کی جائے۔ اخوند صاحب نے جواب دیا کہ مجھے آپ کے متعلق کسی بدعقیدگی کا شبہ نہیں۔ اور نہ مجھے اتنا علم ہے کہ آپ سے بحث و مذاکرہ کروں۔ جو لوگ ایسی باتیں کہتے ہیں مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔

مگر ملا صاحب کے خلاف وہابیت کی سازش کامیاب ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ ملا صاحب کے ایک خاص عقیدت مند باری خیل فرقے کو بھی جلاوطنی کی سزا دی گئی۔ ملا صاحب چودڑی پہنچے مگر وہاں بھی مخالفین نے پیچھا نہ چھوڑا۔ اور بڑی کوشش سے وہابیت کی تہمت کی بنا پر ملا صاحب کے خلاف فتویٰ دے دیا[1]۔ اس وقت ملا صاحب کے ساتھ بہت کم جمعیت تھی۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اور دیر تک دعا میں مصروف رہے۔ پھر فرمایا کہ اگر بارہ مخلص افراد اخلاص سے جانی قربانی پر آمادہ ہو جائیں تو یہ مورد ملخ کا لشکر شکست کھا جائے گا۔ مگر تعداد بارہ تک نہ پہنچ سکی۔ صرف گیارہ افراد

---

[1] : کتنی قابلِ غور بات ہے کہ کفر کے خلاف جہاد کرنے والوں کے خلاف کفر کا فتویٰ دے کر ان کے خلاف لشکر کشی کی جاتی ہے۔ مقلدین حضرات کے لیے لمحہ فکریہ!

تباہ ہوئے۔ جب یہ لوگ باہر نکلے تو چار سو امان زئی بھی ساتھ ہو گئے اور اس زور کا
حملہ کیا کہ خانہ ساز کفر کے مدعی بھاگ نکلے۔ اور ملا صاحب واپس کوٹھا پہنچ گئے۔

(کتاب العبرۃ سید عبد الجبار شاہ)

مولانا غلام رسول صاحب قلعہ میہان سنگھ: - بہت بڑے عالم، مصلح اور ولی اللہ تھے۔ آپ ملا صاحب کوٹھا کے پاس پہنچے تھے۔ سلسلہ بیعت دریافت کیا تو انہوں نے سید صاحب کا نام لیا۔ آپ لکھتے ہیں کہ ملا صاحب کوٹھا کے وظائف مطابق سنت تھے۔ (سوانح حیات)

○ **مولانا سید عبد اللہ غزنوی:** - کتاب و سنت کی پیروی کی بنا پر افغانستان کے حق ناشناس ملاؤں کے شور و شغب کے باعث ترک وطن کر کے سوات پہنچے۔ اخوند عبد الغفور بڑی مروت سے پیش آئے۔ مگر جب حاسدوں کا نوشتہ آپ کے پاس پہنچا تو بلا تحقیق مروت کا دامن کھینچ لیا۔ سید عبد اللہ وہاں سے کوٹھا پہنچے اور آخر ہندوستان وارد ہوئے۔ غزنوی خاندان کی دینی خدمات سے کون ناواقف ہے۔

مولانا شاہ عبد الجلیل شہید علی گڑھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

مولانا بزرگ علی اور شاہ اسحٰق سے تلمذ تھا۔ سید صاحب سے بیعت تھے۔ علی گڑھ میں خطیب تھے ۱۸۵۷ء میں شہید ہوئے۔ مولانا اسماعیل آپ کے خلف الرشید تھے۔ بھوپال میں قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا مگر نواب چھپاری کی مفارقت برداشت نہ کر سکے۔

○ **نواب صدیق حسن خان:** - نسبًا سید تھے۔ مسلکًا اہلحدیث، غیر مقلد، تمام عالم اسلام میں اہلحدیث کے سرخیل تھے۔ ملکہ عالیہ بیگم بھوپال کے خاوند تھے۔

○ **مولانا وحید الزماں:** - صحاح ستہ کا اردو میں ترجمہ کیا۔

○ **مولانا الطاف حسین حالی:** - سرسید کہتے ہیں کہ جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تم کیا لائے ہو تو میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں۔ شرک و بدعت کے رد میں اس سے بہترین نظم (مسدس حالی) کسی نے آج تک کسی زبان میں نہیں لکھی۔

لکھوی خاندان

○ حافظ مولانا بارک اللہ

لہ حافظ مولانا محمدؒ۔ مشہور عالم و مفسر۔ تفسیر محمدی آپ نے لکھی۔

مولانا عبد الرحمٰن۔ جنہوں نے سید نذیر حسین دہلوی سے حدیث پڑھی۔

مولانا محمد علی لکھوی۔ سالہا سال چمر کنڈ میں رہے پھر ۱۹۳۸ء کو ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور سالہا سال مسجد نبوی میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

مولانا محمد بشیر اور ان کا خاندان

○ حافظ محمد اسماعیل۔ جو سید صاحب کے ایک نیازمند مولوی حیدر علی کے مرید تھے

مولانا رحیم بخش۔ دہلی میں مولانا نذیر حسین سے حدیث پڑھی۔ چینیانوالی مسجد میں امام رہے۔ آپ کے بعد مولانا عبد الواحد غزنوی امام ہوئے۔

مولوی عبد الرحیم عرف محمد بشیر متولد ۱۸۸۵ء ○ مولوی عبد الرحمٰن ایک لڑکی

○ عبد الحکیم ○ عبد العلیم ○ عبد العظیم ایک لڑکی

مولانا محمد بشیر نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی۔ لاہور میں ایک دار الاشاعت قائم کیا۔ مگر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر افغانستان چلے گئے۔ کابل کے دربار میں بھی آپ کا کافی رسوخ تھا۔ ۱۹۴۳ء کے آخر میں عبد الحلیم نامی ایک آدمی کے ذریعے انگریزوں نے مولانا کو شہید کرا دیا۔ مولانا محمد علی قصوری لکھتے ہیں کہ مولانا محمد بشیر حیرت انگیز انسان تھے۔ ان کی انتظامی

لہ: حافظ مولانا بارک اللہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے پنجابی اشعار میں فقہ کی مشہور کتاب انواع بارک اللہ لکھی۔ مگر حافظ مولانا محمدؒ نے تقلید ترک کر کے قرآن و حدیث کے دامن میں پناہ لی۔

قابلیت اور سیاسی سوجھ بوجھ بے مثال تھی۔ مجسمۂ عمل۔ خلوص کے پتلے اور بہت اچھے مقرر تھے۔ (مشاہداتِ کابل و یاغستان)

انگریزوں نے عبدالعلیم نامی ایک نوجوان کو تربیت دے کر یاغستان بھیجا جس نے وہاں جاکر مولانا کو شہید کر دیا۔

ع۔ آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

مرزا مظہر جانِ جاناںؒ :۔ دسویں صدی کے مشہور بزرگ ہیں۔ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ اور نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔ (معمولات مظہریہ ص۷۵)

۵ حافظ مولانا عبدالمنان وزیر آبادی :۔ آپ سورت میں ایک منطقی سے منطق کا علم پڑھنے کے لیے گئے۔ اُس نے کہا کہ رفع یدین ترک کر دو تو منطق پڑھاؤں گا آپ نے ترک رفع یدین کا اعلان کر دیا تاکہ منطق کا علم حاصل کر سکیں۔ رات کو آپ نے نبی علیہ السلام کو ایک مجلس میں وعظ فرماتے ہوئے سُنا آپ بھی آ گئے بیٹھے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ اس اندھے کو باہر نکال دو۔ اس نے میری سنّت کو چھوڑ کر گندگی کو اختیار کر لیا ہے۔ اس کے بعد حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے منطق کو ترک کر دیا۔ اور رفع یدین کا ہمیشہ کے لیے عامل ہو گیا۔

مولانا محمد صاحب جونا گڈھی اور ان کے فرزند مولانا محمد سلیمان۔ مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی۔ مولانا حافظ عبدالستار دہلوی۔ مولانا عبدالستارؒ امیر جماعت غرباء اہلحدیث اور ان کے جانشین وغیرھم کی خدماتِ اسلام سے کون ناواقف ہے۔

مولانا نواب خان عالم اور ان کے دونوں بیٹے مولانا نواب جہان خان، مولانا نواب خیرالدین اور ان کے داماد مولانا محمد عثمان جو مولانا سید حیدر علی کے بھائی سے جو شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ میں سے تھے علم حدیث حاصل کیا اور مدراس کے علاقہ میں شرک و بدعت کے رد اور قرآن و حدیث کی اشاعت کا کام کیا۔

مولانا نواب متوجہ جنگ بہادر اور ان کے نواسے مولانا عبدالرحمن شاطر نے بھی ردِ بدعات و شرک میں بڑا کام کیا۔ نواب صاحب آخر عمر میں ہجرت کر کے مکہ چلے گئے

تھے۔

مولانا عبدالوہاب بن محمد غوث جن کی تصنیف ذیل اللآلی کے ساتھ جس کا نام "کشف الاحوال فی نقد الرجال" ہے نے بھی بڑا کام کیا۔ اس کتاب میں انہوں نے سیوطی کی موضوعات کی تعقیب کی ہے۔ یہ کتاب ۱۲۷۷ھ میں چھپ چکی ہے۔ (معارف نومبر ۱۹۲۹ء)

مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی : ۱۹۰۲ء میں اسمست پہنچے اور امیر عبدالکریم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ریلوے میں ملازم تھے ملازمت ترک کر کے جماعتی کاموں کے لیے تمام ہندوستان میں دورے شروع کیے۔ تمام ممتاز ملکی رہنماؤں سے تعلقات تھے ۱۹۲۰ء کے قاضی کوٹ کے اسلحہ کے مقدمہ میں ان کا نام بھی آیا۔ چمرکنڈ میں مولانا محمد بشیر سے اختلاف پیدا ہو گئے۔ اواخر جولائی ۱۹۴۸ء میں واپس آئے اور گرفتار ہو گئے۔ کانگرس سے بھی تعلق رہا۔ جہاد کشمیر میں بھی حصہ لیا۔ نہایت مخلص اور سرگرم کارکن تھے۔ آپ کی کوششوں سے مجاہدین کو علاقہ میں چند مرتبے ملے۔

مولوی ولی محمد فتوحی والا : بقول مولانا محمد اسحٰق عموماً چارپائی پر کھڑے ہو کر وعظ فرماتے تھے۔ حالانکہ مقرر اور خطیب اپنی تقریروں میں زور پیدا کرنے کے لیے عمدہ لباس پہن کر ممبروں پر کھڑے ہو کر وعظ کہتے ہیں۔ مولوی صاحب کی تقریر میں بڑا اثر ہوتا تھا۔ جو بے نماز آپ کی مجلس میں پہنچ گیا، نمازی بن گیا۔ سینکڑوں افراد آپ کی وجہ سے اہلحدیث ہوئے۔

مولوی عبدالرزاق۔ مولانا محمد حسین بٹالوی اور سید عبدالجبار غزنوی سے تعلق تھا۔

صوفی عبداللہ : ۱۹۳۲ء میں لائلپور میں ایک دینی درس گاہ قائم کی جس میں اِس وقت مختلف ممالک کے سینکڑوں طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ صوفی صاحب کے بیان کے مطابق مولانا عین القضاۃ لکھنوی۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی۔ مولانا زین العابدین ڈھاکہ۔ مولانا لیاقت الوری۔ ڈاکٹر فرید دربھنگہ۔ مولانا عبداللہ سینا مڑھی۔ مولانا عبدالسبحان جھنگرادا۔ حافظ شریف جھمکا۔ حافظ عبدالغفور زلام۔ حافظ اسحٰق دہلوی۔ حافظ حمید اللہ کشن گنج

حاجی خدا بخش جودھپوری۔ محمد حنیف جودھپوری۔ مولانا ابراہیم بنارسی۔ سیٹھ عبدالمتین بنارسی
سیٹھ عبداللہ کوچین۔ سیٹھ داؤد دہلوی۔ حاجی عطاء اللہ روڈانوالہ۔ حاجی ابراہیم ماڑی ناری
حافظ عبداللہ غازی پوری۔ مولانا عبدالجبیر غازی پوری جماعت اہلحدیث کے سرگرم رُکن
تھے۔[1]

مولوی سلطان محمد:۔ ملازم سرکاری چھاپہ خانہ ہو کر بڑے سرگرم اہلحدیث ہوئے ہیں۔

مولانا عبداللہ پشاوری کے اسمائے گرامی سے کون واقف نہیں۔ مولوی عبداللہ کا یہ واقعہ دیکھنے والے آج بھی زندہ ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں مولانا کو انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں تقریر کی دعوت دی گئی۔ دورانِ تقریر پنجاب کا بدنامِ زمانہ اور شقی الفطرت گورنر اڈوائیر آگیا۔ کارفرمایانِ انجمن نے مولوی صاحب سے التجا کی کہ وہ اپنی تقریر ختم کر دیں۔ چنانچہ مولانا نے فوراً دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے اور کہنے لگے "اے اللہ مسلمانوں کو قوتِ ایمان دے۔ انہیں اسلام پر ثابت قدم رکھ۔ یہ دے، وہ دے وغیرہ وغیرہ اور مجمع ہر آواز پر آمین آمین کہتا رہا۔ مولوی صاحب یک لخت پلٹا کھا کر کہنے لگے اے اللہ! مسلمانوں کو حکومت کا مزہ بھی چکھا دے، اگر انگریزوں کی نہیں تو روس کی ہی سہی اہلِ جلسہ نے آمین کہی" اور مولوی صاحب مجمع سے یہ جا وہ جا، اور اڈوائیر جو اردو بھی سمجھتا تھا منہ دیکھتا ہی رہ گیا۔

○ ابو الوفاء مولانا ثناء اللہ امرتسری:۔ والد کا نام خضر جو تھا۔ جو کشمیر سے ہجرت کر کے امرتسر آ گئے تھے۔ اور پشمینہ کا کاروبار کرتے تھے۔ پہلے آپ نے مولانا احمد اللہ سے شرح جامی اور قطبی تک کتابیں پڑھیں۔ پھر حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے باقی کتبِ درسیہ پڑھ کر ۱۸۸۹ء میں فارغ ہو کر میاں نذیر حسین کے پاس پہنچے۔ وہاں سے دیوبند پہنچ کر معقول و منقول میں سندِ فراغت حاصل کی۔ واپس آ کر مدرسہ تائید الاسلام میں

[1] : جماعت اہلحدیث کو نیا فرقہ کہنے والے غور کریں۔ کیا ہندوستان کا کوئی حصہ اس جماعت کے سرگرم کارکنوں سے انیسویں صدی میں کہیں خالی نظر آتا ہے۔

درس و تدریس پر مامور ہوئے۔ اُس وقت آریہ اور عیسائی اسلام پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی غلام احمد قادیانی کا فتنہ پورے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ مسلمانوں میں سے اِس سہ رُخہ یلغار کا مقابلہ صرف مولانا محمد حسین بٹالوی نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا مولانا ثناء اللہ نے آپ کا پورا ساتھ ہی نہ دیا بلکہ پورے طور پر میدان میں اُتر آئے۔

ردِ عیسائیت اور ردِ آریہ میں درجنوں پمفلٹ اور کتابیں لکھیں۔ اور مرزائیت میں بھی کتابیں لکھیں اور آخر آپ کے ساتھ مباہلہ کے نتیجہ میں غلام احمد قادیانی کی موت واقع ہوئی۔ ساتھ ساتھ تفسیر نویسی بھی جاری رکھی۔ اور "اہلحدیث" کا اجرا کیا۔ جس نے نصف صدی سے زیادہ اسلام کی خدمت کی۔ ردِ شیعیت میں بھی کئی ایک کتابیں لکھیں۔

ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مولانا ادیانِ باطلہ کے مقابلہ میں تنِ تنہا سینہ سپر ہیں اور علماء سُو آپ پر کفر کے فتوے جڑ رہے ہیں۔ مگر آپ ان کی کہی سُنی اَن سُنی کر کے خدمتِ اسلام میں لگے رہے۔ ایک بار اخبار ندائے مدینہ کے شیخ الاسلام نمبر میں آپ کے متعلق لکھا گیا تھا کہ:

اگر پورے دُنیائے اسلام کے اکابر علماء کسی ایک مجلس میں جمع ہوں اور بیک وقت عیسائیوں، آریوں، سناتن دھرمیوں، ملحدوں، نیچریوں، قادیانیوں، شیعوں، منکرین حدیث چکڑالویوں، بریلویوں اور دیوبندیوں سے غرض ہر فرقہ سے ایک ایک گھنٹہ مسلسل تحریری بحث و مذاکرہ کی نوبت آئے تو عالمِ اسلام کی طرف سے کون کون ہستیاں ہوں گی؟ مجھے معلوم نہیں لیکن پاکستان، ہندوستان، برما، لنکا، جزیرہ جاوا، سماٹرا کی طرف سے ایک ہستی پیش ہو سکتی تھی۔ اور وہ ہستی بھی شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تھی۔

○ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ:۔ علامہ مرحوم ۵۸ سال کی عمر میں جو کہ انتہائی طور پر عقل کی پختگی کا زمانہ ہوتا ہے، ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں کہ میرے مذہبی اور دینی عقائد سب کو معلوم ہیں۔ میں عقائدِ دینی میں سلف کا پیرو ہوں۔ نظری اعتبار سے فقہی معاملات میں غیر مقلد ہوں۔ عملی اعتبار سے ابو حنیفہ کا مقلد ہوں۔ (روزگارِ فقیر)

شبِ آخر آمد و افسانہ از افسانہ می خیزد

مولانا عبدالوہاب

حضرت مولانا عبدالوہاب متولد ۱۲۸۰ھ

- مولانا عبدالستار متولد ۱۳۲۲ھ
  - حافظ عبدالغفار م ۱۳۴۷ھ
  - حافظ عبدالرحمن م ۱۳۵۲ھ
  - حافظ عبدالجبار م ۱۳۵۵ھ
  - حافظ محمد
  - حافظ محمد انس م ۱۳۶۸ھ
- مولانا عبدالخالق
- مولانا عبدالقہار
- مولانا عبدالواحد
- مولانا عبدالقدیر
- مولانا عبدالحی
- مولانا عبدالرحمن مکی
- مولانا عبدالودود
- مولانا عبدالاحد
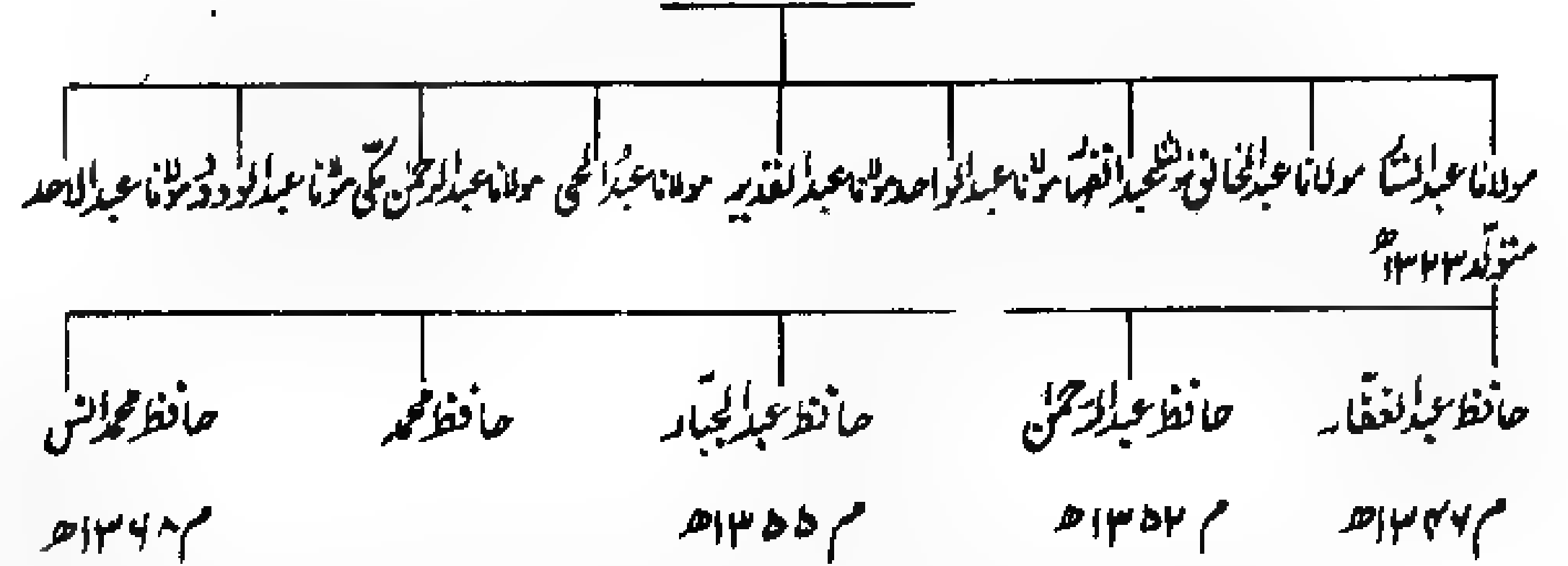
مولانا اور آپ کے برادرِ خورد مولانا نور محمد نے حافظ محمد صاحب لکھوی سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اور چند ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد حضرت مولانا عبداللہ غزنوی کی خدمت میں امرت سر حاضر ہوئے۔ بلوغ المرام اور ریاض الصالحین وغیرہ سے فارغ ہو کر سید نذیر حسین صاحب کی خدمت میں دہلی پہنچے۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ دہلی احناف کی مسجد سرائے حافظ بنہ میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا منصور الرحمن تلمیذ امام شوکانی بھی ہیں۔ بیس سال کی عمر میں مدرسہ دارالکتاب والسنتہ کی بنیاد رکھی۔ ہر جگہ مقلدین نے مخالفت کی۔ ۱۳۲۵ھ میں رنگون کے عقیدت مندوں نے بلایا۔ وہاں کے احباب نے کافی رقم دی جو مدرسہ دارالکتاب والسنتہ پر خرچ کی۔ آپ کے تلامذہ میں سے چند ایک نے بہت شہرت حاصل کی۔

محدثِ کبیر مولانا عبدالجلیل متولد ۱۳۱۱ھ۔ ابو محمد عبدالجبار کھنڈیلوی۔ خطیب الہند مولانا محمد بن ابراہیم محدث جونا گڑھی۔ امام الحرمین مولانا عبدالظاہر مکی۔ مفتی اسلام حضرت مولانا عبدالستار المتوفی ۱۳۲۹ھ۔ عالمِ ربانی مولانا عبدالجلیل محدث اسلاموی۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب اڈ۔ مولانا عبدالعزیز میمن پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی۔ مولانا محمد سورتی۔ مولانا عبدالرشید اٹاری۔ مولانا عبیداللہ اٹاری۔ مولانا نسیم الدین رنگپوری۔ مولانا عبدالحی میمن سنگھی۔ مولانا احمد اشرف مندوی۔ مولانا ابراہیم اور مولانا احمد حسن ٹرپادی۔ مولانا عبدالحمید بدھانوی۔ مولانا عبداللہ کلیوری۔ مولانا عبدالعظیم بستی۔ حافظ عنایت اللہ اثری۔

یہ وہ جلیل القدر ہستیاں ہیں جن میں سے ہر ایک پر الگ الگ کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے اکثر وفات پا چکے ہیں۔ اور باقی اس وقت پاک و ہند کے مختلف حصوں میں دعوت و تبلیغ میں مصروف ہیں۔ اور ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔

مولانا عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے شرک و بدعت کے خلاف بھرپور کوششیں کیں۔ لسانی اور عملی جہاد سے کئی مردہ سنتوں پر عمل کر کے لوگوں کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اس پر عمل کرایا۔ بارہ تکبیروں سے کھلے میدان میں نماز ادا کرنا مستورات کو عیدگاہ میں ساتھ لے جانا خطبہ جمعہ سامعین کی زبان میں ادا کرنا نماز جنازہ بالجہر پڑھنا۔ فسخ نکاح عورت مظلومہ۔ اذانِ جمعہ۔ کلمۂ توحید صرف لا الٰہ الا اللہ ہے اور مسئلہ اکراہ کے متعلق بھولے ہوئے سبق یاد دلائے۔ ان کے علاوہ سب سے بڑا جہاد گائے کی قربانی سے متعلق تھا۔ قوم پرست علما اور عام لوگوں نے ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے گائے کی قربانی بند کر دی۔ خلافت کمیٹی نے باقاعدہ گائے کے گوشت کے نقائص بیان کرنے شروع کر دیے تھے۔ علماءِ سوء نے یہاں تک فتویٰ دے دیا تھا کہ گائے کا گوشت کھانا گویا خنزیر کا گوشت کھانا ہے۔ جس طرح حج سے روکنے کے لیے انگریز نے علماءِ سوء سے فتوے لکھوائے تھے کہ ان حالات میں حج کرنا منع ہے اسی طرح انگریز نے علماءِ سوء سے یہاں بھی کام لیا۔ یہ براہِ راست مداخلت فی الدین مولانا کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ آپ خود گائے خریدنے کے لیے نکلے۔ دو گائیں خریدیں۔ ایک مخالفین نے بھگا دی، دوسری کو قصابوں نے ذبح کرنے سے انکار کر دیا۔ مولانا نے خود ذبح کی۔ جب گوشت بیل گاڑی پر لاد کر روانہ ہوئے تو بیلوں کو بھگا دیا اور گاڑی کا پہیہ نکال دیا۔ مجبوراً مولانا نے خود اور شاگردوں نے گوشت اپنے سروں پر اٹھایا اور مدرسہ میں لائے اور اس مٹتے ہوئے شعارِ اسلام کی حفاظت کی۔ آج پاک و ہند کی تمام موافق و مخالف جماعتوں کو اس بات کا اعتراف ہے کہ وائسرائے ہند فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر اس سال گائے کی قربانی نہ ہوئی تو گائے کی قربانی کو جرم قرار دیا جائے گا مگر جب ہندو اور مسلمان لیڈروں نے وائسرائے کو یاد دلایا تو اس نے کہا کہ چونکہ مولانا عبدالوہاب قربانی کر چکے ہیں، لہٰذا اب قانون بنانا ملک میں فساد پیدا کرنا ہے۔ اسی موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ ہندو مسلمان کا اتحاد ناممکن ہے۔ کفر اور اسلام آپس میں ضد ہیں اور دو ضدوں کا آپس میں اتحاد کیسا؟ اگر کفر و اسلام کا اتحاد ممکن ہوتا تو لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ فرمانے کی ضرورت کیا تھی۔ اگر اس وقت مولانا یہ جرأت نہ کرتے تو ۱۹۴۷ء تک گائے کی قربانی سے مسلمانوں کو قانوناً روک دیا جاتا۔

آپ کی وفات کے بعد مولانا عبدالستار نے جماعت کا انتظام سنبھالا۔ آپ نے پہلا قرآن بیت الحرام میں سنایا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے والد کے حکم سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۱۹۴۷ء میں

۱؎ : تفصیل سید صاحب کے حالات میں گزر چکی ہے۔

ہجرت کرکے کراچی پہنچے۔ اور بزنس روڈ پر مسجد اور مدرسہ تعمیر کرکے کام شروع کیا۔ آپکے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ حیاتِ مسیح۔ وجوبِ تقلید۔ رفع یدین۔ فاتحہ خلف الامام۔ اکراہ۔ زکوٰۃ وغیرہ پر آپنے متعدد مناظرے کیے اور کامیاب ہُوئے۔ آپنے صحیفۂ اہلحدیث اور متعدد تصانیف کے ذریعے احیائے کتاب وسنّت کا کام زندگی بھر جاری رکھا جو آپ کی وفات کے بعد بھی جاری ہے۔

نقد ونظر:۔ جماعت غرباء اہلحدیث کا چند فروعی مسائل میں جماعت اہلحدیث سے اختلاف ہے مگر زکوٰۃ کا جو نظام اس جماعت میں ہے وُہ عین کتاب وسنّت کے مطابق ہے۔ اگر تمام جماعت زکوٰۃ کے اس نظام کو اپنا لے تو آج متعدد خرابیوں کا قلع قمع ہوسکتا ہے ۱۳۸۷ھ کے رمضان المبارک میں راقم الحروف نے گوجرانوالہ سرگودہا، لائلپور اور لاہور کی اکثر مساجد میں دیکھا کہ ان کو دو جنوں اصحاب بطور سفیر فراہمیٔ زکوٰۃ کے لیے تشریف فرما ہیں۔ سب کا تقاضا یہی تھا کہ میں نے مدرسہ بنا رکھا ہے میرے پاس اتنے طلبا ہیں جن کی رہائش وخوراک میں احد کفیل ہُوں۔ مقامی جماعت بے حس اور غریب ہے، یہ ہے وُہ ہے اگر بعض سفیروں کے مقامات پر پہنچ کر معلوم ہُوا کہ وہاں سرے سے اہلحدیث ہی کوئی نہیں۔

یہ جماعت کے لیے ایک بڑا المیہ ہے۔ راقم الحروف نے چند ایک مقتدر علماء کرام کی خدمت میں عرض بھی کیا کہ مرکز میں آپ کی آواز سُنی جاتی ہے آپ مرکز کو اس طرف راغب کریں کہ جماعت غرباء اہلحدیث کراچی کی طرح ہر صاحبِ نصاب اپنی زکوٰۃ کا ایک حصہ مقامی ضروریات کے لیے رکھ کر باقی مرکز کو بھیج دے اور مرکز اپنے وسائل کو عمل میں لا کر جہاں ضرورت دیکھے وہاں رقم خرچ کرے اس سے متعدد فائدے حاصل ہوں گے۔ جھُوٹے سفیر فراہمیٔ زکوٰۃ سے رُک جائیں گے۔ مدارس میں ایک نظام اور ہم آہنگی پیدا ہوجائے گی۔ رقم حقدار وں پر صرف ہوگی، اور جماعت میں نظم وضبط بھی پیدا ہوگا۔ ہاں جو چند ایک مدارس جماعت میں اہم مقام رکھتے ہیں اور ان کی باگ ڈور حقیقتاً پاکیزہ نفوس کے ہاتھ میں ہے اُنھیں مستثنٰی بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

میں نے یہ تجویز حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی پیش کی تھی اور آپ نے اس پر غور کرنے کا وعدہ بھی فرمایا تھا مگر افسوس کہ :

ع   آں قدح بشکست و آں ساقی نماند !

کہاں تک لکھتا جاؤں۔ تبرکاً چند اسمائے گرامی اور سُن لیجیے :

قاضی محمد سُلیمان منصور پوری مصنّف رحمۃ للعالمین۔ مولانا عبدالتوّاب مُلتانی۔ مولانا عبداللہ گسے والا۔ صُوفی محمد سلیمان اور حکیم محمد عبداللہ روڑی والے۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی اور مولانا نصراللہ خاں عزیز کے اسمائے گرامی سے کون ناواقف ہے اور اس وقت پاکستان کا کوئی شہر اور قصبہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خالی نہیں جہاں اہلحدیث موجود نہ ہوں۔ لاہور میں بیسیوں مسجدیں ہیں جہاں سے دن رات قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ آپ لوگ محسوس کرتے جارہے ہیں کہ ہمیں آج تک نام نہاد مُلّا اور پیر نے محض اپنے جلبِ زر کے لیے اپنا آلۂ کار بنائے رکھا۔ یہ آواز نصف صدی تک امرتسر سے اہلحدیث ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچاتا رہا۔ پھر سوہدرہ سے یہ آواز بلند ہوتی رہی۔ اِس وقت صحیفہ کراچی، الاعتصام اور تنظیم اہلحدیث لاہور بحُسن وخوبی یہ فریضہ ادا کرنے میں منہمک ہیں۔ اور اس وقت ہزاروں عُلمائے کرام صرف مغربی پاکستان میں کتاب وسنّت کی تبلیغ و دعوت میں مصرُوف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ روز بروز لوگ تقلید کو ترک کرکے اعتصامِ کتاب وسنّت کی طرف کھچے آرہے ہیں۔

میں چند لمحات کے لیے آپ کو پھر پہلی صدی ہجری کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہُوں۔ آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ اس صدی کے مُسلمانوں کو علمِ حدیث اور اس کی اشاعت کے ساتھ عشق کی حد تک شغف رہا۔ وُہ بطور فاتح جہاں بھی پہنچے وہاں اُنہوں نے قرآن وحدیث کی درسگاہیں قائم کیں۔

سندھ کی اوّلین اسلامی ریاستوں (منصورہ اور دیبل) کا تعلق ۹۶ھ سے ۴۵۰ھ تک براہِ راست دمشق اور بغداد سے رہا۔ دمشق کے تعلق کے زمانہ میں سندھ میں صرف قرآن و حدیث کی تعلیم کی درسگاہیں تھیں۔ مگر بغداد کے تعلق کے زمانہ میں چند عہدیدار حنفیت کو ضرور ساتھ لائے ہوں گے۔ لیکن تاریخیں اس ضمن میں خاموش ہیں۔ منصُورہ کی اِسلامی ریاست ۴۱۶ھ تک یعنی محمود غزنوی کے حملہ سندھ تک قائم رہی۔ دیبل کی اسلامی ریاست ۶۲۷ھ تک قائم رہی۔ مگر اس کی خودمختاری ۵۲۷ھ میں فیروز شاہ خلجی کے زمانہ میں ختم ہوگئی تھی۔

اِن تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ شمالی مغربی دَرّوں کے راستہ آنے والے فسخین تک منصورہ، دیبل اور دکن کے ساحلی علاقوں کے مسلمان سب اہلحدیث تھے۔ قاضی عبدالکریم سمعانی متولد ۵۰۶ھ متوفی ۵۶۲ھ کی مشہور تصنیف کتاب الانساب میں سندھ منصورہ، دیبل اور لاہور کے نام ملتے ہیں۔ اس کتاب میں قبیلوں اور پیشوں کا ذکر کرتے ہُوئے ضمناً متعدد مقامات پر اہلحدیثوں کا ذکر آیا ہے مگر حنفیوں کا کہیں ذکر نہیں۔

معشر نجیح متوفی ۱۷۰ھ، رجا سندھی متوفی ۲۲۱ھ، ابُوعبداللہ محمد بن رجا، ابُوبکر محمد بن محمد بن رجا، ابُوعبداللہ نضر بن شمیل۔ مکی بن ابراہیم بن علی سندھ کے مشہور صاحب درس و تدریس اہلحدیث ہُوئے ہیں۔ محمد بن اسحٰق بن ابُوبکر، ابراہیم بن محمد اسی سطح کے فاضل تھے، بغداد اور مکہ میں درسِ حدیث دیتے رہے۔

ابُونصر فتح بن عبداللہ سندھی بہت بڑے محدّث تھے۔ ہمدان میں پہنچ کر درسِ حدیث شروع کیا۔

احمد بن سندھی بن فروخ بغداد جاکر درسِ حدیث دینے لگے۔

سُلطان محمود غزنوی کی فتوحات سے رُبع صدی پہلے یعنی ۳۷۵ھ میں مشہور عرب سیّاح ابُوالقاسم مقدسی سندھ میں آیا۔ وُہ سندھ کے اسلامی فرقوں کے ذکر میں لکھتا ہے و اکثرھم اصحاب الحدیث یعنی ان میں زیادہ تر اہلحدیث ہیں۔

وُہ منصورہ کے قاضی ابُو محمد کے ذکر میں لکھتا ہے کہ ان کا حلقۂ درس قائم تھا۔ انہوں نے حدیث پر چند رسائل بھی لکھے۔ (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص۴۸۱ لیڈن)

سمعانی نے منصورہ کے قاضی ابُوالعباس احمد بن محمد منصوری کا ذکر کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ وُہ عراق اور فارس کی سیاحت کر چکے تھے۔ مشہور محدّث اثرم سے حدیث کی سند لی۔ ابُوعبداللہ حاکم متوفی ۴۰۵ھ ان کے شاگرد تھے۔

سمعانی نے احمد بن محمد بن صالح کا ذکر بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ یہ بزرگ نہایت لطیف طبع تھے۔ یہ بھی عراق چلے گئے تھے۔ ان کے علاوہ سمعانی نے ابُوجعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی کا ذکر بھی کیا ہے جو امام ابنِ عیینہ کی کتاب التفسیر کے ابُوعبیداللہ سعید بن

عبدالرحمٰن مخزومی کے واسطہ سے اور امام عبداللہ بن مبارک کی کتاب البر والصلۃ کے ابُوعبداللہ حسین بن حسن مروزی کے واسطہ سے راوی ہیں۔

ابُوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلی نے مصر میں پہنچ کر حدیث کا حلقۂ درس قائم کیا۔ ابُوسعید بن یُونس ان کے شاگرد تھے۔

علی بن مُوسیٰ دیبلی بہت بڑے مُحدّث تھے۔

خلف بن محمد دیبلی نے بھی بغداد جاکر حدیث کا حلقۂ درس قائم کیا۔

سمعانی نے ابُوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری۔ ابُوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمان الاشعریُ لاہوری، ابُوالقاسم محمود بن خلف لاہوری جو سمعانی کے دادا امام ابُوالمظفر سمعانی کے شاگرد تھے۔ سمعانی نے ان سے چند روایتیں بھی کی ہیں۔ ۵۴۰ھ میں اسفرائن میں فوت ہُوئے۔

طبقاتِ ناصری[1] مصنف قاضی منہاج الدین میں صحیح سُنن ابُوداؤد کے حوالہ سے آپ نے تاتاریوں کے ہاتھوں اسلامی ملکوں کی پیشین گوئیوں کو احادیث سے جمع کیا ہے۔ نظام الدین اولیا ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ (اخبار الاخیار ص۴۲)

مناقب الاصفیا[2] میں شاہ مظفر شمس بلخی، خلیفہ حضرت مخدوم الملک کے حالات کے تحت لکھا ہے کہ صحیح مُسلم کا نسخہ جو عربی رسم الخط میں افرنجی کاغذ پر لکھا ہُوا تھا اُسی سے شیخ معز بلخی نے صحیح مُسلم پڑھی تھی۔ الغرض حدیث کا بے حساب ذخیرہ ہندوستان میں موجُود تھا۔

احناف پھر نمودار ہوتے ہیں

جب ہندوستان میں مُسلمانوں کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کے لیے اہلحدیث

---

[1]: طبقات ناصری صفحہ ۳۶۶

[2] مناقب الاصفیاء صفحہ ۱۵۰

پس منظر سے اُبھر کر سامنے آئے تو اُنہیں انگریزوں، مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کے علاوہ جن سے واسطہ پڑا افسوس کہ وہ لوگ بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے والے تھے۔ انگریزوں نے نصف صدی کے اندر اندر اپنے مخالفوں کا یا تو قلع قمع کر دیا تھا اور یا اُنہیں اپنی حسبِ مرضی اپنے ڈھب پر لا کر اپنا مرغ دست آموز بنا چکے تھے۔ انگریز اب بے دغدغہ ہندوستان کا شہنشاہ بن چکا تھا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی نے جس کے بڑے بڑے ہیرو اہلحدیث تھے اُسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ انگریز خوب جان چکا تھا کہ اس کا مستقبل اب اسی طرح محفوظ و مامون رہ سکتا ہے کہ غیر مسلموں کو پوری پوری غذا نہیں دے کر اُنہیں اپنا بنا لیا جائے۔ اُس نے اس مرحلہ سے فارغ ہو کر دیکھا تو اسے ابھی یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ مسلمانوں پر حکومت کرنا اپنے بس کا روگ نہیں۔ اس کا اُسے بالکل آسان اور سیدھا سادہ نسخہ صادق و جعفر بنا چکے تھے۔ لہذا اسی پر عمل شروع کر دیا گیا۔

ع اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

نہایت دُور اندیشی سے ولی اللّٰہی خاندان قرآن و حدیث کی اشاعت کی طرح ڈال چکا تھا۔ اِس خاندان سے بلا واسطہ جو لوگ مستفیض ہُوئے اُنہوں نے نہ صاف کُھل کر اجتماعی طور پر حصہ لیا اور اگر حصہ لیا بھی تو ہندوستانی بن کر نہ کہ بطور مُسلمان۔ اور نہ ہی اُنہوں نے تحریکِ جہاد کی مخالفت کی۔ اِسی گروہ میں سے مولانا محمد قاسم نے شاہ عبدالغنی سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ شاہ عبدالغنی نے شاہ اسحٰق سے اور اُنہوں نے شاہ عبدالعزیز سے علمِ حدیث پڑھا تھا۔

مگر جن لوگوں کو ولی اللّٰہی خاندان سے تعلق پیدا کرنے کا موقع نہ مِلا۔ یا عمداً اُنہوں نے اس "بدبختی سامراج" کے باغی خاندان کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا وُہ مجسم طور پر پکے ہُوئے آم کی طرح فرنگی کی گود میں جا گِرا۔ اوّل الذکر گروہ ثانی الذکر کو مشرک اور بدعتی کے نام سے پُکارتا ہے اور ثانی الذکر اوّل الذکر کو گلابی وہابی کہتے ہیں۔ حالانکہ دونوں شدت سے امام ابُو حنیفہ کے مقلد ہیں۔ اور باوجود اس بات کے کہ اوّل الذکر گروہ نے بلا واسطہ علمِ حدیث، جماعت اہلحدیث کے بزرگوں سے حاصل کیا۔ جماعت اہلحدیث کی مخالفت

میں گروہ ثانی سے پیچھے وہ بھی نہ رہے۔ ان کے تعصب اور تنگ نظری کی ایک مثال بھی سُن لیجیے :

"مفتی محمد حسن امرتسری جنہوں نے ہجرت کے بعد اچھرہ لاہور میں جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھی تھی، ایامِ جوانی میں حضرت تھانویؒ کی خدمت میں بیعت کے لیے پہنچے۔ حضرت تھانوی نے پُوچھا کہ تم نے علمِ حدیث کس سے پڑھا ہے۔ مفتی صاحب نے کہا مولانا محمد معصوم، مولانا عبدالجبار غزنوی اور مولانا نور احمد[ا] سے۔ یہ سُن کر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ پہلے کسی حنفی سے دوبارہ حدیث کا دورہ مکمل کرو۔ اور مفتی صاحب نے دو سال میں سید انور شاہ صاحب کے پاس دورہ حدیث مکمل کیا۔" (مخلصہ تذکرہ حسنہ) شاید مولانا تھانویؒ کو معلوم نہ تھا کہ انور شاہ صاحب مولانا محمود الحسن کے شاگرد تھے، اور وُہ مولانا محمد قاسم کے جنہوں نے خود ایک اہلحدیث عالم سے کتبِ حدیث پڑھی تھیں۔

اور پھر آگے چل کر مولانا رشید احمد نے یہ فتویٰ صادر کر کے تمام کسر پُوری کر دی کہ اہلحدیث کی اقتدا میں نماز ہی نہیں ہوتی۔

الغرض یہ قلبی عناد کیوں تھا؟ اس کی سب سے بڑی وجہ مقلد علماء کا دین میں من مانی کرنا تھا۔ بہر حال چونکہ دارالعلوم بالواسطہ علمائے اہلحدیث کے فیضانِ کرم کا نتیجہ تھا۔ اِس لیے علمائے دیوبند نے اکثر شرک و بدعت سے نفرت میں علمائے اہلحدیث کا ساتھ دیا۔ مگر وُہ جامد گروہ جو اس فیض سے محروم رہا اور قُل، بشر، حاضر و ناظر، نذر و نیاز، گیارھویں، تیجہ، چالیسواں اور فاتحہ الشیخ وغیرہ کے دھندوں میں پھنسا ہُوا تھا وُہ پکے ہُوئے آم کی طرح فرنگی کی جھولی میں جا گرا۔ "وہابیت" کے خلاف تکفیر کی مشین گنوں کے گز رہی تھے اور بدستور آج تک ہیں۔ ان لوگوں کے اذہان و قلوب اس حد تک مسخ ہو چکے تھے اور آج تک ہیں کہ وُہ قرآن و حدیث کو اپنی من گھڑت تاویلات کے سامنے پرکاہ جتنی وقعت

[ا] : اس وقت امرتسر تو درکنار پنجاب بھر کے علمائے احناف میں مولانا نور احمد کے پائے کا کوئی عالم نہ تھا۔ تمام امرتسر کے مُسلمان عیدین کی نمازیں آپ کی اقتدا میں پڑھتے تھے۔

نہیں دیتے۔

۱۹۳۸ء کا واقعہ ہے کہ میاں فیض اللہ نامی ایک بزرگ بطورِ بن بُلائے مہمان منظور خصر کشمیر میں ہمارے گھر وارد ہوئے۔ آپ پالکی میں سفر کیا کرتے تھے اور حضرت محمد قاسم موہڑوی کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کی مشہور کرامتوں میں سے ایک یہ بھی بیان کی جاتی تھی کہ آپ نے ڈوگرہ حکومت کے گاؤکشی کے قانون کے خلاف ایک بار دو بیلوں کی قربانی دی۔ پولیس کو معلوم ہوا تو بیلوں کا گوشت، کھالیں اور سر برآمد کر لیے گئے مگر رات ہی رات میں وہ گوشت، کھالیں اور سر بکروں کی کھالوں اور سروں کی شکل اختیار کر گئے۔ انہی کرامتوں کے حامل میاں صاحب ہمارے گھر ایک کمرے میں تشریف فرما تھے۔ فضل دین نامی ان کا ایک مُرید کسی عورت پر عاشق تھا وہ باہر بیٹھا ہوا میاں صاحب کو مخاطب کر کے اپنی حرماں نصیبی کی داستان سُنا رہا تھا۔ میرے بڑے بھائی محمد زمان صاحب سے نہ رہا گیا۔ اور فضل دین کو کہا باہر بیٹھ کر کیا مغز ماری کر رہے ہو اندر جا کر میاں صاحب سے عرض کرو۔ فضل دین بولا میاں صاحبزادے تمھیں کیا معلوم کہ میرا پیر عالم الغیب ہے وُہ میری باتیں یہاں سے ہی سُن رہا ہے۔ بھائی جان کو یہ سُن کر طیش آ گیا اُنہوں نے فضل دین کو ایک دھپڑ مار دیا اور کہا بدبخت! انسان تو کیا مُشرک کا نہ بکواس بک رہا ہے۔ فضل دین یہ شکایت لے کر اندر پہنچا اور میاں صاحب کو یہ واقعہ سُنایا۔ بس میاں صاحب ناراض ہو کر پچاس ساٹھ آدمیوں کا پکا ہوا کھانا چھوڑ کر چل نکلے۔ چند ایک مُریدوں نے کہا حضور کھانا تیار ہے۔ صاحبِ خانہ نے صرف محبتِ اسلامی کی بنا پر تکلیف اُٹھائی ہے اور وُہ آپ کے مُرید بھی نہیں مگر میاں صاحب نے فرمایا کہ جس گھر میں اہل اللہ کی تعظیم نہ ہوتی ہو اس گھر کا کھانا ہم پر حرام ہے۔

اِس قسم کے دین کا مرکزی مقام بریلی اس قسم کے لوگوں کا کعبہ تھا اور ہے۔ اور بریلوی دین کے پیرو کار بظاہر حنفی سہی مگر بباطن اللہ ہی جانتا ہے کہ وُہ کس ابُو حنیفہ کے مقلد ہیں۔ ان لوگوں کے مذہبی مفروضات کا فقہ حنفی کے ذخیرۂ ذخار کے کسی کونے کھدرے میں بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتے امام ابُو حنیفہ کا فتویٰ ہے کہ کسی اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہو مگر

اِس "درگاہِ عالی" سے تعلق رکھنے والے دینی ابجد سے بھی بے بہرہ اپنے مُنہ میں دس دس گز لمبی زبانیں رکھتے ہیں۔

اہلحدیث تو درکنار ان کی زبانوں سے ان کے حنفی بھائی بھی نہیں بچے۔ یہ اپنے سوا سب کو وہابی کہتے ہیں۔ بہارِ شریعت جلد اوّل میں امجد علی لکھتا ہے کہ یہ بنا فرقہ (یعنی دیوبندی حنفی وغیرہ) ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوا[1]۔ اس مذہب کا بانی محمد بن عبدالوہاب نجدی تھا۔ محمد بن عبدالوہاب نے کتاب التوحید لکھی اور ہندوستان میں اس کا ترجمہ اسماعیل نے کیا۔ (ملخص)

یہ غالی اور دین سے بے خبر ٹولہ اپنے آپ کو سوادِ اعظم کہتا ہے۔ اور اپنے آپ کے سوا سب کو کافر سمجھتا ہے۔ اس عقیدہ کے لوگ ساٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے زیادہ سے زیادہ تین کروڑ کی تعداد میں بھی مشکل ہوں گے اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم یہ ہے برِصغیر کے حنفیوں کا ہلکا سا تعارف۔ یہ سب کے سب بالواسطہ عُلمائے اہلحدیث کی علمی ضیا باریوں سے مستفیض ہیں۔ ان کا غالی فرقہ تو برِصغیر میں ہر مقام پر ملّت کا دُشمن رہا۔ اور اُنیسویں بیسویں صدی میں انگریز کا زلہ خوار رہا۔ معتدل خیالات رکھنے والے طبقہ میں بھی آج کل دو گروہ پیدا ہو گئے ہیں۔ حیاتی گروہ اور مماتی گروہ۔ حیاتیے نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کی دُنیوی زندگی کے قائل ہیں اور مماتیے اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ کی بھُول بھلیوں میں سرگرداں ہیں۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ جماعت اہلحدیث کے جہاد کے دونوں بالواسطہ اور بلاواسطہ مخالف رہے۔ علمائے دیوبند میں سے مولانا محمود الحسن نے اپنے طور پر تحریک آزادیٔ ہند چلائی مگر اپنی مؤقتہ حکومت کا صدر ایک ہندو راجہ مہندر پرتاب کو بنایا۔ لَا یَتَّخِذِ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ پھر آگے چل کر یہ لوگ عطاء اللہ شاہ بخاری کے وجود میں سٹیج پر نمودار ہوئے۔ یا مولانا حبیب الرحمان کے جبّہ و دستار میں۔ دیوبند کے صدرِ اعلیٰ کی حیثیت میں حسین احمد مدنی کی شکل میں سامنے آئے، یا ابُو الکلام آزاد بن کر ـــــ مسلمانوں سے کٹ کر کفر کا دامن ہی تھامے رہے۔

[1]: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے۔ محمد بن عبدالوہاب حنبلی تھے۔ اور جن اپنے دیوبندی بھائیوں کو وُہ وہابی کہتا ہے وُہ حنفی ہیں آگے چل کر اہلحدیث جماعت کو غیر مقلد کے نام سے الگ بیان کرتا ہے۔ پاگل پن، جہالت اور عدمِ واقفیت کی انتہا ملاحظہ ہو۔

در حرم نا اُمید و در بُت خانہ مُرد

کے کردار سے متاثر ہو کر اقبالؒ نے جناح کی طرف دیکھ کر کہا تھا:

حقیقت را بہ رندے فاش کردند
کہ مُلّا کم شناسد رمزِ دین را!

ہاں جب کُفر و اسلام کا دُو بدو معرکہ شروع ہوا تو شبیر احمد عثمانی کی قسم کے لوگ ۔۔۔ سے الگ ہو کر زندہ جاوید بن گئے۔ کاش کہ تحریکِ پاکستان کے وقت بہ تمام لا الٰہ الا اللہ کے مُدعی اور دعویدار ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاتے۔ تو یقیناً آج سارا بنگال، سارا پنجاب اور سارا کشمیر مُسلمانوں کے پاس ہوتا۔ کیا آپ تاریخ آزادی برصغیر میں کسی ایک اہلحدیث کا بھی کفر کے ساتھ تعاون ثابت کر سکتے ہیں۔

سنتِ رسولؐ سے لخناف کا ایک دیدہ دلیرانہ تمسخر

داڑھی کے متعلق حضور خاتم المعصومینؐ کے چند ارشادات:

۱- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزوا الشوارب وارخوا اللحی فی روایۃ واعفوا (صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ)

مونچھیں کٹاؤ۔ اور داڑھی اپنی حالت پر چھوڑ دو۔

۲- دان رسول اللہ امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحی (ترمذی)

حضور خاتم المعصومینؐ نے ارشاد فرمایا مونچھیں صاف کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔

۳- عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یاخذ احدکم من طول لحیتہٖ (اخرج الخطیب)

حضور خاتم المعصومینؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی کبھی اپنی داڑھی کے طول سے بال نہ لے۔

۴- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احفوا الشوارب واعفوا اللحی (عن عمرو بن شعیب عن جدہ بیہقی)

حضور خاتم المعصومینؐ نے فرمایا۔ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں صاف کرو۔

۱- احفاء کے معنی: ابن حجر کہتے ہیں اعفاء اللحیہ کے معنی ہیں ترکہا علی حالہا یعنی داڑھی کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دو

۱۔۱- حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد: اعفاء اللحیۃ ترکہا حتی تکث وتکثر (ہدایۃ النور فیما یتعلق باطفاء الشعور) (داڑھی کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ بڑھ جائے۔)

۲- فقہاء حنفیہ: حلق اللحیۃ مثلۃ (ہدایہ کتاب الحج) داڑھی منڈانا مثلہ ہے یعنی ناک یا کان وغیرہ کاٹنے کے مترادف ہے۔

۳- امام نوویؒ: بچی کے دونوں طرف کے بال اکھیڑنا مکروہ ہیں۔

۴- حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بچیوں کے بال اکھیڑنے والے کی شہادت رد کر دی تھی۔ (شرح اتحاف السادۃ المتقین صفحہ ۴۲۶/۲)

تمام انبیاء کرام اور تمام صحابہ کرامؓ نے داڑھیاں رکھیں۔ ان تصریحات کا واضح طور پر مطلب ہے کہ داڑھی رکھنا صرف حضور صادق و مصدوقؐ کا فعل ہی نہیں بلکہ پوری داڑھی رکھنے کے متعلق متعدد ارشادات ہیں۔ اور آنحضرتؐ کا ارشاد سنت بلکہ واجب سے بڑھ کر فرض کا حکم رکھتا ہے۔

مگر احناف نے ایک موضوع روایت یا سیدنا ابن عمرؓ کے ایک اثر کی بنا پر من اتخذ الٰھہٗ ھواہ اپنی نفسانی خواہشات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنا مثلہ کرنے میں شرم محسوس نہ کی۔

ترمذی کی روایت:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاخذ عن لحیتہٖ من عرضھا وطولھا (ھذا حدیث غریب)

حضور صادق و مصدوق اپنی ریش مبارک کے بال لمبائی اور چوڑائی سے تراشتے تھے۔ کے آخر میں یہ کلمات ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

چلیئے یوں ہی سہی۔ سو یہ حدیث غریب ہے۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرے سے موضوعات میں سے ہے۔

۱- ابن حجر کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے (فتح الباری) عمر بن ہارون اسے ضعیف کہتے ہیں۔ مگر ابن حجر عمرو کو متروک قرار دیتے ہیں (تقریب التہذیب)

شوکانی لکھتے ہیں یہ قابل حجت نہیں (فتح الباری)) امام بخاری فرماتے ہیں یہ حدیث کوئی دلیل نہیں (ترمذی)

اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا فعل نص قطعی کی موجودگی میں کوئی حجت نہیں۔ بلکہ سیدنا ابن عمرؓ کے فعل کو سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ یا ہوائے نفس کے بندوں نے اسے اپنی خواہشات کے مطابق کام لینے میں تدلیس سے کام لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی حج کے موقع پر آپ نے سر منڈاتے وقت اپنی ریش مبارک کے چند بال تراشے تھے۔

قارئین کے معلومات میں اضافہ کے لئے اس بات کا انکشاف ضروری ہے کہ احناف کے داڑھی تراشنے کی حجت، دلیل یا سرچشمہ کون سا ہے۔ یہ بیچارے جب ان ھذا صراطی مستقیما کو چھوڑ کر فی کل وادی یعمھون میں بھٹکنے لگے۔ تو انہیں دین دشمن طواغیت و ابالسہ کے حضور سے جو ملا انہوں نے اسے دین سمجھ لیا۔

افسوس کہ احناف نے دنیائے رفض و سبائیت کی اکثر خرافات کو اپنے خود ساختہ دین کا ایک حصہ بنا لیا۔ یعنی جب انہیں اپنے خود ساختہ نظریات کے آخذ کتاب و سنت سے نہ ملے تو انہیں جہاں سے جو ملا وہ صرف قبول ہی نہ کیا بلکہ بڑی دیدہ دلیری اور ڈھٹائی سے اسے اپنے پیچھے چلنے والوں کے لئے سند کے طور پر حرف آخر کہہ کر انہیں گمراہی کے گڑھوں میں دھکیلتے ہوئے ذرہ بھر شرم محسوس نہ کی۔ یہی صورت داڑھی کے تراشنے اور ترشواتے کے موقع پر پیش آئی۔ تو کھٹ سے رفض کے دامن میں جا پناہ۔ سطور ذیل کا مطالعہ خصوصی توجہ چاہتا ہے۔

/ عن یونس عن بعض اصحابہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قدر اللحیۃ قال تقبض بیدک علی اللحیۃ و یجز ما فضل (فروع کافی ج ۲ جز ۲ ص ۵۳)

امام جعفر صادق سے داڑھی کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا بقدر قبضہ رکھنا اور اس سے زائد کو کتا دینا چاہیئے ——— مونچھوں کے متعلق سنیئے:

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من السنۃ ان یاخذ من الشارب حتی یبلغ الاطار

عن علی بن ابی جعفر عن ابی الحسن علیہ السلام قال سالتہ عن قص الشارب من السنۃ قال نعم ۔

ان ہر دو احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ مونچھیں کٹوانی چاہئیں یہاں تک کہ ہونٹ نظر آنے لگیں اور جو شخص مونچھوں کو بڑھاتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے :

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایطولن احدکم شاربہ فان الشیطن یتخذہ مخبا طیستر بہ (فروع کافی جلد ۲ ص ۲۳)

یعنی جو شخص مونچھوں کو بڑھاتا ہے شیطان اس کی مونچھوں کے بالوں سے خیمہ بناتا ہے گویا مونچھوں والے شخص کے منہ پہ یہ مونچھیں شیطان کے خیمے ہیں ۔

الشافی ترجمہ اصول کافی میں ہے کہ ایک دفعہ سیدنا علیؓ فرما رہے تھے اے بنی مروان کے لشکر (شیعہ اس خطاب پر غور کریں) قرات بن حنف نے پوچھا اے امیرالمومنین! بنی مروان کا لشکر کیا ہے (اس روایت کے نقل کرنے والے عقل کے اندھے کو اتنا بھی علم نہیں کہ سیدنا علیؓ ۴۰ھ میں شہید ہوئے اور امیرالمومنین مروان کے ہاتھ پر پورے سترہ سال بعد ۶۵ھ میں بیعت کی گئی گویا سترہ سال بعد پیدا ہونے والے لشکر کو علیؓ مخاطب فرما رہے ہیں ۔ فرمایا ۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو داڑھی منڈاتے ہیں ۔ اور مونچھوں پہ بل دیتے ہیں پس وہ لوگ صورت کے لحاظ سے مسخ ہو گئے ہیں (الشافی ترجمہ اصول کافی صفحہ ۱۴۴ سطر ۶)

اقول : اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں بقول سیدنا علیؓ مسخ صورتوں والے شیعہ ہیں یا اہل سنت ہیں شیعوں کا بڑے سے بڑا مجتہد بھی آج داڑھی تراشتا ہے ۔ علیؓ کے ملنگوں کی ہیئت دیکھو داڑھیاں صفاچٹ اور مونچھوں پہ بل دیئے ہوئے ہر طرف ڈکارتے پھر رہے ہیں ۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا ۔ کہ داڑھی منڈانا بموجب ارشاد علیؓ بہت بڑا گناہ ہے ۔ اور ان کی مونچھیں ان کے منہ پر شیطان کے خیمے ہیں ۔

داڑھی کو سیاہ کرنا :

سیدنا ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور صادق مصدوقؐ نے فرمایا کہ

آخری زمانہ میں لوگ کبوتر کی گردن کی طرح داڑھی کا رنگ سیاہ کریں گے۔ وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہیں گے۔ لا یریحون رائحۃ الجنۃ (مشکوٰۃ)

آخر میں طحاوی کی ایک روایت کا مفہوم بھی سنتے جایئے۔ داڑھی کا ایک بال بھی لینے والے یا نیچے سے کٹانے والے کی دعا قبول نہ ہوگی۔ اور نہ ہی اس پر رحمتِ باری کا نزول ہوگا۔ فرشتوں کے نزدیک وہ ملعون ہے اور عنداللہ یہود و نصاریٰ کے مقام و مرتبہ پر ہوگا۔

شیعیت کے بحرِ زخار کے یہ "چند موتی" جن کا لب لباب یہ ہے کہ داڑھی قبضہ بھر ہو اور مونچھیں اس طرح تراشی جائیں کہ ان سے ہونٹ نمایاں ہوسکیں۔ شیعوں نے تو نہ اپنائے مگر احناف نے پورے طور پر ایسا کر دکھایا۔

احناف کی تصویر کا ایک اور گھناؤنا رُخ

جن نفوسِ قدسیہ کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے۔ اُنہوں نے اللہ کے راستہ میں جو صعوبتیں برداشت کیں۔ اور برطانوی سامراج نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے مگر ان لوگوں نے مردانہ وار ہر مشکل کا مقابلہ کیا اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کا کثیر طبقہ خاموش تماشائی بنا دیکھتا رہا۔ آخر اس کی وجہ کیا تھی؟ اس امر پر غور کرنے کے لیے اگر فاری بے جا تعصب، ہٹ دھرمی اور ضد کو دل سے دُور کرکے دیکھے گا تو اُسے صاف نظر آئے گا کہ یہ لوگ جو سر بکف میدانِ عمل میں کُود پڑے تھے وُہی لوگ تھے جو کتاب و سنت کو کسی صورت میں بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور جو لوگ احبار و رہبان کی شکلوں میں بن الدنیا والدینار تھے اُنہوں نے فرنگی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دین کو ادنےٰ ٹوٹے داموں میں فروخت

کرنے میں ذرا باک نہ سمجھا۔ اور یہ سب کچھ تقلیدِ جامد کا نتیجہ تھا۔

جماعت اہلحدیث اسلام کے صرف چند تقاضوں کو پُورا کرنے کے لیے میدانِ عمل میں نہیں اُتری تھی بلکہ عام تقاضوں کو پُورا کرنے کے لیے کوشاں تھی۔ البتہ اُنہوں نے وقتی حالات کے تحت جہاد کو اوّلین مقام دیا۔ اور ہنٹر جیسے بدقماش انگریزوں نے اسی کو مرجع و محور بنا کر غلط بیانیوں کا ایک طومار تیار کرکے مسلمانوں کے ایک کثیر گروہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کے خاصے طبقے میں غلط فہمی پیدا ہوگئی۔ پھر انگریز کی پُشت پناہی میں مختلف لوگ اُٹھے اور انہوں نے اپنے اپنے اسلوبِ فکر کے مطابق جہاد کی قدر و قیمت گھٹانے کی کوششیں شروع کردیں۔ ہنٹر "وہابیوں" سے عوام کو متنفر کرنے میں کامیاب ہوچکا تھا۔ اور صاحب اثر لوگ دھن، دھاندلی اور دھونس سے انگریز کے قابو میں آچکے تھے۔ لہٰذا کچھ "وہابیوں" سے تنفر کام میں آیا اور کچھ علمی تاویلات نے جماعت اہلحدیث کی سرفروشانہ کوششوں کے راستہ میں رُکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کر دیے۔ کسی پیرِ طریقت نے نعرہ لگایا کہ جہاد کے لیے امامِ حق کی ضرورت ہے اور وُہ اس وقت موجود نہیں۔ کوئی مولوی چیکا اُٹھا کہ ان حالات میں جہاد فرض ہی نہیں۔ انہیں ایام میں ایک اور فتنہ پیدا ہوچکا تھا جو آج کل اہلِ قرآن کی اصطلاح سے موسوم ہے۔ اس فتنہ نے آگے چل کر ایک ایسے گروہ کی شکل اختیار کر لی جو سرے سے قرآن کا منکر بن گیا (ان کی تفصیل آئے گی)

اس طرح جماعت اہلحدیث کے داعیوں اور کارکنوں کی جانبازانہ کوششوں کے ایمان افروز نتائج مٹ کر رہ گئے۔ جن کے لیے اُنہوں نے دُنیوی زندگی کی تمام راحتیں تج دیں۔ اطمینان، دل جمعی اور فارغ البالی کے تمام وسائل بے دریغ قربان کر دیے۔ یہ کارنامے ان لوگوں نے جن زہرہ گداز مشکلات میں گھر کر انجام دیے آج اُن کا تصور بھی ہمارے بس سے باہر ہے۔

آج اگر یہ کہا جائے کہ ان لوگوں نے صرف جہاد کو ہی اپنا مطمعِ نظر بنا یا ہوا تھا تو قطعاً غلط ہے جہاد کی سپرٹ تبھی پیدا ہوسکتی ہے جب پہلے لوگوں کو درست ہو گا

پابند بنایا جائے۔ ان کی زندگیاں شریعت کے سانچے میں ڈھالی جائیں۔ اور خلافِ اسلام رسوم یا اعمال کو ترک کرایا جائے۔

اُنیسویں صدی عیسوی میں جماعت اہلحدیث نے برِصغیر میں جو کارنامے سرانجام دیئے تاریخِ عالم ایسے واقعات پیش کرنے سے قاصر و عاری ہے۔ اِن لوگوں نے کروڑوں بندگانِ خدا کو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے طریقے بتائے توحید کا راستہ دکھایا، فضول اور فضول رسموں سے متنفر دلایا اور ترک کرایا۔ پھر اس کے بعد جب اُنہوں نے سمجھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے تو جہاد کی نیت سے میدانِ وغا میں کود پڑے۔

ہنٹر وغیرہ کی قسم کے لوگوں نے ایک بات پکڑ کر اپنی مقصد برآری کے لیے علمائے سُو کی ایک کھیپ درآمد کی اور عوام میں وہابی وہابی کا نعرہ پہنچا کر اپنا مطلب حاصل کیا۔

پھر ان مخالف کوششوں کے دائرے کو وسعت دینے کے لیے کہیں اختلافِ عقاید کا فتنہ اُٹھایا گیا۔ حالانکہ اختلافِ عقاید اس سے پہلے بھی موجود تھے۔ کہیں سید صاحب کے ساتھیوں کا رشتہ اہلِ نجد سے جوڑا گیا۔ اور نجدیوں کے متعلق غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا وہ انبار تیار کیا گیا کہ الامان۔ یعنی نجدی گستاخِ رسول ہیں۔ انہوں نے بزرگانِ دین کے قبے گرا دیے ہیں۔ وہ رسول اللہ کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قبے گرانے کے علاوہ باقی سب بکواس محض تھا۔ اور پھر لُطف یہ کہ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے متاثر لوگ تمام تر مقلد تھے یعنی وُہ امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے۔ اور ہندوستان میں تبلیغ و ارشاد کرنے والے اصحاب غیر مقلد اور اہلحدیث تھے۔ کہیں جہاد کے اسباب میں موشگافیاں کرتے کرتے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا کہ اس حکم کے وجود اور عدم میں کوئی فرق نہ رہا۔ آخر میں بعض لوگوں نے جہاد کی حیثیت ہی منقلب کر دی۔ اور یہ سب کچھ اوّل سے آخر تک صرف حکومتِ انگلشیہ کی سرپرستی میں ہوتا رہا۔

ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے نیک نیتی سے مخالفت کی ہو۔ مگر ہمارے سامنے اس قسم کی کوئی مثال نہیں۔ ہمیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ جو کچھ ہُوا فرنگی کی سرپرستی میں ہُوا۔ اور اگر مخالفت کا یہ طوفان پیدا نہ کیا جاتا تو یقیناً آج تمام ہندوستان میں صرف مسلمانوں

کی حکومت ہوتی۔ اور بفرضِ محال ۱۸۵۷ء میں کامیابی نہ بھی ہوتی تب بھی اس سے پندرہ بیس سال بعد فرنگی یہاں سے بوریا بستر گول کر کے چل نکلتا۔

جماعت اہلحدیث کی تبلیغی کیفیت کو ہنٹر ایک واقعہ کی صورت میں بیان کرتا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی سرکٹ ہاؤس میں پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھا ہُوا لوگوں کو وعظ سُنا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لوگو محرم کا مہینہ قریب ہے۔ تم لوگ اس موقعہ پر نئے کپڑے پہنو گے حالانکہ اس قسم کی تمام باتیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک درست نہیں۔ بیاہ شادی پر راگ رنگ منع ہے۔ قبروں پر چراغ نہ جلاؤ۔ نماز پڑھو۔ روزے رکھو۔ حج کرو۔ زکوٰۃ دو اور اللہ تعالیٰ کو ایک مانو اور ایک جانو۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سچے نبی ہیں۔

اُس بوڑھے واعظ کی سواری کا ایک یابو تھا۔ جسے چرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا یابو کے پاؤں میں گھاس کا رسہ تھا۔ مسافر کے دو ساتھی تھے۔ وعظ کے بعد تھوڑی دیر آرام کر کے اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر بوڑھا وہاں سے رُخصت ہو گیا۔

بُوڑھے کے چلے جانے کے بعد سامعین میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ شخص ہمارے باپ دادا کی قبروں پر چراغ جلانے سے روکتا ہے، دُوسرا کہنے لگا ہماری شادیوں پر باجے گاجے اور راگ رنگ سے منع کرتا ہے، تیسرا کہنے لگا قرآن سے تو واقف ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ صرف خدا کی عبادت کی جائے۔ چوتھا بولا چھوڑو یار یہ تو کوئی "وہابی" ہے۔

ذرا رنگ آمیزی سے ہٹ کر دیکھیے تو صرف یہ نظر آتا ہے کہ ایک غریب واعظ مسلمانوں کو اعمالِ شنیعہ سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ نہ کسی سے کچھ مانگا اور نہ لیا۔ خدا کی رضا جوئی کے لیے چند باتیں کہیں اور کسی نامعلوم مقام کی طرف چل نکلا۔ کتنی بے غرضانہ دعوت و تبلیغ ہے۔ ہمیں اس قسم کی سینکڑوں شہادتیں ملتی ہیں کہ جماعت اہلحدیث نے اس وقت برِصغیر کے ایک ایک قصبہ اور گاؤں میں اپنے مرکز قائم کر رکھے تھے۔ انگریز نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ ان مرکزوں کو ملیامیٹ کر دیا جائے مگر وُہ سوائے چند مشہور مرکزوں کے کسی مقام کو دریافت بھی نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کے ساتھ علمائے سُو کی ایک کھیپ کے

علاوہ سرمایہ داروں اور زمینداروں کا بھی ایک جمِ غفیر تھا۔

الغرض ایک طرف انگریزوں نے مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع ہونے سے روکنے کے لیے حج کے خلاف فتوے لکھوائے۔ دوسری طرف روحِ جہاد مٹانے کے لیے علماء سوء اور احبار و رہبان سے کام لیا۔ تیسری طرف سرسید مرحوم اور ان کے متبعین کے ذریعے قرآنی مفہوم کو مسخ کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ چوتھی طرف پنجاب کے ایک گھٹیا زمیندار کو نبی بنا کر اس سے "اے دوستو حرام ہے اب دین میں قتال" کا نعرہ لگوایا۔ غرضیکہ جس طرح حقیقت عباسی امپیریلزم کی پیداوار تھی، مرزائیت اور چکڑالویت برطانوی ڈپلومیسی کی پیداوار ہیں۔

مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین اور قرآن کا خود محافظ ہے اور اس نے اپنی رحمت سے ایسے حالات میں مردانِ حق کی ایک جماعت کو زمانہ بھر کی سختیوں، دُنیا بھر کی آزمائشوں اور اپنوں اور بیگانوں کی بھرپور مخالفتوں کے باوجود اسلام کی خدمت کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔

اِک نظر اور.....

افسوس کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی صحیح اور مستند تاریخ آج تک کوئی نہ لکھی گئی۔ اس کی وجوہات صاف اور واضح ہیں کہ اس جنگِ آزادی کے سپرو بعض گرفتار ہو کر جزائر انڈمان پہنچا دیے گئے۔ بعض نے زندگی کے باقی ایام جلا وطنی میں گذارے۔ بعض پھانسیوں پر لٹکا دیے گئے۔ بعض کو گولیوں سے اُڑا دیا گیا۔ اِن حالات میں کون صحیح واقعات کی تاریخ مرتب کرتا۔ اور پھر انگریزوں کے ظلم و استبداد اور قاہری کا یہ عالم تھا کہ اس واقعہ کے تقریباً ۵۲ سال بعد ساورکر نے اِس موضوع پر ایک کتاب لکھ کر لندن میں چھپوائی جو فوراً ضبط کر لی گئی۔ حالانکہ اس کتاب میں صرف واقعات کا بیان ہے کہ قومیت کا رنگ دکھایا گیا تھا۔ تو ۵۳ سال پہلے کون جُرأت کرتا کہ کچھ بیان کر سکے۔ اس سلسلہ میں ہمارے تمام ماخذ انگریزی دستاویزات ہی ہو سکتے ہیں۔ جن کا اسلوبِ بیان سراسر فاتحانہ ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اِس جنگِ آزادی کی بنیاد صرف جماعت اہلحدیث کے ہاتھوں رکھی گئی۔

۱۸۵۷ء سے بہت پہلے فتنۂ حج نے سید صاحب سے جہاد کی طرح ڈلوا دی تھی۔ پھر آپ کے عملاً جہادی نعرہ نے ملک کے طول و عرض میں جہاد کی رُوح پھونک دی تھی۔ گو انگریز علماء

سُوء سے بڑی باقاعدگی سے سید صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف اپنے حق میں فتوے شائع کرا رہے تھے مگر مسلمان مجموعی طور پر انگریزوں سے چونکہ متنفر تھے اس لیے علمائے سوء کے ان فتووں کے باوجود عوام پر انگریزوں کی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی۔ باوجود اس بات کے کہ مخابرات اور نشر و اشاعت کا فقدان تھا۔ لیکن مجاہدین خطوں کے ذریعے، وفدوں کے ذریعے اور بعض مقامات پر اشتہاروں اور نامۂ پیام کے ذریعے دن رات اس کوشش میں مشغول رہتے تھے۔

ایک مستند انگریزی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء جنگِ آزادی کے لیے طے ہو چکی تھی۔ کہ ایک اچانک واقعہ سے ۱۰ مئی کو میرٹھ چھاؤنی سے ہنگامہ شروع ہو گیا۔ مجاہدین کی دیکھا دیکھی ہندو راجے اور جاگیردار بھی اپنی ضبط شدہ جاگیروں اور ریاستوں کے حصول کے لیے اپنی سابقہ رعایا کو ساتھ لے کر جنگ میں شامل ہو گئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے لیے رُوح پھونکنے کا کام صرف جماعت اہلحدیث کا کارنامہ ہے۔

۱۔ دہلی کی افواج کا کمانڈر انچیف جنرل محمد بخت خان سید صاحب کا مُرید تھا۔
۲۔ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی اہلحدیث تھے۔
۳۔ مولانا پیر علی مشہور اہلحدیث عالم نے صرف جہاد کی تنظیم کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر پٹنہ میں رہائش اختیار کی تھی۔
۴۔ نمبر ۵۵ پیادہ فوج مردان میں مقیم تھی۔ اسے جماعت مجاہدین کے امیر مولانا عنایت علی صادق پوری کے کارکنوں نے ہمنوا بنایا تھا۔
۵۔ عظیم اللہ خان کانپوری نے مصر کے ذریعے قسطنطنیہ سے روابط قائم کیے۔
۶۔ ۱۸۵۷ء میں ۱۴ پنجاب رجمنٹ کو راولپنڈی میں منشی ولی محمد نامی ایک اہلحدیث نے رجمنٹ کو بغاوت پر اُکسانے کی کوشش کی، اور پھانسی کی سزا پائی۔
۷۔ اپریل ۱۸۵۷ء میں میرٹھ چھاؤنی میں ایک فقیر نمودار ہوا۔ انگریزوں نے اسے چھاؤنی سے نکل جانے کا حکم دیا مگر وہ پھر بھی ۲۰ پیادہ فوج کی لائنوں میں بیٹھا رہا۔ وہ ایک اہلحدیث

عالم تھا۔ اسی کی کوششوں سے میرٹھ میں انقلاب آیا۔

۸۔ ۱۸۵۷ء میں پٹنہ میں بھی ایک پیادہ رجمنٹ کے مسلمان منشی کو جو اہلحدیث تھا اسی جرم میں پھانسی کی سزا دی گئی۔ یہ ہے جماعت مجاہدین کی تنظیمی و تبلیغی کوششوں کا سرسری خاکہ۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ ان پاکباز لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ جنگِ آزادی میں شکست کے بعد باوجود اس میں ہندوؤں کی شمولیت کے نزلہ صرف مسلمانوں پر گرا۔ صرف دہلی میں ۲۷ ہزار جوانوں کو پھانسی پر لٹکا یا گیا۔ اور اس جذبۂ انتقام میں انگریزوں نے اکثر ان غدار مسلمانوں کو بھی نہ بخشا جو جاسوسی کرتے رہے۔ جس طرح ۱۹۴۷ء میں ہندو کانگریسی حکومت نے ان غدار مسلمانوں کو بھی نہ چھوڑا جو مذہب سے کٹ کر "در حرم زاہد و در بت خانہ مرد" کے مصداق اپنا دین و ایمان گرد بنارس کر چکے تھے۔

[illegible]

چوتھا باب

دو غلام احمد

۱۔ قادیانی

انگریز کا خود کاشتہ پودا

مرزا غلام احمد قادیانی ضلع گورداسپور کے ایک گمنام گاؤں قادیاں[1] میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا۔ باپ کا نام مرزا غلام مرتضیٰ تھا۔ خاندان[2] کی مالی حالت نہایت تنگ تھی۔ مرزا کو اپنے خاندان کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ کبھی وہ اپنے آپ کو مغل برلاس[3] کہتا رہا اور کبھی اپنا شجرۂ نسب فارس[4] کے بادشاہوں سے ملاتا رہا۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے باپ نے بچپن میں تین استادوں کے پاس بٹھایا۔ مگر عصبی[5] کمزوری اور حافظ[6] کی کمزوری کی وجہ سے اٹھارہ بیس سال کی عمر تک قرآن[7] کا صحیح تلفظ بھی ادا نہ کر سکا۔ اِسی عرصہ میں "پھجے دی ماں"[8] سے شادی ہو گئی۔ مگر نامردی[9] اور قوتِ باہ[10] کی کمزوری کی وجہ سے اس سے تعلق[11] نہ پیدا کر سکا۔ (پھر اولاد کیسے پیدا ہوئی؟ للمؤلف) تنگدستی کی وجہ سے گھر سے

۱: عصلِ مصفیٰ جلد دوم ص۱۲۹، ۲: کتاب البریہ ص۱۳۴، ۳: کتاب البریہ صفحہ ۱۳۴، ۴: اربعین ۲ ص۱۷
۵: رسالہ ریویو قادیاں مئی ۱۹۴۳ء، ۶: مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم ۳ مجموعہ مکتوبات، ۷: تقریر محمود احمد الفضل ۱۴ ستمبر ۱۹۲۰ء، ۸: سیرۃ المہدی حصہ اول ص۲۶، ۹: نزول المسیح ص۲۰۹، مکتوباتِ احمدیہ جلد ۳ ص۲۸، ۱۰: مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم ۲، تریاق القلوب ص۳۵، ۳۶، ۱۱: سیرۃ المہدی حصہ اول ص۲۶

نکلا اور پھرتے پھراتے سیالکوٹ جا پہنچا۔ وہاں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں پندرہ روپیہ ماہوار[1] کی معمولی محرری مل گئی۔ وہیں[2] دو دفعہ مختاری کا امتحان دیا۔ مگر حکومت نے نالائق سمجھ کر فیل کر دیا[3]۔ آخر ناکام و نامراد گھر واپس آگیا۔

۱۸۵۷ء[4] کی جنگِ آزادی میں مرزا کا والد غلام مرتضیٰ پچاس سوار لے کر انگریزوں کی مدد کو پہنچا اور یہ محض مرزا کی بڑ ہے۔ ایک غریب آدمی جس کا لڑکا پندرہ روپے ماہوار پر محرری کرنے پر مجبور ہو وہ پچاس سوار کہاں سے لایا اور پھر مدد کے لیے کس مقام پر پہنچا؟ (مؤلف) جاگیر[5] دادا کے زمانہ میں ہی ضبط ہو چکی تھی (مگر جاگیر تھی ہی کہاں؟ مؤلف) غرضیکہ یہ ایام مرزا کے لیے نہایت پریشانی کے تھے۔ اس وقت عام لوگ بھی ہتھیار بند رہتے تھے اور اسے لازمہ[6] شرافت سمجھتے تھے مگر مرزا اس سے بھی کورا تھا۔ چونکہ مراق[7] اور ہسٹریا[8] کا مریض تھا اور مفلسی اور بے روزگاری اس پر مستزاد۔ اس پریشانی میں مراق نے اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا۔ ہسٹریا[9] اور مراق کی علامات یہ ہیں کہ اس مرض کا مریض کبھی اپنے آپ کو ولی[10] سمجھنے لگتا ہے اور کبھی پیغمبر۔ کبھی مہدیٔ وقت اور کبھی غوثِ زماں۔ کبھی علامۂ دوراں، اور کبھی بیکس و مجبور۔

ایسے ہی حالات میں گھر کر مرزا نے اپنی خاندانی جاگیر کی بازیابی اور پنشن کے اجرا کے لیے حکومت کو درخواستیں دینی شروع کر دیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر میں انگریزی حکومت مالوہ، راج محل، انبالہ اور پٹنہ کے مشہور مقدموں کی وجہ سے بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ انگریز یوں محسوس کر رہے تھے کہ اہلحدیث یعنی مجاہدین کسی وقت بھی انہیں ہندوستان سے بحرِ ہند میں دھکیل دیں گے۔ انگریز پوری کوشش سے جماعت اہلحدیث کی تنظیم، مالی وسائل اور

---

[1] : سیرۃ المہدی حصہ اول ص۴۵، [2] : سیرۃ المہدی حصہ اول ص۱۳۸، [3] : سیرۃ المہدی حصہ اول ص۱۳۸

[4] : تحفہ قیصریہ ص۱۶، [5] : ″ ″ ″ ″ ص۳۲، [6] : حیات النبی جلد اول ص۱۳۸

[7] : ریویو قادیان اگست ۱۹۲۶ء ص۵، [8] : ″ ″ ″ ″ ص۱۳، [9] : سیرۃ المہدی جلد دوم ص۵۵

[10] : شرح اسباب و العلامات فی بیان المراق و مالیخولیا از برہان الدین۔ مخزنِ حکمت ڈاکٹر غلام جیلانی تذکرۃ الوفاق اصغر حسین۔ بو علی سینا کتاب ثالث۔

ان کے مرکزوں کے کھوج میں تھے۔ یاغستان سے مجاہدین کی للکار نے انہیں الگ حواس باختہ کر رکھا تھا۔ اور ۱۸۵۷ء میں وہ دیکھ چکے تھے کہ بالکل بے خبری میں کس طرح ایک لاوا پھوٹ نکلا تھا جس نے تمام ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ان خطرات سے بچنے کے لیے انگریز نے کئی وسائل عمل میں لائے مگر کوئی بھی کماحقہٗ ان کی تسلی کا سامان بہم نہ پہنچا سکا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو اپنے مرکز سے الگ رکھنے کے لیے حج کے متعلق وقت کے علمائے سوء سے اعلان کرا چکے تھے کہ آج کل حج ضروری نہیں اور اس اعلان کا حشر بھی دیکھ چکے تھے۔ اب انہیں اس بات کی فکر تھی کہ کوئی "مولوی" جہاد کو حرام قرار دینے کا فتویٰ دے۔ چند مجہول الاحوال مولویوں نے اولوالامر کی تفسیر میں یہ اعلان تو ضرور کیا کہ انگریزی حکومت کی تابعداری فرض ہے مگر جہاد کے خلاف کسی نے لب کشائی کی جرأت نہ کی گو انگریزوں نے جماعت اہلحدیث کے مجاہدین پر وہابیت کی چھاپ لگا کر ان کے خلاف فتوؤں کے انبار بھی جمع کروا لیے مگر اصل مطلب پھر بھی حل نہ ہوا تھا۔

ان حالات میں انگریزوں کو کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو جہاد کو حرام قرار دے کر مسلمانوں کو بے دست و پا بنا کر رکھ دے۔ انگریزوں کی خوش قسمتی کہ ان ہی ایام میں مرزا مراقی مالیخولیا کی وجہ سے کچھ اناپ شناپ اگل رہا تھا۔ انہیں جب اس کے حالات کا علم ہوا تو سوچا کہ اس سے بہتر آدمی ملنا مشکل ہے جو ہماری خواہشات پر پورا اتر سکے۔ آخر یہ دورانِ[1] سر کا مریض، دق[2] اور سل کا مارا ہوا، دماغی[3] بیہوش، بلومر کی ٹانک[4] وائن (ایک قسم کی شراب) برانڈی[5] اور رم کا شیدائی، تیس[6] برس کا پرانا مریض، تشنج[7] کے ہاتھوں لاچار ان کا خود کاشتہ[8] پودا ثابت ہوا۔ اور اس شخص نے انگریزوں کا مقصد پورا کر دکھایا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ شخص

---

[1] : سیرۃ المہدی حصہ اول ص۱۳، حصہ دوم ص۵۵، [2] : حیاتِ احمدیہ جلد دوم نمبر ۱ ص۹۰،

[3] : منظور وصال از محمد صادق اخبار الحکم قادیان ۲۱ مئی ۱۹۳۴ء، [4] : سودائے مرزا ص۳۹، [5] : پیغام صلح لاہور از ڈاکٹر بشارت احمد ۳ مارچ ۱۹۳۵ء، [6] : ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴ ص۴، نسیم دعوت ص۶۸۔

[7] : ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴ ص۴، [8] : درخواست بحضور گورنر پنجاب ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء منجانب مرزا قادیانی

ن کے مرکزوں کے کھوج میں تھے یاغستان سے مجاہدین کی للکار نے انھیں الگ
حواس باختہ کر رکھا تھا۔ اور ۱۸۵۷ء میں وہ دیکھ چکے تھے کہ بالکل بے خبری میں کس طرح
یک لاوا پھوٹ نکلا تھا جس نے تمام ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ان خطرات
سے بچنے کے لیے انگریز نے کئی وسائل عمل میں لائے مگر کوئی بھی کما حقہٗ ان کی تسلی کا سامان
بہم نہ پہنچا سکا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو اپنے مرکز سے الگ رکھنے کے لیے حج کے متعلق
وقت کے علمائے سُو سے اعلان کرا چکے تھے کہ آج کل حج ضروری نہیں اور اس اعلان
کا حشر بھی دیکھ چکے تھے۔ اب انھیں اس بات کی فکر تھی کہ کوئی "مولوی" جہاد کو حرام قرار
دینے کا فتویٰ دے۔ چند مجہول الاحوال مولویوں نے اُولوالامر کی تفسیر میں یہ اعلان تو ضرور کیا
کہ انگریزی حکومت کی تابعداری فرض ہے مگر جہاد کے خلاف کسی نے لب کشائی کی جرأت
نہ کی گو انگریزوں نے جماعت اہلحدیث کے مجاہدین پر وہابیت کی چھاپ لگا کر ان کے خلاف
فتوؤں کے انبار بھی جمع کر دیے مگر اصل مطلب پھر بھی حل نہ ہوا تھا۔

اِن حالات میں انگریزوں کو کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو جہاد کو حرام قرار دے کر
مسلمانوں کو بے دست و پا بنا کر رکھ دے۔ انگریزوں کی خوش قسمتی کہ ان ہی ایام میں مرزا مراقی
مالیخولیا کی وجہ سے کچھ اناپ شناپ اُگل رہا تھا۔ انھیں جب اس کے حالات کا علم ہوا تو
سوچا کہ اس سے بہتر آدمی ملنا مشکل ہے جو ہماری خواہشات پر پورا اُتر سکے۔ آخر یہ دورانِ
سر کا مریض،[1] دق اور سل کا مارا ہوا،[2] دماغی بیہوشی،[3] بلومر کی ٹانک وائن (ایک قسم کی شراب)
برانڈی اور رم کا شیدائی،[4] تیس برس کا پرانا مریض،[5] تشنج کے ہاتھوں لاچار[6] ان کا خود کاشتہ[7]
پودا ثابت ہوا۔ اور اس شخص نے انگریزوں کا مقصد پورا کر دکھایا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ شخص

---

۱ : سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص۱۳، حصہ دوم ص۵۵، ۲ : حیاتِ احمدیہ جلد دوم نمبر ا ص۹۶،
۳ : منظورِ وصال از محمد صادق اخبار الحکم قادیان ۲۱ مئی ۱۹۳۴ء، ۴ : سودائے مرزا ص۳۹، ۵ : پیغامِ صلح
لاہور از ڈاکٹر بشارت احمد ۳ مارچ ۱۹۳۵ء، ۶ : ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴ ص۴، نسیمِ دعوت ص۶۸ ۔
۷ : ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴ ص۴، ۸ : درخواست بحضور گورنر پنجاب ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء منجانب مرزا قادیانی

بعد میں انگریزوں کے معیار پر پُورا نہیں اُترا۔ دین سے دستبردار ہو کر اس نے کچھ کمایا یا نہیں، مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس شخص نے وقتی طور پر مُسلمانوں میں جو خانہ جنگی کا بیج بویا وُہ آج ایک تناور درخت کی صورت میں امّتِ ملّت میں ایک گندے ناسُور کی طرح موجُود ہے۔ مرزا کی اُمّت آج بھی مُسلمانوں[۱] کے جنازوں تک میں شامل ہونے سے متنفر، ان کے پیچھے[۲] اور ان کے ساتھ نمازیں پڑھنے سے منکر، بلکہ سوائے اپنے[۳] تمام دُنیا کے مسلمانوں کو کافر سمجھتی ہے۔

یہاں شاید ایک قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جس شخص کا سطورِ بالا میں ذکر کیا گیا ہے وُہ تو ایک مخبوط الحواس اور مجموعۂ امراض شخص ہے۔ پھر اس شخص نے جو ایک دن رات میں سو سو بار پیشاب[۴] کی حاجت محسوس کرے۔ گرد[۵] اور مٹی میں تمیز نہ کر سکے، جراب اور جُوتا[۶] پہننے کی تمیز نہ رکھتا ہو۔ بٹن بند کرنے کی عقل سے کورا ہو۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ شراب کا بھی رسیا ہو، وُہ ہزاروں صفحات پر مشتمل بلکہ صرف انگریزوں کی تعریف میں پچاس[۷] الماریاں لکھنے پر کیسے قادر ہو سکتا ہے۔

یہی تو لُطف کی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا بیمار تھا اور ضرور بیمار تھا۔ مگر مراقی مالیخولیا اور نامردی کا مریض تھا۔ باقی بیماریاں مراق کے عوارضات ہیں۔ جس طرح مراقی مریض اپنے آپ کو کبھی نبی سمجھتا ہے اور کبھی ولی۔ اسی طرح وُہ اپنے آپ کو مختلف بیماریوں کا مریض بھی سمجھتا رہتا ہے، اور اس مراق کی حالت میں جو کام بھی شروع کر لے اُسے کرتا ہی چلا جاتا ہے۔ اسی طرح مرزا لکھتا رہا اور لکھتا ہی چلا گیا، مگر جو کچھ اُس نے

---

۱ : الفضل ۲۳ر اکتوبر ۱۹۲۲ء، الفضل ۶ر مئی ۱۹۱۵ء، الفضل ۴ر مئی ۱۹۲۲ء۔

۲ : الحکم قادیان ۱۰ر اگست ۱۹۰۱ء، الفضل قادیان ۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۰ء، اربعین ص ۳۴، انوارِ خلافت ص ۸۹

۳ : انوارِ خلافت ص ۹۰، الفضل ۷ر اکتوبر ۱۹۲۱ء، الفضل ۷ر فروری ۱۹۲۱ء مرزا کی تمام کتابوں میں مسلمانوں کو کافر کہا گیا ہے

۴ : ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴ ص ۴، ۵ : تتمہ براہینِ احمدیہ مرتبہ معراج دین ص ۹۷، ۶ : سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص ۲۲۷، سیرۃ المہدی حصہ دوم ص ۵۸، ۷ : تریاق القلوب ص ۱۵۔

صُبح لکھا شام کو بھُول گیا۔ اُس کی کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو اس نے ایک بار کہی ہو اور آخر تک اُس پر ثابت قدم رہا ہو۔ اس کا تمام کلام تناقضات کا پلندہ اور مجمُوعہ ہے اور آخر ایک پاگل سے اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔ مگر مرزا کا پاگل پن ایسا تھا جو سینکڑوں عیاروں اور مکاروں پر بھاری تھا۔ اور یہ سب کچھ مراق کی برکات تھیں۔

بہرحال انگریزوں نے جس مقصد کے لیے اُسے تاکا وُہ اس نے پُورا کر دکھایا۔ مرزا کی اُمّت اُسے نبی مانے اور انگریز اپنا خود کاشتہ پودا کہیں یا جمہور مُسلمان اُسے کافر کہیں مگر مجھے تو اس غریب کی نامُرادانہ زندگی سے کبھی کبھی اس کے ساتھ ہمدردی بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس نے جوانی انگریزوں کی خوشامد اور محمدی بیگم کے عشق میں برباد کر دی۔ بُڑھاپے میں انگریز نے دھتکار دیا اور انجام ایک اہلحدیث عالم کے ساتھ مباہلہ[۱] کر کے ہیضہ کی لعنتی اور قہرِ الٰہی کی موت سے اس حالت میں ہوا کہ ٹٹی میں گر کر گھٹنوں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور مُنہ کے راستے پاخانہ اُگل اُگل کر نہایت عبرتناک[۲] حالت میں راہئ ملکِ عدم ہُوا۔ افسوس کہ تمام عمرِ دُنیا کے دھندوں میں پھنس کر اکثر اپنی نمازیں[۳] ادھوری چھوڑ کر گھر میں گھس جاتا رہا۔ مگر دُنیا بھی ہاتھ نہ آئی[۴]

مرزا کی یہ داستان جو ۱۸۳۹ء سے ۱۹۰۸ء تک پھیلی ہُوئی ہے یہ عین وُہ زمانہ ہے جب جماعت اہلحدیث انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے تن من کی بازی لگائے ہُوئے تھی۔ اور یہ انگریزوں کا مُرغِ دست آموز مسلمانوں کو کافر اور جہاد کو حرام قرار دے رہا تھا۔ اور آخر اسی جماعت کے ایک عالم سے مباہلہ کر کے مُریدوں سے چندوں کی اپیلیں کرتا نامُراد راہئ ملکِ عدم ہُوا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔

ع   باغ کے مزدُور ہی اچھے رہے شدّاد سے!

---

۱ : مولانا ثناء اللہ صاحب سے مباہلہ اور مرزا کی موت ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء۔

۲ : الفضل ۲ر نومبر ۱۹۳۷ء، اسماعیل قادیانی پیغامِ صلح ۳ر مارچ ۱۹۳۹ء۔

۳ : الفضل ۴ر اگست ۱۹۳۶ء۔

۴ : دلگداز لکھنؤ مارچ ۱۹۱۶ء

صبح لکھا شام کو بھول گیا۔ اُس کی کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو اس نے ایک بار لکھی ہو اور آخر تک اُس پر ثابت قدم رہا ہو۔ اس کا تمام کلام تناقضات کا پلندہ اور مجموعہ ہے اور آخر ایک پاگل سے اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔ مگر مرزا کا پاگل پن ایسا تھا جو سینکڑوں عیاروں اور مکاروں پر بھاری تھا۔ اور یہ سب کچھ مرا ن کی برکات تھیں۔

بہرحال انگریزوں نے جس مقصد کے لیے اُسے تاکا وُہ اس نے پُورا کر دکھایا۔ مرزا کی اُمت اُسے نبی مانے اور انگریز اپنا خود کاشتہ پودا کہیں یا جمہور مسلمان اُسے کافر کہیں مگر مجھے تو اس غریب کی نامُرادانہ زندگی سے کبھی کبھی اس کے ساتھ ہمدردی بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس نے جوانی انگریزوں کی خوشامد اور محمدی بیگم کے عشق میں برباد کر دی۔ بڑھاپے میں انگریزوں نے دھتکار دیا اور انجام ایک اہلحدیث عالم کے ساتھ مباہلہ[۵۱] کر کے ہیضہ کی لعنتی اور قہر الٰہی کی موت سے اس حالت میں ہُوا کہ ٹٹی میں گر کر گھٹنوں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور مُنہ کے رستے پاخانہ اُگل اُگل کر نہایت عبرتناک[۵۲] حالت میں راہیِ ملکِ عدم ہُوا۔ افسوس کہ تمام عمر دُنیا کے دھندوں میں پھنس کر اکثر اپنی نمازیں[۵۳] ادھوری چھوڑ کر گھر میں گھس جاتا رہا۔ مگر دُنیا بھی ہاتھ نہ آئی

مرزا کی یہ داستان ۱۸۳۹ء سے ۱۹۰۸ء تک پھیلی ہُوئی ہے یہ عین وُہ زمانہ ہے جب جماعت اہلحدیث انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے[۵۴] تن من کی بازی لگائے ہُوئے تھی۔ اور یہ انگریزوں کا مُرغ دست آموز مسلمانوں کو کافر اور جہاد کو حرام قرار دے رہا تھا۔ اور آخر اسی جماعت کے ایک عالم سے مباہلہ کر کے مُریدوں سے چندوں کی اپیلیں کرتا نامُراد راہیِ ملکِ عدم ہُوا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔

ع باغ کے مزدور ہی اچھے رہے شداد سے!

---

[۵۱] : مولانا ثناء اللہ صاحب سے مباہلہ اور مرزا کی موت ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء۔

[۵۲] : الفضل ۲۸ نومبر ۱۹۳۷ء، اسماعیل قادیانی پیغام صلح ۳ مارچ ۱۹۳۹ء۔

[۵۳] : الفضل ۱۴ اگست ۱۹۳۶ء۔

[۵۴] : دلگداز لکھنؤ مارچ ۱۹۱۶ء

صبح لکھا شام کو بھول گیا۔ اُس کی کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو اس نے ایک بار لکھی ہو اور آخر تک اُس پر ثابت قدم رہا ہو۔ اس کا تمام کلام تناقضات کا پلندہ اور مجموعہ ہے اور آخر ایک پاگل سے اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔ مگر مرزا کا پاگل پن ایسا تھا جو سینکڑوں عیاروں اور مکاروں پر بھاری تھا۔ اور یہ سب کچھ مراق کی برکات تھیں۔

بہرحال انگریزوں نے جس مقصد کے لیے اُسے تاکا وُہ اس نے پُورا کر دکھایا۔ مرزا کی اُمّت اُسے نبی مانے اور انگریز اپنا خود کاشتہ پودا کہیں یا جمہور مُسلمان اُسے کافر کہیں مگر مجھے تو اس غریب کی نامُرادانہ زندگی سے کبھی کبھی اس کے ساتھ ہمدردی بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس نے جوانی انگریزوں کی خوشامد اور محمدی بیگم کے عشق میں برباد کر دی۔ بُڑھاپے میں انگریزوں نے دھتکار دیا اور انجام ایک اہلحدیث عالم کے ساتھ مباہلہ[51] کر کے ہیضہ کی لعنتی اور قہرِ الٰہی کی موت سے اس حالت میں ہُوا کہ ٹٹی میں گر کر گھنٹوں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور مُنہ کے رستے پاخانہ[52] اُگل اُگل کر نہایت عبرتناک[53] حالت میں راہیِ ملکِ عدم ہُوا۔ افسوس کہ تمام عمر دُنیا کے دھندوں میں پھنس کر اکثر اپنی نمازیں[54] ادھوری چھوڑ کر گھر میں گھس جاتا رہا۔ مگر دُنیا بھی ہاتھ نہ آئی۔

مرزا کی یہ داستان جو ۱۸۳۹ء سے ۱۹۰۸ء تک پھیلی ہُوئی ہے یہ عین وُہ زمانہ ہے جب جماعت اہلحدیث انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے تن من کی بازی لگائے ہُوئے تھی۔ اور یہ انگریزوں کا مُرغِ دست آموز مسلمانوں کو کافر اور جہاد کو حرام قرار دے رہا تھا۔ اور آخر اسی جماعت کے ایک عالم سے مباہلہ کر کے مُریدوں سے چندوں کی اپیلیں کرتا تا مُرد راہیِ ملکِ عدم ہُوا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔

ع باغ کے مزدور ہی اچھے رہے شدّاد سے!

۵۱: مولانا ثناء اللہ صاحب سے مباہلہ اور مرزا کی موت ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء۔

۵۲: الفضل ۲ نومبر ۱۹۳۷ء، اسماعیل قادیانی پیغامِ صلح ۳ مارچ ۱۹۳۹ء

۵۳: الفضل ۴ اگست ۱۹۳۶ء۔

۵۴: دلگداز لکھنؤ مارچ ۱۹۱۶ء

مجموعی طور پر ہندوستان کے مسلمانوں میں جوشِ حمیت کی دوسری لہر ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۹۵ء میں یونان اور ترکی کے درمیان جنگ کی وجہ سے اُٹھی۔ اور یہی زمانہ مرزا کی نبوت کے عروج کا زمانہ تھا۔ مگر اللہ کا شکر کہ مرزا کی طرف اس کے چند حواریوں کے سوا کسی نے مُنہ کر کے بھی نہ دیکھا، بلکہ ہر طرف سے لعنت دھتکار کے ڈونگرے ہی برستے رہے۔

انگریز نے اپنے اس خودکاشتہ پودا سے افغانستان کے مسلمانوں کو گالیاں دلوائیں۔

عراق و عرب کے خلاف زہر اُگلوایا۔

ترکوں کے خلاف اسے دریدہ دہنی کی شہ دی۔

مگر اس کی ژاژ خائی اور ہرزہ سرائی اس وقت تک اس کی ذات تک ہی محدود رہی۔ آخر جب انگریزوں نے دیکھا کہ یہ شخص ہمارے معیار پر پورا نہیں اُترا تو ہاتھ کھینچ لیا۔ اس نے پہلے ان کی منت خوشامد کی۔ کام بنتا نظر نہ آیا تو خدمات جتائیں۔ انگریزوں پر پھر بھی اثر نہ ہوا تو گالیاں دینا شروع کیں۔ جب اُنھوں نے آنکھیں دکھائیں تو معافیاں مانگنے لگا۔ مگر: ع کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

آخر سر تراشیدہ اور دم بریدہ دُنیا سے خائب و خاسر رخصت ہو گیا۔

یہاں یہ بھی واضح کر دوں کہ مرزا جی کو نبی تو انگریز نے بنایا۔ مگر یہ الہام غلام آپ نے بہاء اللہ کی تعلیم سے اخذ کیا۔ ملاحظہ ہو:

"رسُولوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے کا نتیجہ اوّل بہاء اللہ نے نکالا، اور بعد میں ان کی نقل کر کے میاں محمود کے مُریدوں نے نکالا۔"

(بیان القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۴۲ محمد علی لاہوری)

قادیان کے کچھ لائق لوگ مرزا سے پھر گئے ہیں اور اُنھوں نے آگرہ سے کوکبِ ہند کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا ہے۔ کوکبِ ہند اور اس کی جماعت برملا کھولنا چاہتی ہے کہ مرزا قادیانی کے نئے مذہب کا تمام سرمایہ بہائیہ مذہب کے عقاید سے سرقہ کیا ہوا ہے۔ (مندرجہ الفضل ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء)

سچ فرمایا تھا اقبالؒ نے: ~

اور ایراں بود و این ہندی نژاد

آں ز حج بیگانہ و ایں از جہاد!

اور منکرینِ قرآن دونوں کے منکر یا للعجب۔

انگریز مرزا جی کو نبی بناتے ہیں

مرزا جی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کی حالت یاد آئی ہے کہ انگریزی میں یہ الہام ہوا (کسی انگریز جاسوس کی ملاقات یاد آئی ہو گی۔ مؤلف)

I LOVE YOU ———— میں تم سے محبت کرتا ہوں

I AM WITH YOU ———— میں تمہارے ساتھ ہوں

I SHALL HELP YOU ———— میں تمھاری مدد کروں گا

I CAN WHAT I WILL DO ———— میں کر سکتا ہوں جو چاہوں گا

اِن تمام الہاموں کے بعد بہت ہی زور سے جس سے بدن کانپ گیا ہو یہ الہام ہوا:

WE CAN WHAT WE WILL DO ———— ہم کر سکتے ہیں جو ہم چاہیں گے

اور اس وقت ایسا لہجہ اور تلفظ معلوم ہوا کہ گویا ایک انگریز ہے جو سر پر کھڑا بول رہا ہے

(براہینِ احمدیہ صفحہ ۴۸۰)

براہینِ احمدیہ میں یہ لفظ اردو رسم الخط میں ہیں۔ میں نے انگریزی میں لکھ دیے ہیں۔ ناظرین خود ہی اِن جوابات نما فقرات سے اندازہ کریں کہ مرزا جی گویا نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں اور انگریز بہادر تسلی بھی دے رہا ہے اور رُعب سے حوصلہ افزائی بھی کر رہا ہے۔

اسی طرح البشریٰ جلد دوم مجموعات الہامات مرزا میں مندرجہ بالا الہامات کے علاوہ مزید الہامات کا اضافہ ہے:

YES I AM HAPPY ———— ہاں میں خوش ہوں

HE IS WITH YOU KILL ENEMY ———— وُہ دُشمن کو ہلاک کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہے

گویا مرزا جی کی رضامندی پر انگریز بہادر کا کارندہ اظہارِ خوشنودی کر رہا ہے پھر اس کے بعد امرتسر کسی بڑے انگریز بہادر کے پاس بھیجنے کی ترغیب اِن لفظوں میں دے رہا ہے: (YOU HAVE TO GO TO AMRITSAR) تمہیں امرتسر جانا ہوگا۔ اور پھر مرزا کے دشمنوں کو ہلاک کرنے کے لیے اپنی حکومت کے تعاون کا یقین دلاتا ہے۔

مزید انکشافات ملاحظہ ہوں: "میں ایک دفعہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کچہری میں گیا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ ایک حاکم کی صورت میں کرسی پر بیٹھا ہوا ہے (غالباً امرتسر کسی انگریز ڈپٹی کمشنر کے پاس پہنچے ہوں گے۔ للمؤلف) اور ایک طرف سررشتہ دار ہے۔ حاکم نے مثل اُٹھا کر کہا مرزا حاضر ہے میں نے بدیک نظر سے دیکھا (مرزا جی بھینگے تھے۔ باریک نظر کا محض تکلف برت رہے ہیں للمؤلف) کہ ایک کرسی اس کے ایک طرف خالی ہے (خود کاشتہ پودا کے لیے ارادۃً کرسی پہلے ہی خالی رکھی گئی ہوگی للمؤلف) اس نے مجھے کہا اس پر بیٹھو"

(مرزا غلام احمد قادیانی کا ارشاد ۲۷ر جنوری ۱۹۰۳ء مکاشفات صفحہ ۲۷)

معلوم ہوتا ہے یہ مرزا جی کے اس دور کا واقعہ ہے جب مرزا جی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہ السلام کے خلاف زہر اُگلنا شروع کیا تھا۔ اور انگریز بہادر نے بلا کر تنبیہ کی ہوگی۔ (YO HAVETO GO TO AMRITSAR) سے بھی مترشح ہوتا ہے۔

کہاں وہ دور جب لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند نے کہا تھا کہ: "میں نے آپ کے سلسلہ کی ابتدا اور ترقی کے بیان کو نہایت دلچسپی سے سُنا ہے اور آپ کی جماعت نے شہنشاہِ معظم کی جو خدمات کی ہیں ان کو سُن کر مجھے اطمینان ہوا ہے۔" (بحوالہ الفضل ۴ر جولائی ۱۹۲۱ء)

افسوس! ایک وہ وقت تھا کہ لارڈ ولنگڈن وائسرائے ہند نے مرزا جی کی ان الفاظ میں تعریف کی تھی: "میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ کی وفاداری ہمیشہ قائم رہے گی اور یہ امر حکومت کے لیے بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔ میں آپ کے کام میں ترقی اور کامیابی کی دُعا کرتا ہوں"

(بحوالہ الفضل قادیان ۳ر اپریل ۱۹۳۴ء)

اور ایک یہ وقت کہ امرتسر بلا کر جھاڑ پلائی جا رہی ہے۔ عبداللہ آتھم کو پیچھے لگایا جا رہا ہے۔

کلارک[1] نامی ایک انگریز سے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں فوجداری مقدمہ دائر کرایا جا رہا ہے اور مرزا تنگ آکر گورنر پنجاب کی خدمت میں ۲۴ر فروری ۱۸۹۸ء کو التجا کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ سرکار انگریزی کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ نہایت حزم و احتیاط اور توجہ سے کام لے۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۶ء سے بعد انگریز بہادر نے مرزا سے دستِ شفقت اُٹھا کر جھاڑ پلانی شروع کر دی تھی۔ اور زندگی کے باقی دس بارہ سال نہایت نامرادی میں بسر ہوئے۔

سیرۃ المہدی حصہ اوّل صفحہ ۶۲ پر ایک الہام طویل الول جلول کا مجموعہ ان واقعات کی تصدیق کرتا ہے جس کا ایک فقرہ ہے کہ "عیسائیت میں بھی تنزل کے آثار شروع ہو گئے ہیں" ہ

سلطنت برطانیہ تا ہفت سال   بعد ازاں باشد خلاف واختلال

(مگر مرزا جی یہ حسرت دل میں لیے ہی ہیضہ کی مُنہ مانگی لعنتی موت سے مر گئے اور انگریز ۱۹۴۷ء تک ہندوستان میں حکومت کرتا رہا۔ للمؤلف)

مرزا نبی بن کر انگریزوں کی تعریفیں کرتا ہے

اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام اور خدا و رسول سے سرکشی کرتے ہیں۔ (رسالہ گورنمنٹ کی توجہ کے لائق)

احمدیوں کو چاہیے کہ انگریزوں کی بادشاہی کو اُولی الامر میں داخل کر دیں اور دل کی سچائی سے ان کے مُطیع رہیں۔ (ضرورۃ الامام صفحہ ۲۳)

میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں، رسائل اور اشتہار چھپوا کر اس ملک اور دُوسرے ملکوں میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ (ستارہ قیصرہ صفحہ ۳)

---

[1]: ڈاکٹر مارٹن کلارک کی طرف سے مرزا جی پر زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری گورداسپور ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں اگست ۱۸۹۷ء میں مقدمہ دائر ہوا۔ (ترجمہ انگریزی مندرجہ کتاب البریہ صفحہ ۲۶)

حضرت مسیح موعود نے فخریہ لکھا ہے کہ میری کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں میں نے گورنمنٹ کی تعریف نہ کی ہو۔ (خطبہ جمعہ میاں محمود احمد خاں الفضل ۲ر جولائی ۱۹۳۲ء)

میاں محمود احمد قادیانی کہتا ہے: "کہ اگر مجھ پر خلافت کا بوجھ نہ ہوتا تو لفٹیننٹ ہو کر جنگ یورپ میں چلا جاتا۔" (انوارِ خلافت صفحہ ۹۶)

جہاد کو حرام قرار دیتا ہے

یہ وہ فرقہ ہے جو فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہ پنجاب اور ہندوستان اور دیگر متفرق مقامات میں پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ فرقہ ہے جو کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات میں سے جہاد کی بیہودہ رسم کو اُٹھا دے۔ (ریویو آف ریلیجنز ۱۹۰۲ء)

ہمارے امام نے ایک بڑا حصہ عمر کا جو ۲۲ سال ہیں اس تعلیم میں گذارا ہے کہ جہاد حرام اور قطعاً حرام ہے۔ یہاں تک کہ بہت سی عربی کتابیں بھی مضمون ممانعت جہاد پر لکھ کر ان کو بلادِ اسلام عرب، شام اور کابل وغیرہ میں تقسیم کیا ہے۔ جس سے گورنمنٹ بے خبر نہیں ہے۔ (گورنمنٹ خود ہی لکھوائے اور بے خبر رہے، چہ عجب، للمؤلف) (ریویو آف ریلیجنز ۱۹۰۲ء)

جس گورنمنٹ کی اطاعت اور خدمتگذاری کی نیت سے ہم نے کئی کتابیں مخالفتِ جہاد پر لکھی ہیں۔ اور گورنمنٹ کو معلوم نہیں کہ ہم رات دن کیا خدمت کر رہے ہیں ...... ایک دن ضرور یہ گورنمنٹ عالیہ میری ان خدمات کی قدر کرے گی۔ (اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ للمؤلف)

(تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۳۰)

مرزا کی نبوت کے وقت:

اس وقت تمام عالمِ اسلام جہاد کے خیالات سے گونج رہا تھا۔ اور عالم اسلامی کی ایسی حالت تھی کہ وہ بڑدل کے پیپے کی طرح بھڑکنے کے لیے صرف ایک دیا سلائی کا محتاج تھا۔ مگر بانی سلسلہ احمدیہ نے اس خیال کی لغویت اور خلافِ اسلام اور خلافِ امن ہونے کے اس قدر زور سے تحریک شروع کی کہ ابھی چند سال نہیں گذرے تھے کہ گورنمنٹ کو اپنے دل سے اقرار کرنا پڑا ...... کہ یہ اس کے لیے ایک غیر معمولی اعانت کا موجب تھا۔ (ایڈریس بخدمت وائسرائے مندرجہ الفضل ۴ر جولائی ۱۹۲۱ء)

مُسلمانانِ عالم کو گالیاں دیتا ہے

بعض ان میں سے جا او شرم ترک کر کے میرے خلاف اس قسم کے اشتہار تقسیم کرتے ہیں کہ یہ شخص اس وجہ سے بھی کافر ہے کہ اس نے سلطنت انگریزی کو سلطنت اسلام پر ترجیح دی۔ اور ہمیشہ سلطنت انگریزی کی تعریف کرتا ہے۔

قادیانی جاسوس افغانستان میں:

مُلا عبدالحکیم اور مُلا نور علی ...... جو اار رجب ۱۳۴۳ھ کو عدم آباد پہنچائے گئے ان کے خلاف مدت سے دعویٰ دائر ہو چکا تھا۔ اور مملکتِ افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے تھے۔ جن سے پایا گیا کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے۔ (اخبار امان افغانستان، الفضل ۳ مارچ ۱۹۲۵ء)

جب کابل کے ساتھ جنگ ہوئی تب بھی ہماری جماعت نے بڑھ کر مدد کی۔

(الفضل ۴ر جولائی ۱۹۲۱ء)

فتح بغداد:

مرزا جی کہتے ہیں۔ میں وہ مہدی موعود ہوں اور گورنمنٹ برطانیہ میری وہ تلوار ہے جس کے مقابلہ میں ان علماء کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ ہمیں اس فتح سے خوشی کیوں نہ ہو۔ عراق، عرب ہو یا شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔ (الفضل ۷ر دسمبر ۱۹۱۸ء)

عراق کے فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہائے۔ اور میری تحریک پر سینکڑوں آدمی بھرتی ہو کر چلے گئے۔ (الفضل ۳۱ر اگست ۱۹۲۳ء)

تُرک:

ہم یہ جو بیتا چا ہتے ہیں کہ مذہباً ترکوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ...... ہمارے خلیفہ حضرت مسیح موعود کے خلیفہ ثانی ہیں۔ اور ہمارے سلطان اور بادشاہ حضور ملک معظم ہیں۔

(الفضل ۲۲ر دسمبر ۱۹۱۹ء)

ترکوں کی شکست پر:

گورنمنٹ برطانیہ کی شاندار اور عظیم الشان فتح کی خوشی میں ایک قابلِ یاد جشن منایا۔ (الفضل ۳ر دسمبر ۱۹۱۸ء)

انگریز ہاتھ کھینچ لیتے ہیں تو خوشامدیں کرتا ہے

بلاشبہ ہمارا جان و مال گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی میں فدا ہے۔ اور ہوگا ہم غائبانہ اس کے اقبال کے لیے دُعا گو ہیں۔ (آریہ دھرم ص۸۰-۷۹ مرزا قادیانی)

میں اٹھارہ برس سے ایسی کتابوں کی تالیف میں مصروف ہوں کہ جو مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹِ انگلشیہ کی محبت اور اطاعت کی طرف مائل کرے۔ گو اکثر جاہل مولوی ہماری اس طرز اور رفتار اور ان خیالات سے سخت ناراض ہیں۔

(۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کو گورنمنٹ پنجاب کو درخواست تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۱۲-۱۱)

ہماری جماعت وُہ جماعت ہے جسے شروع ہی سے لوگ کہتے چلے آئے ہیں کہ یہ گورنمنٹ کی پٹھو اور خوشامدی ہے۔ بعض لوگ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم گورنمنٹ کے جاسوس ہیں۔ پنجابی محاورہ کے مطابق جھولی چُک اور نئی زمینداری محاورہ کے مطابق ہمیں ٹوڈی کہا جاتا ہے ——— دراصل ان وجوہات سے ہمیں رنج نہیں بلکہ رنج دو وجہ سے ہے کہ ایک تو یہ کہ ہم نے گورنمنٹ سے دوستی کی ظاہر و باطن دوستی کی مگر گورنمنٹ نے اس کے صلہ میں بغیر تحقیق کے ہم پر ایک خطرناک الزام لگایا۔ (غرض پوری ہو چکی تھی۔ للمؤلف)

(خطبہ محمود احمد الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۳۴ء)

بات نہیں بنتی تو گالیاں نکالتا ہے

برطانوی ڈپلومیسی اپنا کام نکال چکی تھی۔ مرزا جی زندگی کے بیس بائیس برس انگریزوں کی خوشامد، چاپلوسی اور خدمتگذاری میں صرف کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ اس قوم سے کچھ حاصل کرنا پتھر پر جونک لگانا ہے۔ اب یک لخت الہامات کا رُخ بدل گیا۔ مرزا جی جس مُنہ سے انگریزوں کو خوش رکھنے کے لیے دُنیا بھر کے مسلمانوں کو گالیاں دیتے رہے، ان کی فتوحات پر چراغاں کرتے رہے۔ ملکہ وکٹوریہ، وائسرائے ہند اور گورنر پنجاب کو مبارک بادی کے خطوط لکھتے رہے اُسی مُنہ سے اب اپنے قدیم محسنوں کے خلاف صف آرا

ہو گئے۔ انگریزوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ جس طرح ہمیں اس کی نبوت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا اسی طرح اب اس کی گالیوں سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ اس کی دعاوی کے بخیئے اُدھیڑنے کے لیے عبداللہ آتھم نامی ایک پادری کو سامنے لا کھڑا کیا۔ عبداللہ نے جب مرزا جی کی بولتی بند کر دی تو گھبرا کر اول فول بکنے لگے۔ پیشنگوئیاں گھڑنے میں تو آپ کو ید طُولیٰ حاصل تھا، فوراً ایک پیشین گوئی جھاڑ دی کہ عبداللہ فلاں تاریخ کو مرجائے گا۔ جب عبداللہ کے مرنے کی پیشین گوئی کا دن قریب آیا تو مرزا جی نے اپنے چیلوں سے چلہ کشیاں[۵۱] شروع کرا دیں۔ مگر کیا نے بات جہاں بات بنائے نہ بنے؛ عبداللہ زندہ رہا۔ اور عیسائیوں نے امرتسر کے بازار میں اس کا ہاتھی پر جلوس نکالا اور عبداللہ نے مرزا جی کو خط لکھا کہ سُنائیے حضرت کیسی رہی۔ میری عمر اس وقت ۶۸ سال ہے اور میں زندہ و سلامت موجود ہوں۔ اس پر مرزا جی اپنی پیشین گوئیوں کی پٹاریوں سے اول جلول قسم کی لغو یاتی زبان دراز کرنے پر اُتر آئے۔

فرمانے لگے لوگ کہتے ہیں کہ آتھم زندہ ہے لیکن میں کہتا ہوں وُہ مر گیا ہے۔[۵۲] وُہ مر چکا ہے اور مجھے مُردہ ہی نظر آتا ہے (چہ خوب! اگرچہ لوگوں کے دیکھنے میں زندہ ہے۔ للمؤلف) اب مرزا جی یہاں سے مُنہ کی کھانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ غرض قرآن شریف نے حضرت مسیح کو سچا قرار دیا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئیوں پر یہود کے سخت اعتراض ہیں۔ جو ہم کسی طرح ان کو دفع نہیں کر سکتے ...... اور ان کی نبوت پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ (اعجاز احمدی ص۱۲)

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ قرآن عیسیٰ علیہ السلام کو سچا کہتا ہے۔ یہودی اعتراض کرتے ہیں اور مرزا جی قرآن کے خلاف یہودیوں کا ساتھ دیتے ہیں بلکہ ایک ہاتھ آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ وُہ نبی ہی نہ تھے۔

مفتری وُہ شخص ہے جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا بلکہ مسیح تو

۵۱: سیرۃ مہدی حصہ اوّل ص۱۵۰   ۵۲: جنگ مقدس صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹

مسیح میں اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ پانچوں ایک ہی ماں کے بیٹے تھے۔ نہ صرف اس قدر بلکہ میں تو حضرت مسیح کی دونوں حقیقی ہمشیروں کو مقدسہ سمجھتا ہوں کہ یہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے ہیں۔ اور مریم کی وہ شان ہے کہ جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگانِ قوم کے اصرار سے بوجہ حمل نکاح کر لیا۔"
(کشتی نوح ص۱۶)

کتنی دریدہ دہنی سے یہ شخص حضرت مریم علیہا السلام کی ذاتِ اقدس کو اپنی تضحیک کا نشانہ بنا رہا ہے۔ حضرت مریم کی چھا دلا دیں، نکاح سے رکنا پھر نا جائز حمل کی وجہ سے نکاح کرنا، یہ انکشافات مرزا کے بغیر کس پر نازل ہو سکتے تھے۔

"آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں۔ جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے تھی کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔ ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے۔ اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے۔ اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۷ حاشیہ)

"یسوع دراصل مرگی کی وجہ سے دیوانہ ہو گیا تھا۔" (ست بچن ص۱۷۱)

انگریز پہلے تو مرزا جی کی اس بکواس پر خاموش رہے مگر جب دیکھا کہ یہ شخص باز نہیں آتا۔ تو بذریعہ تحریری نوٹس گورداسپور کی عدالت سے مطلع کیا گیا کہ "ان مطبوعہ دستاویزات سے جو شہادت پیش ہوئی ہے ۔۔۔۔۔۔ ان سے ان لوگوں کی ایذا منصور ہے ۔۔۔۔۔۔ ہم انہیں متنبہ کرتے ہیں کہ جب تک وہ زیادہ نرمیانہ روی کو اختیار نہیں کریں گے وہ قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔" (کتاب البریہ ص۲۶)

اس پر مرزا جی نے اپنے اشتہار مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء کو نہایت عاجزی سے معذرت کی۔ اس کے بعد جے۔ ایم ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو ۲۵ فروری ۱۸۹۹ء کو ایک اقرار نامہ بھی لکھ کر پیش کیا۔

پھر مرزا جی چلا اٹھے "غرض جس ابنِ مریم کی قرآن نے ہم کو خبر دی ہے وہ اسی ازلی اور ابدی ہدایت کا پابند تھا۔ جو ابتدا سے بنی آدم کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ لہذا اس کی نبوت کے لیے قرآنی ثبوت کافی ہے۔" (نور القرآن ص۳۲ نمبر ۱)

"خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح بن مریم کو بنی اسرائیل میں مبعوث فرمایا اور ان کو بنی اسرائیل کا خاتم الانبیاء بنایا۔" (خطبہ الہامیہ مرزا قادیانی ص۴۳)

مرزا جی کی زندگی کے باقی پہلو جن میں وہ خاکسار پیپرمنٹ[51] سے بڑھتے بڑھتے محمد[52] صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل اور پھر خدا[53] بن گئے اور پھر قادیان[54] کو مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، وبیت المقدس[55] سے افضل قرار دیتے رہے، سب انگریز بہادر کی عنایات کا نتیجہ تھے۔

مرزا جی کی نبوت کا خلاصہ یہ ہے :

۱ ۔ ختم نبوت کا منکر اور اس کے اجماعی معنوں کی تحریف۔
۲ ۔ دعویٰ نبوت مطلقہ و تشریعیہ۔
۳ ۔ دعویٰ وحی اور اپنی وحی کو قرآن کے برابر قرار دینا۔
۴ ۔ حضرت عیسیٰؑ کی توہین۔
۵ ۔ ساری امت کو بجز اپنے متبعین کے کافر قرار دینا۔
۶ ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا۔

اور اسی وجہ سے تمام عالم اسلام نے مرزا اور اس کی امت کو کافر قرار دیا ہے۔

---

۵۱ : مجموعہ مکاشفات مرزا ص۴۲۹
۵۲ : خطبہ الہامیہ ص۱۶۷، الفضل ۱۰ فروری ۱۹۳۰ء
۵۳ : آئینہ کمالات صفحہ ۵۶۴، ۵۶۵، خدا کی تیندوے کی طرح بے شمار تاریں ہیں۔ (توضیح المرام ص۷۵)
۵۴ : بحوالہ الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء۔
۵۵ : الفضل ۱۲ اگست ۱۹۲۳ء۔

ان صفحات میں مرزا غلام احمد قادیانی کے کفرانہ دعاوی کا صرف ایک گوشہ پیش کیا گیا۔ یعنی مرزا علیہ ما علیہ جہاد کا منکر تھا اور اس کے باقی دعاوی کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے چونکہ معمولی پڑھا لکھا مسلمان بھی اس کے کفرانہ دعاوی سے خوب واقف ہے۔ حرمتِ جہاد پر اس نے جو کچھ کہا ہے اسے اس کی اُمت نے پھیلایا، اجاگر کیا۔ اور دنیا کے سامنے پیش کیا۔ میں ان لوگوں کے اس فعل کو ان کی اخلاقی جرأت پہ محمول کرتا ہوں۔ مگر حرمت جہاد کے سلسلہ میں مرزا کی رُوحانی برادری نے جو کچھ کہا یعنی بقول ہنٹر ہر معمولی مسجد کے ملا نے بھی حرمت جہاد پر فتویٰ لکھ کر ہماری خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ کفرانہ لاطائل ہفوات و خرافات کا لاطائل ذخیرہ ان کے اخلاف نے اپنی بزدلی کی وجہ سے بالکل ضائع کر دیا۔ ورنہ حرمت جہاد کے معاملہ میں مرزا علیہ ما علیہ اور احناف کا ایک کثیر گروہ اہلحدیث مجاہدین کے کفن بدوش مجاہدانہ کارناموں کے وقت بالکل ایک دوسرے کے ہمدوش، ہمنوا، ہم سفر بلکہ ہم کیش اور طابق النعل بالنعل تھے۔

انہی لوگوں کے اخلاف تقسیم ملک کے وقت طاغوتی جماعتوں کے ریزہ خوار تھے۔ اور جب تقسیم ملک کے بعد انہیں جوتم بیزار کر کے بھارت سے نکال دیا گیا۔ تو آج پاکستان کے سب سے بڑے ہمدرد بن کر سامنے آ رہے ہیں اور بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی سے یہ کہتے ہوئے ذرہ بھر شرم محسوس نہیں کرتے کہ پاکستان ہم نے بنایا تھا اور وہی لوگ آج پاکستان کے کرتا دھرتا بنے پھرتے ہیں۔ اور اپنی چابکدستیوں سے ملک میں آئے دن ایسے حالات پیدا کرتے چلے آ رہے ہیں کہ آج تک یہ نظریاتی مملکت اسلامی محروم چلی آ رہی ہے۔

ایک ذمہ دار قسم کے راوی کا بیان ہے کہ قومی اتحاد جب ابتدائی مراحل میں تھا تو ایک صاحب نے اپنی باکمال بصیرت کا یوں ثبوت فراہم کیا۔ کہ انہوں نے قومی اتحاد کے راہنماؤں کو مشورہ دیا کہ ایک خوبصورت اور چالاک عورت تلاش کی جائے اور اُسے کسی طرح بھٹو کے ہاں پہنچایا جائے۔ بھٹو شرابی اور بدکار ہے وہ اس عورت سے متاثر ہوگا۔ اور یہ عورت بھٹو کو شراب میں زہر ملا کر پلائے سارا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ شرابی اور بدکار کو ٹھکانے لگانے کے لئے انہوں نے جو تحریک پیش کی تھی۔ وہ

"عمل صالح" پر مبنی تھی۔

(ہفت روزہ قافلہ لاہور ۱۵ مئی ۷۷ء صفحہ ۲۵ سطر ۳۰ تا ۳۵ کالم اوّل)

اس قسم کے صالح اعمال کے اخفاء میں رکھنے کے لئے ہی خداوندان قومی اتحاد جو تمام تر مقلدین پر مشتمل تھا۔ اہلحدیثوں کی بے مثال جانی مالی اور لسانی قربانیوں کے باوجود ان کے لئے متحدہ محاذ کے دروازے بند رکھے۔

۲- پَرویز

مُنکرینِ قرآن

قرآن تمام بنی نوعِ انسان کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کا مخاطب تمام بنی نوعِ انسان سے ہے۔ وُہ اپنی زبان میں ان لوگوں کو جو اس کے قوانین کے حامل ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور پھر اس پر ثابت قدمی سے ڈٹ جاتے ہیں مسلم اور مومن کہتا ہے اور جو اس کے قوانین سے انحراف کرتے یا اس کے قوانین میں تحریفات کے مرتکب ہوتے ہیں اُنھیں کافر اور منافق کے نام سے پکارتا ہے۔ وُہ بنی نوعِ انسان میں سے اس کا دوست ہے جو اس کے قوانین کا احترام کرتے ہیں۔ اور انکار کرنے والوں سے اپنی دستبرداری کا اعلان کرتا ہے۔

آج اس رُبعِ مسکونہ پر تمام الہامی یا غیر الہامی کتابوں میں سے قرآن ہی ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو کسی ایک لفظ یا حرف بلکہ حرکت کی تبدیلی کے بغیر نزول کے وقت سے آج تک من و عن ہمارے سامنے موجود ہے۔ چودہ سو سال کے طویل دَور میں آج تک ہزاروں غیر مسلم فلاسفہ، لاکھوں حکماء اور کروڑوں ذی علم لوگوں نے اس پر غور کیا، اسے سمجھا، اسے پڑھا، اس پر تنقید کی، اس پر جرح کی اور اس پر اعتراض کیے مگر یہ سب کچھ ایسے ہوا جیسے کوئی دیوانہ کسی مضبوط سنگین قلعہ سے ٹکریں مار مار کر اپنا سر پھوڑ لے۔ قرآن بنی نوعِ انسان کے لیے کفر و نفاق کی تمام ہیئتیں بیان کرنے کے بعد ان سب کو ملّتِ واحد کے طور پر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو بھی ایک ہی ملّت کی صورت میں بیان کرتا ہے۔ اس دُنیا سے اگلی دُنیا میں پہنچ کر سب لوگ صرف دو گروہوں میں بٹ جائیں گے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ۔ گزشتہ صفحات میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ جس طرح قرآن لاریب، مُنزل من اللہ کتاب ہے اُسی طرح فرمودات رسُولؐ بھی ہمارے لیے واجب العمل ہیں۔ آج ہم نبی علیہ السلام کے فرامین کے بغیر قرآن کو رہنما بنا کر دینِ فطرت کے تقاضوں کے مطابق ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ قرآن سمجھنے کے لیے قرآنی آیات کا شانِ نزول جاننا

ضروری ہے۔ اور شانِ نزول نبی علیہ السلام کے فرمودات کے بغیر ہمیں معلوم ہی نہیں ہو سکتا مگر وقت گزرتا رہا —— اور قرآن مجید سے شغف کہیں بڑھتا رہا کہیں گھٹتا رہا۔ ایک گروہ نے قرآن کو نبی علیہ السلام کے فرمودات کے مطابق سینہ سے لگائے رکھا اور آج تک اس میں شمہ بھر کمی یا بیشی کو روا نہ رکھا۔ ایک گروہ نے اس کے معانی میں اپنی عقل کے مطابق جدّت آرائیاں کیں۔ اور وُہ چونکہ اپنی جدّت آرائیوں میں نورِ نبوّت سے مستفیض ہونا ضروری نہ سمجھے اس لیے وہ جس حد تک اپنی عقلی کارفرمائیوں کا دامن دراز کرتے رہے اتنا ہی حقیقت سے دُور ہوتے چلے گئے۔ ایک گروہ نے سرے سے ہی فرمودات رسولؐ کے مقابلہ میں صرف اپنی عقلی کارفرمائیوں پر اعتماد اور بھروسہ کیا اس لیے وُہ اُس جھوٹے کی طرح جو اپنے ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے مستزاد جھوٹ بولتا ہے، جھوٹ کے پلندوں کے پلندے تیار کرتے چلے گئے۔ مگر یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی اُنھیں قرآنی معانی اور اس کے حقائق کے توڑ موڑ کی جرأت نہ ہوئی۔

رائے، قیاس اور اجتہاد کا دروازہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں کھل چکا تھا۔ مگر یہ رائے قیاس اور اجتہاد جس حد تک دین میں تشتت و افتراق کے موجب بنے اس سے بڑھ کر نبی علیہ السلام کے فرامین کے نکھار کا سبب بھی بنے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ احادیث کی درجہ بندی اور فنِ اسماء الرّجال اسی اجتہاد کے ردِّ عمل کے طور پر ظہور میں آئے۔ وقت گزرتا رہا، دین میں مُدعیانِ نبوّت بھی پیدا ہوتے رہے اور مجدّدانِ وقت بھی، مگر تیرھویں صدی کے وسط تک اس بھری دُنیا میں اس گستاخی، دریدہ دہنی، ژاژخائی اور بیہودہ گوئی کی کوئی جرأت نہ کر سکا۔ جس نے قرآن کے واضح اور صاف مفہوم کو بدلنے کی کوشش کی ہو۔ ہم پوری طرح کھوج لگائیں۔ اپنی پوری علمی بصیرت کو بروئے کار لائیں۔ ہم تمام مشرق و مغرب کا اسلامی لٹریچر تلاش کر کے دیکھیں خواہ وُہ اسلام کے کسی فرقہ سے منسلک کیوں نہ ہو ہمیں یہ کہیں نظر نہ آئے گا کہ اس بھری دُنیا میں کسی نے قرآنی مفہوم کو بدلنے کی کوشش کی ہو۔ اسلام دُشمنی میں بین الاقوامی سطح پر عیسائیت آج تک سب سے پیش پیش رہی ہے۔ پھر اُس کے بعد یہودیت اور سب سے آخر میں دیانند آریہ نے ستیارتھ پرکاش

زہر اُگلا۔ مگر یہ سب کچھ اس طرح ہوتا رہا کہ کسی قرآنی آیت پر اعتراض کیا جا رہا ہے یا کسی آیت کے مفہوم پر عقلی استدلالات سے حجّت کی جا رہی ہے۔ یہ کسی نے کسی وقت کسی مقام پر نہیں کیا کہ قرآن کا مفہوم ہی سرے سے بدل دینے کی جرأت کی ہو۔

اور پھر ایسا وُہ لوگ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ اگرچہ ان سب کا مقصد اسلام دُشمنی تھا اور وُہ خود غیر مُسلم تھے۔ مگر قرآن کا مفہوم بدلنے میں ان کا مؤقف ہی کمزور ہو جاتا تھا۔ پھر وُہ یہ دردِ سر کیوں مُول لیتے۔ مگر مرورِ ایّام سے ایک ایسا گروہ مُسلمان گھرانوں میں ہی پیدا ہو گیا۔ جو عیسائیوں، یہودیوں یا ہنُود کی طرح قرآن اور اسلام پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ اس کی بجائے ان کے لیے یہ راستہ آسان تھا کہ وُہ قرآن کے مفہوم کو ہی بدل دے۔

قرآن اپنے ماننے والوں کے سامنے جو ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے وُہ دینی اور دُنیوی دونوں قسم کے احکام، ان کی مبادیات اور اسرار و رموز پر مشتمل ہے۔ دُنیا کی زندگی کے متعلق وُہ اس قسم کے حقایق پیش کرتا ہے: کہ یہ دُنیا حقیقت میں مزرعۂ آخرت ہے اس مادی اور عارضی زندگی کے علاوہ ایک اور پائیدار اور اَبدی زندگی آگے ہے۔ اگر یہاں تم اپنی خواہشات کو قوانینِ فطرت کے مطابق قابو میں رکھ کر زندگی گذارو گے تو آیندہ زندگی میں تمہارے لیے جنّت ہوگی۔ اور اگر تم نے اپنی خواہشات کے مطابق یہاں زندگی گذاری تو آیندہ تمہارے لیے جہنّم ہوگی۔ قرآن اپنے اس مضمون کو مؤکد کرنے کے لیے پہلے پیغمبروں کے حالات، ان کی اُمّتوں اور ان کے مُنکرین کے واقعات بیان کرتا ہے۔ اور پھر ہدایت کرتا ہے کہ ان گذشتہ حالات واقعات پر غور کر کے تم اپنے آپ کو فطرتِ سلیمہ کے سانچے میں ڈھال لو۔ یہ فطرتِ سلیمہ کیا ہے؟ توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تقدیر، آخرت، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، کتابوں اور رسُولوں پر ایمان۔ اور اس کے ساتھ ہی معاشرہ کے حقوق کی نگہداشت یعنی چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، شراب نہ پیو، جُوا نہ کھیلو، کسی کا حق نہ مارو۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اوامر و نواہی پر پوری طرح کاربند اور عمل پیرا ہو جاؤ۔

زمانہ گذرتا رہا۔ اسلام پر اعتراض کرنے والوں کی ٹکنیک بھی بدلتی رہی۔ بارہ سو سال

تک تو اس قسم کے قلمی، ذہنی اور دماغی دنگل ہوتے رہے۔ مگر قرآن یا اسلام کا یہ ایک معجزہ تھا کہ کبھی کسی اسلام کے نام لیوا میں اس قسم کی ذہنی شکست خوردگی پیدا نہ ہوئی کہ وُہ مسلمان کہلاتے ہُوئے اسلام کی ہیئتِ اجتماعیہ ہی کو بدلنے پر تیار ہو جاتا۔ کسی مُسلمان نے قرآن نہ سمجھتے ہوئے بھی کبھی یہ کہنے کی جرأت نہ کی کہ قرآن کا اصل مفہوم یہ نہیں جس پر فریقِ مخالف اعتراض کر رہا ہے بلکہ اس کا مفہوم اصل میں وُہی ہے جو فریقِ مخالف خود دیکھ رہا ہے۔ آخر برّ صغیر میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اسلام میں اس قسم کی ذہنیتیں رکھنے والے بھی پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ جو خود تو نہ بدل سکے مگر قرآن کو بدل کر رکھ دیا۔ آج یہ لوگ مُسلمانوں میں چکڑالوی، نیچری اور مُنکرینِ سُنّت وغیرہ کے ناموں سے متعارف ہیں۔ مگر حقیقت میں وُہ چکڑالوی، نیچری، پیرویزی بلکہ منکرِ حدیث نہیں بلکہ منکرِ قرآن ہیں۔ اِس صدی میں ان لوگوں کے رہنماؤں کی ایک کھیپ گذر چکی ہے۔ اور ان سب کا تتمہ یا خلاصہ غلام احمد پرویز کے نام سے ہمارے درمیان موجود ہے۔ پرویز بیچارہ قرآنی تحریف میں اپنے دن رات قربان کیے ہُوئے ہے۔ اُسے اس ذہنی ہلکان میں مُبتلا ہونے کا تکلف کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اُسے بھی چاہیے تھا کہ اپنے رُوحانی گرو نیاز فتح پوری کی طرح صاف لفظوں میں قرآن سے انکار کر دیتا۔ تاکہ وُہ اس آئے دن کی ضیق سے بچ جاتا۔ نیاز فتح پوری کہتا ہے:

> "کسی انسانی زبان کی کتاب کو اسی مفہوم میں خدا کا کلام قرار دینا جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کی ذات ہر نوع کے مادی لگاؤ سے بلند ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ یہاں کلام سے صرف اس کا مفہوم مُراد ہوگا۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں وُہ طبیعی اور نفسیاتی کیفیت جس کے زیر اثر ایک شخص بے اختیارانہ کچھ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اسی کیفیت کا نام مذہبی زبان میں وحی و الہام، جبریل و رُوح القدس وغیرہ ہے ...... اگر قرآن کے الفاظ کو کلامِ الٰہی کہا جائے گا تو ساری عربی زبان کلامِ خداوندی قرار پائے گی حالانکہ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ عام مسلمانوں اور مولویوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب کے لحاظ سے تمام تر پہلے

سے لوحِ محفوظ پر منقوش تھا۔ اور فرشتہ بھی محفوظ و منقوش کلام رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو آکر سُنایا کرتا تھا اور رسُول اللہ ان آسمانی الفاظ کو دُہرا دیتے تھے بحد درجہ مضحکہ خیز بات ہے ...... بہرحال قرآن کو خدا کا کلام تسلیم کرنا...... خدا کو اس منصب سے گرا کر انسان کی حد تک کھینچ کر لانا ہے، اور رسولؐ کو سطحِ انسانیت سے بھی گرا دیتا ہے۔" (من و یزدان ص۵۵۲)

منکرینِ قرآن کی قرآن کے متعلق یہ اختراع خلافتِ عباسیہ کے دور کے اُسی مسئلہ خلقِ قرآن کی صدائے بازگشت ہے۔ جس کی وجہ سے امام احمد بن حنبل تشدد کا نشانہ بنے اور عبد العزیز الکنانی نے مکہ سے بغداد کا سفر کر کے خلافتِ عباسیہ کے دربار میں اس مسئلہ کے خالقین کا ناطقہ بند کیا تھا۔

سرسید کی گمراہیاں

آج سرسید احمد خان کو برِّصغیر کا بھولا بھالا مُسلمان اپنا نجات دہندہ سمجھتا ہے۔ اس لحاظ سے اسے ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کر لینے میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں کہ موصوف نے علی گڈھ میں مُسلمانوں کے لیے ایک انگریزی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ مگر دینی لحاظ سے سرسید کے چہرے سے اِس بدعتِ سیئہ کے داغ کو دُور کرنے میں مسلمان اپنے آپ کو مجبُور پاتے ہیں۔ بلکہ ان داغوں کو جتنا کھُرچ کھُرچ کر دُور کرنے کی کوشش کریں گے وُہ اتنا ہی اور بڑھتے جائیں گے۔ سرسید سفرِ انگلستان کے دوران مغرب کی تاریخی، سیاسی مذہبی، معاشی، اقتصادی اور فکری شعبدہ بازیوں سے اس حد تک مرعوب ہوئے کہ ان کے وجدان و ایقان کا اسلامی مثبت انداز مرعوبانہ ذہنیت میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔ جنگِ آزادی کے بعد برِّصغیر میں وارد ہونے والا ہر انگریز اپنے آپ کو تاجِ برطانیہ کا نمائندہ سمجھتا تھا۔ اور ہر ہندوستانی نواب یا راجہ مہاراجہ تک کو رعیّت کا ایک حقیر فرد۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے سرسید ایسے حالات میں اکثر انگریزوں سے ملتے رہتے تھے، اور ایسی ملاقاتوں میں مذہبی اُمور بھی اکثر ضمناً ہی سہی زیرِ بحث رہتے تھے۔ اور جو باتیں مجالس و محافل میں اوّل اوّل ضمناً زیرِ بحث آتی ہیں وُہ آگے چل کر نفسِ موضوع بن کر بحث و تکرار کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ ایسی ہی مجالس میں جب عیسائیت کی طرف سے

* سرسید مرحوم کے سامنے اسلام پر اعتراضات کیے گئے تو چاہیے تو یہ تھا کہ وُہ اسلام کی روشنی میں ان کا جواب دیتے مگر آپ نے اسلام اور قرآن کو ہی اس طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔ وُہ اس ذہنی کھینچا تانی میں کھُل کر نہ اپنا موقف بیان کرنے کی ہمت یا علمی استعداد اپنے اندر موجود پاتے تھے نہ اُن کے اعتراضات کا کماحقہٗ جواب دے سکتے تھے۔ (بقیہ حاشیہ پر ۴)

ایسے حالات میں جب اُنہیں جس مذہب سے جو چیز ملی، اسی کا سہارا لینے کو اُدھر ہی جھک پڑے۔ اور آخر ان کا اپنا ذہن گویا تمام ادیانِ باطلہ کے مفروضات کے ملغوبہ کا مسکن بن کر رہ گیا۔ اِسی ذہنی بے راہروی نے اُن سے قرآن، رسالت، معجزات، حدیث، فقہ، ایمان، ملائکہ، قیامت، جنّت، دوزخ، نماز، حج، زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ کے متعلق عجیب عجیب باتیں کہلوائیں۔ جن لوگوں کی نظروں سے کبھی تفسیرِ احمدی یا خطباتِ احمدیہ گزرے ہوں گے۔ وُہ جانتے ہیں کہ ان باتوں کی تاویلات میں آپ نے کیا کیا ٹامک ٹوئیے مارے ہیں۔

میں یہاں صرف اس قدر بتانا چاہتا ہوں کہ سرسید نے کس قدر گستاخی اور دلیری سے قرآنی مفہوم ہی نہیں بلکہ صاف ترجمہ کو غلط طور پر بیان کرنے میں کتنی بددیانتی دکھائی ہے۔ باقی اُمور کی تاویلات کا احاطہ کرنا تو ایک طویل فرصت کا متقاضی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ مؤلفِ مقدمہ تفسیرِ حقانی کو کروٹ کروٹ جنّت میں جگہ دیں جنہوں نے بروقت ہی مسلمانوں کو سید احمد کی ان تاویلات سے آگاہ کیا۔ میں یہاں مُشتے نمونہ از خروارے خطباتِ احمدیہ سے اصحابِ فیل کا واقعہ پیش کرتا ہوں "اصحابِ فیل کا واقعہ قرآنی الفاظ میں کیا اور تواتُراً کیا، ہمارے سامنے اس صورت میں بیان ہوتا چلا آرہا ہے کہ ابابیلوں کی کنکریوں سے اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کو کھائے ہُوئے بھُس کی طرح کر دیا۔ مگر سرسید کسی معترض کے سامنے اپنی ذہنی شکست خوردگی کی وجہ سے اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ کا صحیح ترجمہ بھی پیش نہ کر سکے اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اس فوج کو چیچک نکلی اور وُہ مر گئی۔" اب بتلائیے یہ قرآن کا انکار ہے یا حدیث کا؟ پھر جو لوگ انھیں منکرینِ حدیث کہتے ہیں، انھیں دوبارہ اس فرقہ ضالہ کے عقائد پر غور کرنا چاہیے۔ غور کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ سرسری طور پر دیکھنے سے

---

۴ مولانا سعید احمد ایم اے فاضل دیوبند نے اپنی کتاب فہمِ قرآن میں ایک اور نقطۂ نگاہ سے اس بات کو بیان کیا ہے کہ انگریز ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد علماء کا زور توڑنے کی فکر میں تھے کہ انہیں سرسید اور انکے ہم خیال ...

صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ نے اپنے آپ پر اہلِ قرآن ہونے کا لیبل صرف مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے چسپاں کر رکھا ہے۔ یہ لوگ صریحاً قرآن کے منکر ہیں۔ یہاں یہ بات ضرور ذہن میں پیدا ہوگی کہ اگر یہ لوگ منکرینِ قرآن ہی ہیں تو پھر انہیں اہلِ قرآن کہلوانے کی ضرورت کیا ہے۔ معمولی سے غور و فکر کے بعد ان کی یہ ٹیکنیک سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ اگر یہ لوگ علی الاعلان منکرینِ قرآن بن کر سامنے آتے تو ان کی کسی بات پر کوئی مسلمان قطعاً کان نہ دھرتا اور انہیں بلا خوف کافر قرار دیتا۔ اس صورت میں یہ لوگ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے بھٹکانے کی سکیم پر قادر نہ ہو سکتے تھے۔ مگر اہلِ قرآن کہلاتے ہوئے انہیں اس بات کا کوئی خوف نہیں۔ اور وہ آسانی سے اس لیبل کے ہوتے ہوئے دینِ اسلام میں نقب لگا سکتے ہیں۔

گزشتہ صفحات میں متعدد بار اس بات کو دُھرایا گیا ہے کہ قرآن منزل من اللہ لاریب کتاب ہے۔ اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے، اور نبی علیہ السلام کے فرمودات جنہیں ہم حدیث کہتے ہیں اسی قرآن کی تشریح اور تفسیر ہیں۔ نبی علیہ السلام نے اپنی رائے سے اپنی ساری زندگی میں اوامر و نواہی کے متعلق ایک لفظ بھی اپنی زبانِ مقدس سے نہیں نکالا۔ آج تک اہلِ سنت کے تمام فرقے اس حقیقت کو مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ چند فقہی اُمور میں احناف نے اختلاف ضرور کیا مگر وہ اختلاف اس مقام پر کسی حالت اور کسی صورت میں نہ پہنچا کہ فرمودات رسول متاخرین کی من گھڑت روایات ہیں۔ انہوں نے بعض احادیث پر عمل کرنا ضرور چھوڑ دیا اور ان کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ یا ان کے شاگردوں کے اقوال پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے کبھی احادیث کا انکار نہیں کیا۔

مگر اہلِ قرآن کے دین و مذہب کا ماخذ مسلمانوں کی طرح قرآن نہیں بلکہ عیسائیت، یہودیت، ثنویت اور ہنود کے مختلف عقائد کا ملغوبہ ہے۔ ان کا کوئی مرکزی نقطہ خیال نہیں۔ یہ آج تک اپنے مذہب کے کسی ایک نقطہ پر متفق نہیں ہو سکے۔ سرسید کچھ اور کہتے رہے، عبداللہ نے کچھ اور کہا، نیاز کی ہانک الگ رہی اور احمد دین کی لم ترانیاں الگ، محمد فاضل نے کچھ اور دیا کھینان دیا تو اسلم جیراجپوری کسی اور راہ پر شاستر میں مشغول رہے۔ محمد رمضان کسی اور آواز میں بولتا رہا تو حشمت علی کچھ اور گنگناتا رہا۔ رفیع الدین کی سُر الگ رہی تو طارق ویرق اور لے میں راگ الاپتے رہے۔ اور ان سب کا تتمہ یا خلاصہ غلام احمد پرویز اور ہی سُروں سے لوگوں کو مسحور کرنے کی سعی میں مصروف ہے۔ مگر ان تمام اختلافات تباین کے باوجود اسلام دشمنی میں یہ سب ہمنوا ہیں اور انکارِ قرآن ان کی قدر مشترک ہے۔ پیغمبرانِ علیہم السلام اجمعین کی گستاخی میں یہ سب ہم زبان ہیں۔ ان کی ٹیکنیک ایسی گہری، عیارانہ اور مکارانہ ہے کہ یہ کوئی بات بھی بیان کرتے ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُمتِ مرحومہ کے درد کا مروڑ انھیں لاچار کیے ہوئے ہے۔ ٹسوے بہائیں گے اظہارِ افسوس کریں گے اور نہایت دردمندی سے کہتے نظر آئیں گے کہ "ہماری دینی فراست یہ کہتی ہے، نامعلوم اُمت میں یہ سانپ کہاں سے گھس آئے ہیں" اور اس کے بعد ایسی ضرب کاری لگائیں گے جس سے نہ خدا ان کی زبان سے بچتا نظر آئے گا، نہ کوئی پیغمبر، نہ قرآن کو چھوڑیں گے نہ فرمودات رسول کو۔ میں علیٰ رؤس الاشہاد اپنی پوری ذمہ داری سے یہ کہنے کے لیے تیار ہوں کہ حاشا و کلا یہ لوگ ہرگز ہرگز قرآن کو ماننے والے نہیں۔ یہ زندقہ اور الحاد کے جاسوس ہیں۔ نقفہ کالم ہیں، مسلمانوں کے وجود اور لباس میں اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لیے مسلمانوں میں آگھسے ہیں۔ دینِ مصطفٰے سے ان لوگوں کا تعلق صرف اس قدر ہے کہ وہ اس دین کی آڑ میں اسی دین کی تخریب کے لیے اپنا تن من دھن قربان کیے ہوئے ہیں۔

پرویز نہایت ڈھٹائی سے مسلمانوں کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے منحرف کرنے کے لیے لکھتا ہے کہ:

> "مقلدِ آئمہ ہوں یا مقلدِ روایات، تقلید کی تائید میں ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ہم رسول اللہؐ یا صحابہ کبارؓ یا آئمہ فقہ کی تقلید کرتے ہیں۔ یہ کہتے وقت اتنا نہیں سوچتے کہ رسول اللہؐ صحابہ کبارؓ یا آئمہ فقہ کسی کے مقلد نہیں تھے وہ مسائلِ زندگی کا حل خود سوچتے تھے۔ آپ بھی اپنے مسائلِ زندگی کا حل

خود کیجیے۔" (تاریخ اسباب زوالِ اُمّت ۲۱)

یہ کتنی غلط بیانی، افترا، کذب اور جھوٹ ہے کہ صحابہ کرام یا آئمہ فقہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔ اور یہ کتنی دینی بد دیانتی اور تحریف ہے کہ وُہ مسائلِ زندگی کا حل خود سوچتے تھے۔ آج تک مسلمان ہوتے ہُوئے کسی نے اس بات کی جسارت نہیں کی کہ اُس نے کتاب و سنّت کے خلاف زندگی کے کسی شعبہ میں بھی دین کی کسی شق سے انحراف کیا ہو۔ درحقیقت پرویز مسلمانوں کو نبی علیہ السّلام کی ذاتِ اقدس سے منحرف کرنا چاہتا ہے۔ اور یہی اس کے معاند ضد دین کا نصب العین ہے۔

حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ذاتِ اقدس سے مسلمانوں کو متنفر کرنے اور دینِ حقّہ سے دُور لے جانے کے لیے آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلی زندگی پر کتنے بھونڈے پن سے کتنا سوفیانہ حملہ کیا گیا ہے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ پر کتنی بہتان تراشی کی گئی ہے کہ وُہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔

اب آگے بڑھ کر وُہ منصبِ نبوّت پر حملہ آور ہوتا ہے۔ مگر اس کے لیے بھی وہ اپنی مخصوص تکنیک استعمال کرتا ہے۔ اور اُسے اس کی تکنیک بتاتی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عصمت پر حملہ کرنے کا انداز یوں ہونا چاہیے۔ وُہ لکھتا ہے کہ :

"وُہ یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب ان مجالس و محافل میں اپنے لیے ~~~~کوئی سامانِ تسکین نہ پاتا۔ تو عیسائی رہبان اور یہودی احبار کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کہ اُس نے سُن رکھا ہے کہ وُہ زندگی کے حقایق کا علم رکھنے کے مُدعی ہیں۔ وُہ خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ اس لیے ان علماء مشائخ سے پوچھتا ہے کہ ان کے پاس کونسی روشنی ہے۔ جسے وُہ آسمانی کہہ کر پکارتے ہیں . . . . . اُسے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بستیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس طرح ان معبودانِ باطل سے متنفر ہیں وُہ ان کی طرف رُخ کرتا ہے۔ کہ شاید وہیں وُہ ثبوت مل جائے۔ جس کی اُسے تلاش ہے۔ لیکن اس کو ان کا ذوقِ تشنہ اور تڑپ خام نظر آتی ہے۔ وُہ وہاں سے بھی مایوس

واپس آجاتا ہے۔" (معارف القرآن جلد ۴ صفحہ ۱۸۶)

روایتاً، تواتراً اور درایتاً جس طرح نبوّت کا تئیس سالہ دَور نکھرا ہوُا ہمارے سامنے موجود ہے۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قبل از نبوّت زندگی کے چالیس سالہ گوشے بھی ہماری نظروں سے آج پوشیدہ نہیں۔ مگر معلوم نہیں کہ پرویز کو یہ الہام کس ذریعے سے نازل ہوُا کہ وُہ بے اختیار نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہود و نصاریٰ کے احبار و رُہبان کے دروازوں پر جبہ سائی کرتے ہُوئے دکھانے پر مجبور ہو گیا۔ اس خبثِ باطن سے تو ولیم میور جیسا متعصب اور مُنہ پھٹ عیسائی بھی کوسوں دُور رہا۔ ولیم میور لکھتا ہے کہ :

"آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) دیگر موحدین کی طرح تلاشِ حق میں بے قرار اور قوم کی بُت پرستی سے بیزار تھے۔ اسی سوچ و بچار کے لیے غارِ حرا میں خلوت گزینی کیا کرتے تھے۔"

افسوس کہ جو بات ایک مُنکرِ نبوّت محمدیہ کو نہ سُوجھی وُہ اس قوم کے پس خوردہ پر پلنے والے مگر بظاہر محمدؐ کے نام لیوا پر منکشف ہُوئی۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو احبار و رہبان کے در در دربدر پھرنے والا اگر یہ جانتا کہ ایک نبی شکمِ مادر سے منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہونے کے پہلے ہی نبی ہوتا ہے تو اُسے اس خبث کا مروڑ کبھی نہ اُٹھتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مُرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کو ہر لمحہ اپنی نگہداشت میں رکھتا ہے۔ اُنھیں ہر شنیع فعل اور لغو حرکت سے مامون رکھتا ہے، اُنھیں ہر بیہودہ کام اور لہو و لعب سے محفوظ رکھتا ہے۔ اُنھیں ایسی مجالس اور محافل میں بھی شامل نہیں ہونے دیتا جہاں مکروہات کا شغل ہو۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ معمولی سے اختلاف سے لکھا ہوُا ہے :

"آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر شریف کا بارھواں سال ہے۔ آپ سفرِ شام میں اپنے چچا کے ہمراہ ہیں۔ بصریٰ میں بحیرہ راہب نے آپ کو پہچان لیا۔ اور ابی طالب سے کہا کہ اس لڑکے کو یہودیوں کے ملک میں نہ لے جاؤ وُہ کہیں پہچان کر اسے گزند نہ پہنچائیں۔ ترمذی میں مزید روایت ہے۔ کہ ابو طالب نے بلال کو ہمراہ کر کے آپ کو واپس بھیج دیا۔ یہ قصّہ ابنِ جریر، ابنِ اثیر،

ابنِ ہشام، صاحبِ روض الانف، ابنِ خلدون، الشیخ محمد خضری مصنف نور الیقین نے اپنے اپنے طریقہ سے بیان کیا ہے۔ زاد المعاد، اصابہ، میزان الاعتدال، مستدرک حاکم میں بھی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مرقوم ہے۔"

پرویز تو اپنی "قرآنی بصیرت" کے بل بوتے پر اپنی ذہنی اپچ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو احبار و رہبان کے دروازوں پر بھٹکتا ہوا دکھا رہا ہے مگر علم و بصیرت والے لوگ صرف اتنے واقعہ کو بھی سچ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جہاں حضورؐ کا بارہ سال کی عمر میں ایک راہب سے چند لمحات کے لیے بالواسطہ تعلق بیان کیا گیا ہے۔ روایت کے لحاظ سے :

۱۔ امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ مطبع مجتبائی)

۲۔ حضرت بلالؓ اس وقت موجود ہی نہ تھے۔ پھر باقی واقعہ پر اعتبار کے کیا معنے۔

(اصابہ فی احوالِ صحابہ جلد ۱ صفحہ ۳۵۱)

۳۔ حافظ ابنِ حجر کے قول کے مطابق اس واقعہ کے تمام راوی ضعیف ہیں۔

۴۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں اظنّہ موضوعًا و بعضہ باطل۔ (تلخیص مستدرک)

۵۔ یہ روایت مرسل ہے۔ (سیرۃ النبی جلد اوّل ص ۱۳۱ شبلی نعمانی)

علامہ ابنِ قیم متوفی ۷۵۱ زاد المعاد میں لکھتے ہیں :

"کہ ان تصریحات کی روشنی میں ہی تمام واقعہ کو سمجھ لیجیے۔"

اب اسی واقعہ کو درایت کے نقطۂ نگاہ سے دیکھیے :

۱۔ اگر بحیرہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہی لڑکا نبی آخر الزمان ہے تو اُسے ورقہ بن نوفل کی طرح اس بات پر یقین ہونا چاہیے تھا کہ اُسے کوئی بھی کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ بلکہ اُسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ یہ ہجرت بھی کریں گے اور ان کا دین پھولے پھلے گا۔

۲۔ قرآن کہتا ہے کہ وکانوا من قبل یستفتحون ...... الخ یعنی یہود و نصاریٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے ان کے ذریعے کفار کے مقابلہ میں فتح کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ اور حضورؐ کی بعثت تک ان کا یہ اعتقاد رہا۔ اس لحاظ سے بھی بحیرہ

کا قول غلط ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اگر نبی علیہ السلام کو یہودی پہچان بھی لیتے تو اُن کی تعظیم کرتے یہاں گزند پہنچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ پھر جن متعصب مگر گھٹیا سطح کے پادریوں کی تصانیف سے متاثر ہو کر مسٹر پرویز نے یہ لم تراشی ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد تثلیث، کفارہ اور مسیح کے مصلوب ہونے کا بطلان کیوں کیا۔

۴۔ مسٹر پرویز کی اس دریدہ دہنی کے مقابلہ میں سیرت کی کتابیں نبی علیہ السلام کے ارہاصات کے متعدد واقعات ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام مجالس و محافل میں شمول تک کہیں سے ثابت نہیں ہوتا۔

قاضی عیاض شفا صفحہ ۶۸ پر رقم طراز ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایامِ جاہلیت کی رسموں میں سے میں نے کبھی کسی میں شامل ہونے کا ارادہ نہیں کیا۔ صرف دو دفعہ ایسا ہوا یعنی میں کہانیاں بیان کرنے والوں کی مجالس میں شامل ہونے کے ارادہ سے نکلا مگر راستہ میں نیند آجاتی رہی۔

منکرینِ قرآن تو نبی علیہ السلام کے معجزات کے منکر ہیں۔ مگر نبوت سے پہلے جو ارہاصات ظہور پذیر ہوئے ان کی فہرست بھی بہت طویل ہے :

۱۔ حضرت عثمان بن ابی العاص کی والدہ راوی ہیں کہ حضرت آمنہ کے زچگی کے وقت میں نے ستاروں کو زمین کی طرف جھکتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ سے ایک نور نکلا جس سے سارا مکان روشن ہو گیا۔ (فتح الباری بحوالہ طبرانی)

۲۔ عرباض بن ساریہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدمؑ گیلی مٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ (فتح الباری بحوالہ طبرانی)

۳۔ ابنِ حبان، امام حاکم، ابو امامہ اور امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ نے کہا کہ میں نے اس وقت ایک ایسا نور دیکھا جس سے شام تک کے محلات روشن ہو گئے۔

۴۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اُس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں جو میرے مبعوث ہونے سے پیشتر مجھ پر سلام کہتا تھا۔ (دارمی)

۵ - مخزوم بن ہانی مخزومی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں جن کی عمر اس وقت ۱۵۰ سال تھی کہ حضورؐ کی ولادت کے وقت کسریٰ کا محل ٹوٹ گیا۔ اس کے چودہ کنگرے گر پڑے آتشکدے کی آگ بجھ گئی۔ بحیرہ ساوہ کا پانی نیچے چلا گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ابن سکن اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں۔ (فتح الباری بحوالہ معرفۃ الصحابہ مطبوعہ دہلی جلد ۳ ص ۳۱۵)

۶ - ابن اسحٰق کی مشہور روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ: "حضرت حلیمہ کی چھاتیوں میں دودھ زیادہ ہو گیا۔ لاغر اونٹنی دودھ دینے لگی۔ سواری کا گدھا تیز رفتار ہو گیا۔ حلیمہ کی بکریاں زیادہ دودھ دینے لگیں۔ اس علاقہ میں غلے کی پیداوار زیادہ ہو گئی"

۷ - شام کے تجارتی سفر کے بعد میسرہ حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں بیان کرتا ہے کہ تمام سفر میں فرشتوں نے آپ پر سایہ کیے رکھا۔ (روض الانف جلد اول مصر ص ۱۲۱)

مگر منکرینِ قرآن ——— :

وَکم من قائلٍ قولًا صحیحًا

وآفتہ من الفہم السقیم

کے مصداق اپنی آدھ آدھ سیر بھر کھوپڑیوں سے کیا کیا انکشافات اُچھر رہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ انگریزوں کے پس خوردہ پر پلنے والی ذہنیتوں کی اُپج کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اِس منکرِ قرآن گروہ کی زد سے اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس بھی محفوظ نہ رہ سکی تو دیگر انبیاء علیہم السلام اجمعین کی عصمتیں کیسے محفوظ رہ سکتی ہیں۔ اس گروہ کے رہنما علماء اور سرخیل حضرات قرآن کی کسی آیت کو لے کر بظاہر نہایت مؤدبانہ انداز سے ترجمہ کرتے وقت اس کے بین السطور میں اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے چلے جاتے ہیں جس سے ایک عام سطح کا قاری وقتی طور پر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر جب نفسِ مضمون کا پورا مفہوم وہ ذہن میں لاتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا اصل ہدف انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں ہیں۔ اور یہی وہ مضمون ہے جسے دُوسروں کے اذہان میں ٹھونس کر وہ اُنھیں اسلام سے دُور لے جانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

جب کسی پیغمبر کی زندگی ہی ایک قاری کی نظروں میں مشتبہ انداز سے عبارت ہو گی تو

اُس کے ذہن سے اُس پیغمبر کی رسالت، نبوت، عظمت، عصمت، عفت اور اُولوالعزمی کا انداز یکسر بدل جائے گا۔ پیغمبر جب پیغمبر ہی نہ رہا تو پیغمبر کو مبعوث کرنے والا بھی نہ رہا۔ پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہونے والے فرشتے اور پیغمبر پر نازل ہونے والی کتاب یا صحائف بھی ختم پھر پیغمبر کا لایا ہوا دین اور اُس کے فرموادت بھی ختم۔

اس گروہ نے نہایت ہی گہری سیاست اور مکاری سے سب سے پہلے پیغمبران علیہم السلام پر حملے شروع کیے تاکہ دین کی بنیاد ہی اُکھڑ جائے۔ پھر باقی معاملات خود بخود ہی حل ہو جائیں گے پیغمبران علیہم السلام کی زندگیوں پر حملے کرنے کے لیے ان لوگوں نے ضروری سمجھا کہ وہ ان کے معجزات سے انکار کرتے اور معجزات سے انکار کے لیے ضروری تھا کہ قرآنی مفہوم کو بدلتے۔ اور اصل غرض بھی اُن کی یہی تھی۔ لہٰذا انہوں نے قرآن مجید سے اسی موضوع کو اولیت کا مقام دے کر پہلی "ریسرچ" اسی پر شروع کی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کی اس "ریسرچ" کے ماخذات بھی کچھ ضرور ہوں گے۔ ہاں ہیں۔۔ اور ضرور ہیں ——— ! مگر ان ماخذات کا تعلق مسیلمہ کذاب، چند اہلِ ہوا، دیانند سرسوتی، چند حکماء و مشائین اور دہریہ لوگوں کے اقوال اور چند مدعیانِ نبوت اور ملحدانِ وقت کے مفروضات کا چربہ ہیں۔ اور پرویز قرآنی آڑ میں انھیں باتوں کا اعادہ کر رہا ہے اور انھیں نظریات کی تجدید میں منہمک ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ان کے دینی ماخذات کا ہلکا سا خاکہ ملاحظہ ہو :

۱ - دبستان مذاہب کے صفحہ ۲۹۹ پر مرقوم ہے کہ: "مسیلمہ کذاب کی الہامی کتاب فاروق اوّل و دُوم میں فرقہ صادقیہ کے عقاید میں مرقوم ہے کہ شیطان کوئی نہیں اور نہ خدا کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔"

۲ - عقاید حکماء کے متعلق لکھا ہے: "کہ آدم کا جنت سے نکالا جانا رمز ہے اس بات کی کہ ان کی رُوح بدن میں ڈالی گئی۔ یعنی آدمی کی رُوح کا ان کے بدن میں پھونکا جانا ان کا جنت سے نکالا جانا ہے۔ اور حوا سے مراد بدن کی فرمانبرداری کی طرف طبیعت کا میلان ہے۔ شجرۂ منہیہ سے مراد بدخصلتیں۔ سانپ سے مراد غضب ولہ

سے مُراد شہوت اور شیطان سے مُراد قوتِ بہیمیہ ہے۔ کہ جو عالمِ معقولات کی مُنکر اور محسوسات کی پیرو ہے۔ عقل سے مُراد معارضہ کرنے والی ہے۔ اور یہ جو شرع میں آیا ہے کہ فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا اور ابلیس نے نہ کیا تو اس سے مُراد ہے کہ قوائے جسمانی جو زمین کے فرشتے ہیں آدمؑ کی رُوح کے مسخر ہو گئے۔ اور قوائے وہمیہ نے سرکشی کی" (دبستانِ مذاہب صفحہ ۲۴۳)

۳۔ معجزات کا انکار ستیارتھ پرکاش کے گیارھویں باب کا چربہ ہے۔ اس کتاب کے گیارھویں باب میں دیانند نے سناتن دھرمیوں کے خلاف معجزات کے بارہ میں جو تکنیک استعمال کی ہے وہی ٹکنیک پرویز انبیاء کے معجزات کے متعلق استعمال کرتا ہے۔ دیانند نے رشیوں کے خرقِ عادات کے خلاف لکھتے ہُوئے ہر جگہ یہ کلمہ دُہرایا ہے کہ یہ بات یُوں نہیں بلکہ یُوں ہوئی ہو گی۔ اسی طرح پرویز بھی اسی دیاکھیان کا اعادہ کرتے ہُوئے کسی معجزہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ یہ بات یُوں نہیں بلکہ یُوں ہُوئی ہو گی۔

۴۔ علامہ عبدالکریم کتاب الملل والنحل جلد دُوم صفحہ ۷۴ پر لکھتے ہیں کہ:

"بعض حکماء کا جنّت کی نسبت یُوں عقیدہ لکھا ہے کہ نبی لوگوں کو آخرت کی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ اور وہاں کے ثواب و عقاب مثالوں میں لوگوں کے اطمینانِ قلب کے لیے بیان کرتے ہیں۔ درحقیقت وُہ ایک امرِ مجمل ہے۔ کہ نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کے کان نے سُنا۔"

۵۔ عقائدِ حُکماء و مشائین کے بیان میں کتاب الملل والنحل میں علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ:

"جن لوگوں کو قوتِ قدسیہ نصیب ہوتی ہے (یعنی انبیاء) ان کی قوتِ خیالیہ اس قدر قوی ہوتی ہے کہ وُہ اپنے ادراکات کو بصورتِ جمیلہ دیکھتے اور ان کا عمدہ کلام سُنتے ہیں۔ یعنی دراصل نہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے۔ نہ کوئی آواز یا کلام ان کو سُنائی دیتا ہے۔ بلکہ محض ان کے وُہ معلومات کسی عمدہ شکل میں ان کو نظر آتے ہیں۔ اور نہایت عمدہ دلچسپ کام کرتے ہیں۔"

پرویزی گروہ صرف دہریوں، مشائین، حکماء اور آریوں کے اعتقاداتِ رذیلہ کا ہی ریزہ خوار نہیں بلکہ اَلْاَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کی غلامی کا حلقہ گلے سے اُتار کر پھینکنے کے بعد ہر ایرا غیرا کے پیچھے حدیث دشمنی کے عشق میں کاسۂ گدائی لیے پھرتا ہے۔ فرقہ مرزائیہ کے دربار سے بھی اس گروہ نے فیض حاصل کیا ہے۔ حکیم نوردین نے اپنے ہم نام رسالہ کے صفحہ ۱۶۷ سے ۲۰۱ تک اسی زبان میں باتیں کی ہیں جو آج پرویز کی زبان و قلم سے اسلامی مسلّمات کے متعلق نکل رہی ہیں۔

اس گروہ کے عقائد جو مشتے نمونہ از خروارے آیندہ صفحات میں آپ کو نظر آئیں گے وُہ من و عن مندرجہ صدر مفروضات کا خاکہ اور چربہ نظر آئیں گے۔

حافظ اسلم اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ اس تکمیل کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی جو روایتوں سے پُوری کی جائے۔ اس لیے روایتوں کی جگہ دینی تاریخ کی الماری ہے۔ ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اور فقہ اسلامی یعنی قوانین و ضوابط کے استنباط میں کام لیا جا سکتا ہے۔ حدیثوں میں آنحضرتؐ کے اقوال، اعمال اور احوال وغیرہ بیان کیے گئے ہیں اور اسی کا نام تاریخ ہے۔ بیشک قرآن کے احکام مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ پر رسُول اللہؐ نے جو عمل کر کے دکھایا اور اُمّت کو سکھایا اور جو سلسلہ بسلسلہ متواتر چلا آ رہا ہے وُہ یقینی اور دینی ہے۔ کیونکہ تواتر یقینیات کے اقسام میں داخل ہے اور اسی کے بارہ میں قرآن نے کہا ہے: "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" (طلوعِ اسلام ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۱ کالم ۲)

اسی مضمون کے فٹ نوٹ پر پرویز لکھتا ہے کہ تواتر بھی ہر ایک یقینی نہیں ہو سکتا۔ تواتر بھی وہی یقینی ہے جو قرآن کے مطابق ہے۔ دُوسرے مقامات پر پرویز اور اس کے ساتھی ہر قسم کی احادیث کے متعلق نہایت سوقیانہ انداز میں حملے کرتے ہیں۔

۱۔ یہ سانپ حرمِ کعبہ میں کہاں سے گھُس آئے (اسبابِ زوالِ اُمّت)

۲۔ ان تمام مجموعہ اسفار لہوالحدیث میں کوئی بھی دین کی بات نہیں۔ کیونکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ اس مجموعہ میں اس قدر لغویات اور دُور از کار باتیں مندرج ہیں کہ وُہ رسُولِ پاک

کے اعلیٰ درجے کے اخلاق، پاکیزگی اور طہارت کو بٹہ لگانے والی ہیں ......

اسفار لہو الحدیث قرآنِ حکیم، مبینِ مجید کے سراسر خلاف ہیں۔ (بلاغ القرآن گوجرانوالہ فروری ۱۹۶۴ء از محمد فاضل)

۳- یہ کس قدر تاسف کا مقام ہے کہ شومئی قسمت سے ہمارے اسلامی لٹریچر میں متعدد راہوں سے ایسی ایسی چیزیں آگئی ہیں جنہیں ان حضرات کی طرف منسوب کرتے ہوئے رُوح کانپ اُٹھتی ہے۔ (معارف القرآن جلد ۳ صلا سطر ۳)

۴- عجمی تصورات اور معاندینِ اسلام کی تزویر و تلبیس کی بنا پر اسلامی لٹریچر میں حلول کر چکی ہیں۔ (معارف القرآن جلد ۳ صفحہ سطر ۳)

اس فرزندِ ضالہ کی تحقیق کے مطابق مجموعۂ احادیث "سانپ" "لغویات" "دُور از کار باتیں" "تزویر و تلبیس" اور "مجموعۂ اسفار لہو الحدیث" ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں چودھویں صدی کا وُہ شخص جس نے اپنی تمام زندگی انگریز کے دفتروں میں جبہ سائی، ناصیہ فرسائی، ژاژخائی اور خوشامد و چاپلوسی میں گزاری اور جب بوڑھا ہو کر وہاں سے نکالا گیا تو یہ بڑ ہانک کر کہ میری قرآنی بصیرت کتنی ہے سب پر قلم پھیر دیا۔ اور پھر جو اس کے رُوحانی آقایان ولی نعمت کی طرف سے ملا، وہ کہتا چلا گیا۔

یہی حافظ اسلم قرآن کے متعلق لکھتا ہے کہ:

"جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن عہدِ صحابہ میں بالکل سمجھ لیا گیا اور اب ہم کو انہیں کے فہم پر قناعت کرنا چاہیے وُہ قرآن کی حقیقت سے آشنا نہیں۔ صحابہ کرام کا علم قرآن علماءِ قرآن سے اس لحاظ سے افضل ہے کہ اُنہوں نے اس کے عملی پہلو کو اختیار کیا اور جو کچھ سمجھا یا آنحضرت ؐ نے ان کو سمجھایا۔

(طلوعِ اسلام ۷ جنوری ۱۹ ۱۲ صـ)

اب اسے حافظ اسلم کا تجاہلِ عارفانہ کہیے یا تفسیر بالرائے کے لیے میدان ہموار کرنے کا ایک دجل۔ مگر حافظ صاحب کے مالۂ و ما علیہ کو پہچاننے والے اس وقت بھی دُنیا میں ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ یہ سب کچھ قادیانی نبوت اور آریہ سماجی ذہان

کا چربہ ہے۔ صحابہ کرام کی تفسیر دانی کو چھوڑ کر ادیانِ باطلہ کی طرف رجوع کرنا قرآن کا انکار نہیں ــــــ؟ اگر یہ سب کچھ قرآن کا انکار ہے تو پھر اس نیچریت یا پرویزیت یا چکڑالویت کو منکرینِ حدیث کیوں کہا جاتا ہے؟ یہ لوگ تو منکرِ قرآن ہیں۔

ان سب ماخذوں کے علاوہ نامعلوم اس گروہ نے کہاں کہاں سے قرآنی تحریف کے لیے استنباط کیے ہیں۔ مگر ان سب سے بڑھ کر اُنہوں نے اپنی ذہنی اُپج سے جو لکھا ہے وہ الگ ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن کے خلاف انہیں ادیانِ باطلہ سے جو کچھ ملا اس سے ان لوگوں نے جی بھر کے کام لیا۔ مگر جہاں ان لوگوں کی نظر نہ پہنچ سکی یا انہیں قرآن کے خلاف کوئی بات نہ ملی وہاں انہوں نے اپنی رائے سے جی بھر کر کام لیا۔ کوئی عمر احمد عثمانی طلوعِ اسلام ۷ جنوری ۱۹۵۶ء میں "اپنے وقت کا امام" کے تحت معارف القرآن کی تالیف کے متعلق لکھتا ہے کہ:

"بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ وُہ (یعنی مسٹر پرویز) میرے نقطۂ نگاہ سے اتفاق فرما لیتے تھے اور مسودہ میں اصلاح فرما دیتے تھے۔ میں کتاب کا معتدبہ حصہ صاف کر چکا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں تین مقامات ایسے آگئے جن پر میں مطمئن نہ تھا۔ پھر یہ واقعہ حافظ اسلم صاحب کے سامنے رکھا گیا۔ اور جب اُنہوں نے حل فرما دیا تو محترم پرویز صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ مسیح سے متعلق مسودہ بھیج دینا۔ اگلے دن میں نے مسودہ بھیج دیا جو ایک دو یوم کے بعد مجھے واپس مل گیا۔ میں نے مسودہ کو پڑھا تو تینوں مقام بدل دیے گئے تھے۔ اور میرے حسبِ منشا ان میں تبدیلی کر دی گئی تھی۔"

اللہ اللہ کتنی عظیم الشان مذہبی، علمی، دینی، اخلاقی اور رُوحانی دیانت ہے؟ مسیح کے واقعات پرویز صاحب اپنی رائے سے لکھتے ہیں۔ عمر احمد ان کو صحیح نہیں مانتے، حافظ اسلم ثالث بنتے ہیں اور فیصلہ امامِ وقت کے خلاف صادر ہوتا ہے۔ مسودہ پرویز کو واپس بھیجا جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات عمر احمد کی رائے کے مطابق لکھے جاتے ہیں۔ آخر کتاب و سنت کے انکار کے بعد ایک اُولوالعزم پیغمبر کی

زندگی کے حالات کا حشر ایسے بے رہرو افراد کے ہاتھوں ہی ہونا چاہیے تھا۔

معارف القرآن کی تصنیف و تالیف کی ریسرچ کے ماٰخذ آپ نے دیکھ لیے۔ ایک واقعہ کو ایک لکھتا ہے، دوسرا کہتا ہے غلط ہے تیسرا جج بن کر فیصلہ دیتا ہے یعنی اس کا صریحًا مطلب یہ ہوا کہ جو واقعات ساڑھے تیرہ سو سال سے بلا اختلاف حدیث، تفسیر تاریخ، سیرت اور مناقب کی کتابوں میں تواترًا لکھے ہُوئے موجود ہیں۔ ان کو ایک شخص اپنی ذہنی ژولیدگی سے غلط قرار دیتا ہے جس کا اوّلین رہنما قرآنی تحریف اور غلط ترجمہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور درمیان میں پیدا ہونے والا مجدّد سرے سے قرآن کا ہی انکار کر دیتا ہے۔

رحمت اللہ طارق کا مضمون "انبیائے دیس میں"

بحوالہ چٹان ۲۰ فروری ۱۹۵۶ء

حضرت سُلیمان علیہ السلام کی لاش کو ممی کر کے لکڑی کے سہارے کھڑا کیا گیا تھا۔	نہ خبر دار کیا اُن کو اُن کی موت کی مگر گھن کے کیڑے نے کہ کھاتا تھا اُس کا عصا، پس جب گر پڑا جانا جنّوں نے کہ اگر ہوتے جانتے غیب کو.... (سبا: ۱۴)
اسرائیلی غیر اقوام کو جن اور اپنے آپ کو انس کہتے تھے اور یہی جن و انس حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت تھے۔	جنّ و انس کے اس انکشاف کی داد کہاں تک دی جائے۔ لفظِ جنّ قرآن مجید میں ۱۹ بار آیا ہے۔ اور ہر بار اُسے الگ مخلوق یا جنس کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ (۱) جنّ کو شعلہ والی آگ سے پیدا کیا (الرحمٰن) پھر قرآن مجید میں انسان اور جنّ کے درمیان ہر بار واؤ عاطفہ آئی ہے جس کا واضح مقصد ان کی الگ الگ تخلیق ہے۔ إِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ الْقُرْآنَ اور قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ کی تفسیر میں تمام مفسرین متفق کہ جنّ الگ مخلوق

	ہیں۔ بلکہ یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے جنّوں کے رزق کے طور پر انہیں گوبر، کوئلہ اور ہڈی عنایت فرمائیں۔
سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام خرابیٔ خون میں مبتلا ہُوئے۔ اور ایک گندھک کے چشمہ میں نہا نہا کر صحت یاب ہُوئے۔	حضرت ایوب علیہ السلام کو گندھک کے چشمے میں نہلا نہلا کر تندرست کرنے والے محقق کو شاید یہ آیات پڑھتے وقت اندھا نے گھیر رکھا تھا۔ قرآن صاف کہتا ہے "اور یاد کر ہمارے بندے ایوبؑ کو جس وقت کہ پکارا اس نے پروردگار اپنے کو یہ کہ ہاتھ لگایا ہے مجھ کو شیطان نے ساتھ ایذا کے اور عذاب کے۔ لات مار پاؤں اپنے سے یہ ہے جگہ نہانے کی ٹھنڈی اور پینے کی" مطلب صاف ہے یعنی پیغمبر نے دُعا کی، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ زمین پر پاؤں مار۔ پس ٹھنڈے پانی کا چشمہ پھُوٹ نکلا جو آپ کی صحت کا سبب بنا۔ اللہ کے حکم سے یہ حضرت ایوبؑ کا ایک معجزہ تھا۔
حضرت داؤد علیہ السلام کیمسٹ تھے۔ اور لوہے کو پگھلا کر زرہ بنانے میں ماہر تھے۔	حضرت داؤد علیہ السلام کا نام مبارک قرآن مجید میں دس بار آیا ہے۔ یہاں صرف وُہ آیات بیان کی جاتی ہیں جنہیں توڑ موڑ کر طارق نے کیمسٹری کی لَم ترانشی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "اور یاد کر ہمارے بندے داؤدؑ "صاحبِ قوت" کو۔ اور اسے پہاڑ رجوع

سے تسبیح کرو ساتھ اس کے اور اُڑتے جانور اور نرم کر دیا ہم نے واسطے اس کے لوہا یہاں لوہے کو نرم کرنا از رُوئے طاقت بیان کیا ہے نہ کہ از رُوئے حکمت۔ اور یہ آپ کا معجزانہ کمال تھا۔ اور مسلمانوں کے تمام فرقے اس پر متفق ہیں۔ معلوم نہیں کیمسٹری کی خرافات کا نزول منکرین حدیث پر کہاں سے ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ فتنہ منکرین حدیث کا نہیں۔ بلکہ یہ لوگ سرے سے قرآن ہی کے منکر ہیں۔

یہ منکرین قرآن، قرآن کے صاف اور واضح مطلب کو کس طرح مسخ کرنے پر تُلے ہُوئے ہیں۔ قرآن حضرت عُزیر علیہ السلام کے متعلق صاف لفظوں میں کہتا ہے کہ: پس مار ڈالا اللہ نے اس کو سَو برس۔ پھر جلا دیا اس کو، کہا کتنی دیر رہا تُو۔ کہا رہا میں ایک دن یا تھوڑا دن سے، کہا بلکہ رہا تُو سو برس۔ پس دیکھ طرف کھانے اپنے کے اور پینے اپنے کے کہ نہیں سڑا۔ اور دیکھ طرف گدھے اپنے کے اور تاکہ کریں ہم تجھ کو نشانی واسطے لوگوں کے، اور دیکھ طرف ہڈیوں کے کہ کس طرح چڑھاتے ہیں ہم ان کو۔ پھر پہناتے ہیں ان کو گوشت۔ پس جب ظاہر ہوا واسطے اس کے، کہا جانتا ہوں میں تحقیق اللہ تعالیٰ

حضرت عُزیر علیہ السلام مُردوں کا زندہ ہونا برائے العین جانتے تھے مگر یہ سب معاملہ خواب میں حل ہوا۔

ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر بفرضِ محال ہم اس منکرِ قرآن کا یہی کہا مان لیں کہ وُہ سب کچھ خواب تھا تو ان الفاظ کی کیا توجیح ہو گی کہ ہم نے اسے جلایا اور پوچھا تُو کتنی دیر رہا۔ پھر گدھے اور کھانے کی کیا تاویل ہو گی؟

قرآن علی الاعلان حضرت نوحؑ کی عمر ۹۵۰ سال بیان کرتا ہے۔ مگر یہ حضرت اسّی سال فرما رہے ہیں۔ غالباً اُنہوں نے سالوں کو مہینوں میں بدلنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے۔ اور اگر وُہ مہینوں کو دنوں یا گھنٹوں میں تبدیل کر دیتے تو ان کا کوئی کیا بگاڑ سکتا تھا۔ آج آزادی کا دَور ہے اور ہر کوئی مادر پدر آزاد ہے جو چاہے بکتا پھرے اُسے کون روکنے والا ہے۔

حضرت یُونس علیہ السلام کے متعلق بھی مقالہ نگار پھر اسی ڈگر پر لڑکھڑاتا نظر آتا ہے مگر یہاں بھی اس کا قصور نہیں۔ بلکہ جب زندقہ والحاد کی ظلماتی پٹیاں قلب و نظر کو تیرہ و تار کر دیں تو انسان نیم مخبوط الحواس ہو کر واہی تباہی بکنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر اس کی یہ خرافات کسی دُنیوی معاملہ کے متعلق ہوں تو کسی کی بلا سے۔ مگر جب اس کے

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر اسّی سال سے کچھ کم تھی۔

حضرت یونس علیہ السلام گھر سے کبیدہ خاطر ہو کر نکلے۔ دریا پر پہنچے۔ ملّاح نے کشتی پر نہ بٹھایا۔ آپ تیرنے لگے کسی دریائی جانور نے کاٹ کھایا۔ بدن پر کدّو کے پتّے لپیٹے۔ افاقہ ہُوا تو واپس آ گئے۔

نظریات کی زد میں قرآن وحدیث آئیں تو لازماً ایک مسلمان کا خون کھول اٹھے گا۔ آپ دیکھیے قرآن حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق کیا کہتا ہے: "جس وقت بھاگ گیا طرف کشتی بھری ہوئی کے۔ پس قرعہ ڈالا پس ہو گیا دھکیلے گیوں میں سے پس نگل گئی اس کو مچھلی ...... اور وہ ملامت میں پڑا ہوا تھا۔ پس اگر نہ ہوتی یہ بات کہ ہوتا وہ تسبیح کرنے والوں میں سے، البتہ رہتا وہ بیچ پیٹ اس کے کہ اس وقت اٹھائے جائیں مردے۔" (الصّفٰت)

اگر آپ نے دریا میں تیرنا شروع کیا تو قرعہ اندازی، دھکیلنا اور نگلنا کے کیا معنی ہوں گے، ۲؎ پ رکوع ۱۵ میں صاف ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت یونسؑ قوم سے ناراض ہو کر قوم کے حق میں بددعا کر کے قوم سے الگ ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسمِ گرامی قرآن مجید میں کم و بیش چالیس بار آیا ہے اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کے ہر گوشہ سے مسلمانوں کو آگاہی بخشی ہے۔ ان سب کا خلاصہ آج تک بلا اختلاف تفاسیر، سیرت اور تواریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی آپ کی زندگی کے حالات سے بے خبر نہیں۔ مگر مسٹر پرویز نے حج اور قربانی سے مسلمانوں کو روکنے کے لیے آپ کی زندگی کے تمام واشگاف گوشوں کو صریحاً قرآن کے خلاف اس طرح اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ گویا ابراہیم کوئی معمولی آدمی تھے

نہ آگ میں ڈالے گئے، نہ قربانی کی، نہ مکہ کی وادی غیر آباد تھی بلکہ وہاں پہلے سے شہر آباد تھا۔ اور مزید لطف یہ کہ مرزا قادیانی نے بھی مسلمانوں کو حج سے روکنے کے لیے پرویز سے قبل اسی قسم کی لفاظی سے کام لیا۔ دراصل یہ سب کچھ نَدِیْبِیْ فِی الْجَنَّۃِ وَنَدِیْبِیْ فِی السَّعِیْرِ کی تفسیر ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کرنے کا واقعہ قربانی سے بعد کا ہے۔
(معارف القرآن جلد ۳ ص۴۳ سطر ۱۸)

۲۔ وادی غیر ذی زرع تھی لیکن جس مقام پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آباد کیا تھا وہ شہر تھا ...... اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو کسی ویرانہ میں نہیں چھوڑ آئے تھے۔ بلکہ انہیں سرزمینِ حجاز کی مرکزی بستی میں آباد کیا تھا۔ (بحوالہ مذکور ص۳۶ کا فٹ نوٹ)

۳۔ مندرجہ الصدر مقامات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو سچ مچ آگ میں ڈالا گیا تھا۔ (معارف القرآن جلد ۳ ص۲۷ سطر ۲)

۴۔ اس قوم نے ایک بہت بڑے تنور میں آگ کا طوفان جمع کر دیا۔ (حوالہ مذکورہ سطر ۱۴)

۵۔ لیکن جلنا کس کا اور جلانا کس کا یہ تو ایک آزمائش تھی۔ (" " " ۲۰)

۶۔ نمرود کی آگ ...... انہوں نے ایک تدبیر کی اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو خاک میں ملا دیا۔ (معارف القرآن جلد ۳ ص۲۵)

۷۔ یہ تدبیر تھی کہ ان کے غصے کی آگ بھڑکنے نہ پائے اور ابراہیم علیہ السلام کے حق میں امن و سلامتی کا موجب بن جائے۔ (طلوعِ اسلام ۱۲ نومبر ۱۹۵۵ء ص۷ کالم ۲)

۸۔ جو ان کے جذبات کو آگ کی طرح بھڑکا دے۔ (معارف القرآن جلد ۳ ص۳۹ سطر ۱۲)

۹۔ جب وہ دونوں جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ چھری چلنے کو تھی تو آئی قد صدقت ...... الخ (معارف القرآن جلد ۳ ص۴۱ سطر ۴)

۱۰۔ حضرت ابراہیمؑ کو اس قربانی کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ (صفحہ ۱۲)

۱۱۔ اس منزل کا آخری مرحلہ آ پہنچا۔ اور چھری ہاتھ میں لے لی۔ تو اس وقت آپ کو بتایا گیا کہ خواب مجاز کی حقیقت کیا تھی۔ (ص۴۱ سطر ۱۹)

۱۲- اس خواب کا مفہوم یہ تھا کہ آپ اس بیٹے کی طرف سے دُنیاوی اُمیدوں کو منقطع کرلیں اور اسے اللہ کے گھر کی پاسبانی کے لیے وقف کر دیں۔ اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اس عظیم الشان مقصد کی تکمیل کے لیے اپنی زندگی دُوسری تمام آرزوؤں اور مقاصد کو قربان کر دیں۔ (معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۲۲۲۱)

۱۳- یہ بیٹا تو قربان ہو گیا۔ اس لیے ابراہیم (علیہ السلام) کو ایک اور بیٹے کی بشارت دی گئی۔ (حوالہ مذکور ۷ صفحہ ۴۲)

۱۴- جن حوصلہ شکن حالات کے تحت اللہ کے رسول اور ان کے ساتھی پکار اُٹھتے ہیں متیٰ نصر اللہ ایسے ہی حالات کے تحت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تھا ؟ کیف تحی الموتیٰ۔ (معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۷۵)

اگر آپ ذرا غور کی نظر سے دیکھیں گے تو صاف معلوم ہو گا کہ یہاں پرویز کی بجائے قادیانی نبی بول رہا ہے۔ کلام میں وُہی تناقض وُہی ہیر پھیر اور وُہی چھین جھپٹ۔ آپ کہیں گے کہ آخر اس خدا کے بندے کو اس دردِ سری کی کیا ضرورت تھی ؟

ضرورت تھی ___ اور سخت ضرورت تھی۔ اور وُہ ضرورت یہ تھی کہ انگریز بہادر کا یہ پروردہ اپنے آقایانِ ولی نعمت کا حقِ نمک اسی طرح ادا کر سکتا تھا کہ دین میں رخنہ اندازی اور تشتت و افتراق پیدا کرے۔

آدم ارتقائی شکل کی پیداوار ہے نہ کہ فردِ واحد

منکرینِ قرآن کا مذہب	ادیانِ باطلہ کے عقائد
۱- آدم سے مُراد کوئی خاص فرد نہیں بلکہ نوعِ انسانی کا نمایندہ ہے۔ (قرآنی فیصلے صفحہ ۳۴۹ سطر ۲)	آج دُنیا میں کئی جیوں کے کرم ایشور سرشٹی میں پیدا ہونے کے تھے اس لیے کئی آدمی پیدا کیے۔ (ستیارتھ پرکاش مطبوعہ ۱۹۰۸ صفحہ ۲۹۴)

منکرینِ قرآن کا مذہب	ادیانِ باطلہ کے عقائد
۲- پہلے پہل انسان ارتقا کی منزلیں طے کر کے حیوانیت سے انسانیت کے درجے پر آیا۔ (قرآنی فیصلے صفحہ ۳۴۰ سطر ۱۲)	اس مذہبی عقیدہ کا بانی ڈارون ہوا ہے ڈارون سے متاثر ہو کر دیانند سرسوتی نے لکھا: "آج دُنیا میں کئی جیوں کے کرم ایشور سرشٹی میں پیدا ہونے کے تھے۔ اس لیے کئی آدمی پیدا کیے۔" (ستیارتھ پرکاش مطبوعہ ۱۹۰۸ صفحہ ۲۹۴)
۳- آدم اپنے سے پہلی زمین پر آباد نوع کا خلیفہ ہے نہ کہ خلیفہ اللہ فی الارض (تاریخ اسبابِ زوالِ اُمت ۲۵)	

دیانند سرسوتی کا مذہب مصنف قرآنی فیصلے اور تاریخ اسباب زوالِ اُمت نے تو اپنایا مگر فرموداتِ قرآنی سے انکار کر دیا۔

جنت اور دوزخ اِس زندگی کی راحت اور عذاب کی زندگیاں ہیں

قرآن پیش پا اُفتادہ قریبی مفادِ عاجلہ کو دُنیا سے تعبیر کرتا ہے اور مستقبل کا نام آخرت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کے نزدیک متاعِ دُنیا سے مفہوم ہوتا ہے وُہ مفاد جو انسان صرف اپنی ذات کے لیے تلاش کرتا ہے۔ اور سامانِ آخرت سے مقصود وُہ مقام جسے آنے والی نسلوں کے لیے جمع کرتا ہے۔ (تاریخ اسباب زوالِ اُمت صفحہ ۲۹ سطر ۱۱)

بعض اہلِ ہوا کا یہ عقیدہ ہے کہ وُہ سوائے عالمِ محسوس کے کوئی عالم تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا ہر بات میں اپنے ذہن صافی اور فطرتِ سلیمہ پر اعتماد ہے۔ نہ وُہ فرشتوں کے قائل ہیں۔ نہ کسی امرِ خارق (معجزہ) کے۔ اس گروہ کا نام طبعیہ دہریہ ہے۔ اور ان میں جو بعض زرا ترقی یافتہ ہیں (پرویز کی قسم کے۔ المؤلف) وُہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت اور حلال و حرام مصلحتِ عامہ اور رفاہِ بلاد کے لیے ناصحین اور دانا عظمین

منکرینِ قرآن کا مذہب	ادیانِ باطلہ کے عقائد
آنے والی زندگی کیسی ہوگی؟ اس کا انتظام کیسا ہوگا؟ اس کی شکل وصورت کیا ہوگی؟ ہم نہیں جان سکتے۔ اس پر البتہ ہمارا ایمان ہے کہ زندگی کا سلسلہ غیر منقطع ہے...... قبور کے عذاب کا عقیدہ اُن عقائد میں سے ایک ہے جس کی قرآن سے کوئی سند نہیں ملتی۔ اور بعد میں اسلام میں داخل کیے گئے ہیں مستقبل کے مفاد کے لیے وُہی کوشش کرے گا جسے اس کوشش کے اَن دیکھے نتائج پر پورا پورا یقین ہو۔ قرآن اسے ایمان بالغیب کی اِصطلاح سے تعبیر کرتا ہے یعنی اَن دیکھے نتائج پر ایمان۔ (تاریخ اسباب زوالِ اُمت صنہ۳، سطر ۱۲)	(پرویز کی زبان میں مفسرین اور محدثین للمؤلف) نے اپنی طبیعت صافیہ سے مقرر کیے ہیں۔ (مگر پرویز اپنے پیشروؤں کی طرح ناصحین اور واعظین کی طبیعت صافیہ کا بھی قائل نہیں۔ اور فرقہ دہریہ سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گیا۔ (للمؤلف) اور وُہ جن چیزوں کی خبر دیتے ہیں جیسا کہ لوح وقلم، عرش وکرسی وغیرہ سو درحقیقت ان کے خیالات ہیں۔ اسی طرح آخرت کے احوال جنت حُور وقصور، نہر اور میوہ جات جو وُہ بیان کرتے ہیں محض عوام کو رجوع کرنے والی باتیں ہیں۔ اور اسی طرح دوزخ اور اس کے عذاب، طوق وغیرہ بھی لوگوں کے ڈرانے کے لیے ہیں۔ ورنہ عالمِ آخرت میں جو کہ عالمِ علوی ہے صورِ جسمانی اور اشکال جرمانی کہاں؟ (کتاب الملل والنحل مصنفہ علامہ عبدالکریم شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ مطبوعہ مصر۔ جلد اوّل صنہ۱۰۴)
قرآن ارتقائی منازل طے کرنے قوم کو جنت کا مستحق قرار دیتا ہے اور کسی ایک مقام پر رُک جانے کا نام جہنم رکھتا ہے (تاریخ اسباب زوالِ اُمت صنہ۴۲)	دبستان المذاہب صفحہ ۲۷۶ پر اعمال تشریع ہنود کے بارہ میں لکھا ہے کہ جنت کے درجات اور جہنم کے طبقات اعمال کی جزا اور سزا محض خیالی باتیں ہیں۔

گویا آخرت کی زندگی کے متعلق منکرینِ قرآن کے نظریات دہریوں، ہندوؤں اور

چند اہلِ ہوا کے عقائد کے مرہونِ منت ہیں۔

حلال وحرام

منکرینِ قرآن کا مذہب	ادیانِ باطلہ کے عقائد
آپ قرآن میں دیکھیے۔ چند چیزیں ہیں جنھیں حرام قرار دیا گیا ہے۔ چند باتیں ہیں جن سے روکا گیا ہے۔ اس میں اوامر ونواہی کی فہرست نہایت مختصر ہے۔ قرآن میں مُردار، بہتا ہُوا خون لحمِ خنزیر اور غیر اللہ کی طرف منسوب کردہ اشیاء کو حرام قرار دیا ہے۔ مگر مذہب میں حلال وحرام کی فہرستوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ (تاریخ اسباب زوالِ اُمت صنہ۹)	دمِ مسفوح اور لحمِ خنزیر کے علاوہ باقی تمام کچھ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۶۸۷ کی نقل ہے۔

حج اور قربانی

منکرینِ قرآن کا مذہب	ادیانِ باطلہ کے عقائد
حج اسلامی معاشرہ کا جزو نہیں یہ زندگی کی گاڑی میں موبل آئیل ہے پٹرول نہیں۔ یہ مذہب کی یاترا ہے۔ ان اُمور کو نرا فادیت سے تعلق ہے نہ عقل وبصیرت سے واسطہ (قرآنی فیصلے صفحہ ۳۰۱، ۳۰۲)	اللہ تعالیٰ نے ایک اور ظلّی حج مقرر کیا ہے اور وُہ قادیان میں سالانہ جلسہ ہے۔ (الفضل یکم دسمبر ۱۹۳۲ء) (آئینۂ کمالات صفحہ ۳۵۲)
قربانی سے متعلق یہ کچھ ہزار برس سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ اور کوئی اللہ کا بندہ اتنا نہیں سوچتا کہ کیا ہو رہا ہے؟ (قرآنی فیصلے صنہ۴۳)	

مقاصدِ حج کے علاوہ کسی دوسری جگہ قربانی کے لیے کوئی حکم نہیں (قرآنی فیصلے ص۵۵۴)

پرویز پہلے تو حج کا صریحاً انکار کرتا ہے۔ پھر اسے یا تراقرار دیتا ہے۔ پھر قربانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حج کے بغیر قربانی نہیں، گویا دروغ گو حافظہ نباشد۔ اور یہی مفہوم اس سے پہلے اس کے روحانی گروؤں میں سے ایک یعنی قادیانی نبی بیان کر چکا تھا۔ مطلب دونوں کا ایک ہے، یعنی مسلمان حج سے رُک جائیں۔ اور یہی کچھ ان دونوں کے رہنماؤں نے سید شہید سے پہلے علماء سُو سے بطور فتوؤں کے حاصل کر کے ملک میں پھیلایا۔ اور سید صاحب نے ایک جماعت کو ساتھ لے کر حج کیا اور اس اسلامی رُکن کی تجدید کی طرح ڈالی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ مریم کے اور بچے بھی تھے۔
(معارف القرآن جلد۳ ص۲۵۳ کا فٹ نوٹ)

۲۔ اس میں کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ (معارف جلد۳ ص۵۴۷)

۳۔ لیکن یہودیوں کے نزدیک یہ کوئی چھوٹا جُرم نہیں تھا کہ ایک راہبہ نے تجرّد کی زندگی چھوڑ کر متاہلی زندگی اختیار کی۔ (معارف جلد۳ صفحہ ۵۵۳)

یہ تمام عقائد قادیانی نبی کے عقائد کا چربہ ہیں۔
تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ مزید چشمۂ مسیح ص۱۸ و کشتیِ نوح ص۱۶ بھی دیکھیے۔

آپ کوڑھیوں اور مادرزاد اندھوں کو تندرست کرنے کا جو معجزہ رکھتے تھے وہ

حضرت مسیح مسمریزم یعنی عمل ترب سے بیماروں کو تندرست کرتے تھے (ازالہ اوہام ص۳۱۲)

معجزہ نہیں بلکہ طبابت اور قوتِ ارادی کا نتیجہ ہے۔ (معارف القرآن جلد۲ ص۵۱۵)

آپ زندہ آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے بلکہ مر گئے ہیں۔
(معارف القرآن جلد۲ صفحہ ۵۳۳، ۵۳۴)

یہ بات یقینی ثابت ہو گئی ہے کہ مسیح ابنِ مریم الیسع نبی کی طرح مسمریزم میں کمال رکھتے تھے (حاشیہ ازالہ اوہام صفحہ ۳۰۹)

مرزا قادیانی بھی یہی کہتا ہے اور آپ کی قبر کبھی خانیار سرینگر میں بیان کرتا ہے اور کبھی دمشق میں۔

شق القمر

صاف ظاہر ہے کہ شقِ قمر وہی شق سما ہے جس کا ذکر قربِ قیامت کی نشانیوں میں آ چکا ہے (پرویز کہیں دوسری جگہ کہہ چکا ہے کہ زندگی کا سلسلہ غیر منقطع ہے یعنی قیامت کا سرے سے وجود ہی نہیں) اس لیے شقِ قمر بھی قیامت ہی کی نشانی ہے۔ اسے معجزہ سے کیا واسطہ، لیکن اسے بھی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ قرار دیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے انگلی کا اشارہ کیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔
(معارف القرآن جلد۴ صفحہ ۱۳۲۷ سطر ۱۹)

شق القمر کے متعلق ہماری رائے ہے کہ وہ ایک قسم کا خسوف تھا۔ اور ہم نے اسے اپنی کتاب چشمۂ معرفت میں لکھ دیا ہے
(اخبار بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

اس وقت کافروں نے شق القمر کے نشان کو ملاحظہ کر کے جو ایک قسم کا خسوف تھا یہی کہا تھا کہ اس میں کیا انوکھی بات ہے قدیم سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ کوئی خارق امر نہیں۔ (نزول المسیح ص۱۲۸)
وہ ایک قسم کا خسوف تھا۔
(چشمۂ معرفت صفحہ ۲۲۳)

قرآن صاف لفظوں میں کہتا ہے کہ قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹا۔
تمام تفاسیر اس معجزے پر متفق اللسان ہیں۔ اور بخاری، مسلم، ترمذی، مستدرک وغیرہ

کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کے موقع پر آنحضرتؐ کفارِ مکہ کے ایک مجمع میں گئے، اور تبلیغ فرمانے لگے۔ کفار نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔ حضورؐ نے انگلی سے اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر ایک ٹکڑا کوہِ ابوقبیس اور دوسرا قیقعان کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ پھر ان کو ملتا ہوا دیکھ کر مشرک کہنے لگے "تم جادوگر ہو"۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اس معجزے کی حفاظت یوں فرمائی کہ ایک کوہِ ابوقبیس کی ایک چوٹی کا نام آج تک شق القمر کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قاضی محمد سلیمان منصورپوری کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آپ نے اس معجزہ پر سیر حاصل بحث کر کے اسے صحیح ثابت کیا۔

اوقاتِ نماز

پانچ نمازیں دن اور رات میں فرض ہیں۔ (رسالہ نماز ص۳ عبداللہ چکڑالوی)

تین یا چار نمازیں پڑھنے والا مسیلمہ کذاب، مفتری علی اللہ، محرفِ قرآن اور جہنمی ہے۔ (صلوٰۃ القرآن صفحہ ۲۳، ۲۴ حشمت علی دہلوی)

تین وقت ہی نماز کے ثابت و بیّن فی القرآن ہیں۔ (صلوٰۃ القرآن کما علّمہ الرحمٰن ص۳۵ از محمد رمضان)

نماز کے اوقات قرآن میں پانچ ہیں نہ تین بلکہ چار ہیں۔ ان میں کمی بیشی کرنے والا واتبعوا الشہوات کا مصداق ہے (الصلوٰۃ للرحمٰن جآء فی القرآن سید رفیع الدین ص۳۴)

نماز پنجگانہ کی فرضیت قرآن سے ثابت نہیں۔ (کتاب الدین یسر از جعفر شاہ پھلواروی ص۲۶۹)

نجات کے لیے دو وقت کی نماز کافی ہے (" " " " " " ص۲۹۸)

رکعاتِ نماز

ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار اور مغرب کی تین اور فجر کی دو رکعتیں قرآن سے ثابت ہیں صرف دو رکعت بتانے والا دوزخی ہے۔ (صلوٰۃ القرآن ص۲۴ حشمت علی دہلوی)

نماز صرف دو رکعت ہی ہے۔ اس میں کمی بیشی انسانی تعیین ہے۔
(صلوٰۃ القرآن کما علّمہ الرحمٰن از محمد رمضان ص۲۲، ۲۳)

چاروں نمازوں میں دو دو رکعتیں ہیں لیکن پہلی رکعت میں تین سجدے اور دوسری میں چار سجدے کرے۔ یہی طریقہ کتاب اللہ سے ثابت ہے۔
(الصلوٰۃ للرحمٰن جآء فی القرآن ص۱۹-۲۰)

قبلہ

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ (برہان الفرقان از عبداللہ چکڑالوی ص۱۴۲)

دو نمازوں میں جو دن کے پہلے حصے میں ہیں مشرق کی طرف اور دو نمازوں میں مغرب اور عشاء کے وقت مغرب کی طرف منہ کرے۔ (الصلوٰۃ للرحمٰن جآء فی القرآن ص۱۴۱)

تکبیر اُولیٰ

وانّ اللہ ھو العلیّ الکبیر۔ (برہان الفرقان از عبداللہ چکڑالوی ص۱۳۶)

ما یدعون من دونہ ھو الباطل وانّ اللہ ھو العلیّ الکبیر۔ (حشمت علی کا رسالہ صلوٰۃ القرآن)

انّ اللہ کان علیاً کبیرًا۔ (صلوٰۃ القرآن از مولوی محمد رمضان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھو اللہ احدٌ تا کفوًا احد اور سورہ حشر کی آخری تین آیتیں۔ (مولوی رفیع الدین کا رسالہ الصلوٰۃ للرحمٰن)

ہاتھ باندھنا

ہاتھ سینہ پر باندھے۔ (عبداللہ چکڑالوی)

ہاتھ دل پر باندھے۔ (مولوی حشمت علی)

دست بستہ کھڑا ہو۔ (رسالہ صلوٰۃ الرحمٰن از مولوی محمد رمضان ص۱۴، ۱۵)

ہاتھ کھلے چھوڑ دے۔ (مولوی رفیع الدین)

نماز ارکانِ اسلام میں سے دُوسرا رُکن ہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک تمام دُنیا کے مسلمان تواتراً پانچ نمازیں پڑھتے آرہے ہیں۔ البتہ ادائیگی کی ہیئت میں معمولی سا فرق ہے۔ بعض بارسالِ ید نماز پڑھتے ہیں۔ بعض سینہ پر ہاتھ باندھ کر رفع یدین کرتے ہیں اور بعض ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں۔ مگر بحیثیتِ مجموعی نماز میں کوئی اختلاف نہیں۔ مگر جب دینِ اسلام میں منکرینِ قرآن نے رخنہ اندازیاں شروع کیں تو ان لوگوں نے اپنی اپنی ذہنی اُپچ سے نماز کے ساتھ جس مسخرہ پن کا ثبوت دیا وُہ اپنی مثال آپ ہے۔

پرویز کہتا ہے :

"اس میں شُبہ نہیں کہ موقت فریضۂ صلوٰۃ جسے عام طور پر نماز کہا جاتا ہے۔ (منکرینِ قرآن کی زبان میں اسے کیا کہتے ہیں؟ للمؤلف) اس نظام کا اہم جزو ہے اِس نظام سے ہٹ کر کوئی فائدہ پیدا نہیں کرتا۔" (تاریخ اسبابِ زوالِ اُمت صـ۱۳۱)

پرویز کی زبان میں قیامِ صلوٰۃ کا مطلب اجتماعی نظامِ حیات کی تبدیلی ہے۔ مگر وُہ اس بات کو بھُول کر آگے چل کر لکھتا ہے کہ میں بھی اُسی طرح نماز پڑھتا ہُوں جس طرح جمہُور مُسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ (قرآنی فیصلے صـ۳۱)

(کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے، للمؤلف)

میں آگے بڑھنے سے پہلے یہاں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہُوں کہ کتابتِ حدیث نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شروع ہو گئی۔ صحیفہ علی اور کتاب القضایا حضرت علی نے مُرتب کیں۔ صحیفہ صادقہ حضرت عبداللہ بن عمر نے مرتب کیا۔ اس کے علاوہ صدیق اکبرؓ اور ابُوہریرہؓ نے بھی حدیث کے رسائل لکھے تھے۔ حضرت عمر بن حزم، رافع بن خدیج، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنھم آپ کی طرف سے کتابتِ حدیث پر مقرر تھے۔ اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں حدیث کی ترتیب و تدوین کے متعلق گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اس حدیث کے سرمایہ کے علاوہ حج اکبر کے موقع پر سوا لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ کے درمیان مسلمانوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی روز گذارے۔ اور نمازوں کی ترتیب

اوقات اور ہیئت ادائیگی دیکھتے رہے اور اس پر عمل کرتے رہے۔ الغرض یہ ایک ایسا اسلامی رُکن ہے جس میں تیرھویں صدی ہجری کے آخر تک کسی کو کوئی اختلاف نہ سُوجھا۔ مگر اچانک ہی الہامات کا نزول ایک ایسے گروہ پر ہونا شروع ہوا جن کا مبلغِ علم انگریز بہادر کا ممنونِ احسان، جن کی حاضریاں انگریز بہادر کے حضور میں، جن کا ذریعہ معاش انگریز بہادر کی غلامی اور جن کا اوڑھنا بچھونا انگریز بہادر کی خوشامد رہا۔ یہ لوگ آج تک اپنے طور پر بھی اس بات پر متفق نہیں ہو سکے کہ نمازوں کی تعداد کتنی ہے؟۔

یہ مُشتے نمونہ از خروارے نماز کے متعلق منکرینِ قرآن کا اختلاف پیش کیا ہے۔ تفصیل ان کی کتابوں میں دیکھیے۔ ان کی نمازوں میں اختلاف ہی اختلاف نظر آئیں گے۔

اور اس میدان کے تازہ وارد شہسوار جعفر شاہ پھلواری نے تو سب کے کان کاٹ کے رکھ دیے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے: "نماز کے موجودہ طریقے اور قاعدے بدلے جا سکتے ہیں۔"

(کتاب الدین یسر از جعفر شاہ پھلواری صـ۳)

نماز اپنی مادری زبان میں ادا کرنی چاہیے۔ (صفحہ ۹۰)

بلا تبصرہ :

تقویٰ :۔ قانونِ فطرت اور انسانی کوششوں کی ہم آہنگی کو تقویٰ کہتے ہیں۔
(تاریخ اسبابِ زوالِ اُمت صفحہ ۳۴ سطر ۲)

مذہب :۔ پست حوصلگی اور دون ہمتی، تنگ نظری اور کوتاہ بینی کے ذلت انگیز عیوب پیدا ہو جاتے ہیں لیکن مذہب ان عیوب کو محاسن بنا کر دکھانے کے لیے ایک اور حربہ استعمال کرتا ہے جسے وُہ ضابطۂ اخلاق کہہ کے پکارتا ہے۔ وُہ عاجزی، درماندگی کو خدا کے بندوں کی صفات قرار دیتا ہے۔ پست حوصلگی اور دون ہمتی کا صبر اور توکل رکھتا ہے۔ فاقہ زدگی کو استغنا کے پُرفریب نقاب میں چھپاتا ہے۔ بے عملی کی افیون کو تقدیرِ الٰہی کا تریاق بنا کر دکھاتا ہے۔ بُزدلی کا نام مرنجانِ مرنج مسلکِ حیات رکھتا ہے۔
(تاریخ اسبابِ زوالِ اُمت صـ۴۴)

۵ - آخرت یعنی اگلا جہان کوئی چیز نہیں - جنّت دوزخ اسی زندگی کی راحت اور عذاب کی زندگیاں ہیں -

۶ - عالمِ برزخ کوئی چیز نہیں -

۷ - حشر و نشر کوئی چیز نہیں -

۸ - پیغمبروں سے معجزات کا صُدُور ممکن نہیں اور بے ضرورت بھی -

۹ - نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی کا یہ مفہوم نہیں جو آج تک سمجھا جاتا ہے -

۱۰ - وحی دل کی صفائی کی ایک کیفیّت کا نام ہے -

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ -

یہاں بعض ماڈرن ذہن یہ کہیں کہ مابعد الطبیعات مفروضات کے متعلق منکرینِ قرآن کے دلائل ذہنوں میں زیادہ اپیل کرتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ ایمان کی تعریف اسلام نے اللہ پر ایمان، اُس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، اس کی طرف سے خیر و شر کی تقدیر اور موت کے بعد دُوسری زندگی پر زبان سے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق بیان کی ہے - اور کفر و اسلام کے درمیان یہی حدِ فاصل ہے -

تفہیم

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ میری اُمت تہتّر[۷۳] فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان میں سے صرف وُہی جنّتی ہو گا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہو گا - پھر ایک موقع پر ارشاد فرمایا :

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سُنّتہ رسولہ - (مؤطا امام مالک)

"میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں - جب تک انھیں مضبوط پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے - پہلی چیز اللہ کی کتاب (قرآن مجید) دُوسری چیز اللہ کے رسول کی سنّت - (حدیث)

آپؐ نے اپنی زندگی میں اپنے ارشادات (حدیثوں) کے متعلق فرمایا:

۱- حَدِّثُوْا عَنِّیْ وَلَاحَرَجَ (مجھ سے حدیثیں روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں) (مسلم)

۲- اُکْتُبُوْا وَلَاحَرَجَ (احادیث لکھو اس میں کوئی مضائقہ نہیں) (کنز العمال)

۳- اذا اکتبتم الحدیث فاکتبوہُ باسنادہٖ۔ (حدیث کو اسناد کے ساتھ لکھو) من کتب عنّی اربعین حدیثًا رجاء ان یّغفر اللّٰہُ لہٗ غُفِرَ لہٗ۔ (جو شخص بخشش کی اُمید پر میری چالیس حدیثیں لکھے وُہ بخشا جائے گا) (بغیۃ الوعاۃ للسیوطی)

۴- حضرت انس رضؓ نے نبی علیہ السلام سے حدیثوں کے یاد نہ رہنے کی شکایت کی فرمایا ہاتھ سے مدد لو۔ (مجمع الزوائد صـ۱۵۲ ترمذی)

۵- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گرد بیٹھ کر حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ (دارمی صـ۶۸)

۶- آپؐ نے احادیث کی ایک ضخیم کتاب لکھوا کر یمن بھیجی۔ جس میں نماز، زکوٰۃ اور طلاق کے بہت سے مسائل تھے۔ (مستدرک حاکم)

۷- آپؐ نے خود کتاب الصدقۃ لکھوائی۔ جس پر خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی عمل ہوتا رہا۔ پھر حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے دوبارہ لکھوا کر اپنے عمّال کو بھیجی۔ (مستدرک حاکم)

۸- فتح مکّہ کے خطبہ کے متعلق ایک شخص نے قلم بند کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے اسے اجازت دے دی۔ (بخاری و مسلم)

۹- شاہانِ عجم کو خطوط لکھوائے۔ مدینہ کے یہود کے ساتھ امن کا معاہدہ لکھوایا اور صُلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا گیا۔

۱۰- اہلِ نجران کو اسلام اور جزیہ کے احکام لکھوائے۔

۱۱- مختلف قبائل کو اسلام، عشر، نماز، مالِ غنیمت اور جزیہ وغیرہ کے احکام تحریر کروائے۔ (صحیح بخاری)

۱۲- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ایک ہزار حدیثوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی اور

اس کا نام صحیفۂ صادقہ رکھا، جو وراثت میں ان کے پوتے کو ملا (ترمذی) بعض نے ان کی تعداد چھ ہزار بیان کی ہے۔

۱۳- لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر اعتراض کیا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کبھی غصّے میں ہوتے ہیں کبھی خوشی میں۔ تم ان کی ہر بات کیوں لکھتے ہو۔ اُنہوں نے آپؐ سے دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں لکھتے جاؤ۔ پھر عرض کیا کہ آپ کبھی غصّے میں بھی ہوتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا: "لَآ اَقُوْلُ فِیْ ذٰلِكَ اِلَّا الْحَقَّ" (ترمذی۔ ابوداؤد وغیرہ)

۱۴- حضرت علی رضؓ نے بھی ایک صحیفۂ حدیث مرتب کیا جس میں ۵۸۶ حدیثیں تھیں۔ (بخاری)

۱۵- حضرت انس رضؓ بن مالک نے بھی ایک صحیفۂ حدیث مرتب کر کے نبی علیہ السلام کو دکھایا جس میں ۲۲۸۶ حدیثیں تھیں۔

۱۶- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ۔ حضرت سعد بن عبادہؓ۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ۔ حضرت عبداللہؓ بن ادفیٰ نے بھی احادیث کے مجمُوعے تیار کر رکھے تھے۔

۱۷- حضرت ابوہریرہ رضؓ نے ۵۳۷۴ حدیثیں قلم بند کی تھیں۔

۱۸- حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے ۲۶۶۰ حدیثیں لکھی تھیں۔ باقی اصحاب کے مجمُوعے اس سے الگ ہیں۔ (تجرید جلد ا صفحہ ۴۲۴)

۱۹- پروفیسر محمد حمیداللہ پیرس یونیورسٹی نے اپنی کتاب الوثائق السیاست میں عہدِ نبوی کی دو سو سے زائد دستاویزیں شامل کی ہیں۔ یہ کتاب مصر میں چھپ چکی ہے۔

۲۰- ہمام بن منبہ جو ابُوہریرہؓ کے شاگرد تھے۔ اُنہوں نے ۱۴۰ حدیثوں کا مجمُوعہ مرتب کیا۔ جو پُورے کا پورا مسند امام احمد میں شامل ہے۔

جدید تحقیقات نے حدیث کی صحت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مہر ثبت کر دی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر حمیداللہ اپنے مطبوعہ "صحیفہ ہمام بن منبہ" میں لکھتے ہیں کہ ہمام بن منبہ متوفی ۱۰۱ھ نے اپنے اُستاد حضرت ابُوہریرہؓ متوفی ۵۸ھ سے جو مجموعہ احادیث حاصل کیا وُہ آگے ان کے شاگرد معمّر بن راشد یمنی کو پہنچا۔ پھر ان کے شاگرد عبدالرحمٰن بن ہمام کو ملا۔ اس صحیفہ کے دو قلمی نسخے برلن اور دمشق میں دیکھے گئے جو آج بھی محفوظ ہیں اور مسند احمد کی مطبوعہ احادیث کے ساتھ لفظ بلفظ ملتے ہیں۔

۲۱- حضرت معمر بن راشد مذکور کے صحیفہ الجامع کے ۲ نسخے آج بھی انقرہ اور استنبول میں موجود ہیں۔

۲۲- مقوقس کی طرف لکھا ہوا آپ کا نامہ اور اس پر ثبت مہر- نجاشی کی طرف لکھا ہوا نامہ بھی مل چکے ہیں۔ مسیلمہ کذاب کی طرف لکھا ہوا خط جس کا فوٹو ۱۲۹۶ھ میں لندن کے پکچرز میگزین میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ سب دستاویزیں من و عن احادیث کی کتب میں مندرج عبارتوں سے ملتی ہیں۔ صحیفہ ہمام بن منبہ خرید لیجئے اور دیکھ لیجیے۔

احادیث کے اتنے عظیم الشان ذخیرہ کی موجودگی میں فقہ حنفی کی اتنی اتنی فربہ کتابوں کی تدوین اور منکرین قرآن کی یہ تراژخائی هَفَوَاتٌ فِي سَبِيلِ السَّلَمِ نہیں تو اور کیا ہے۔

"اور جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ؈ کے خلاف چلے اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے۔ ہم اس کو اسی راستہ پر چلنے دیں گے۔ جدھر اس نے رُخ کیا ہے۔ اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے۔ اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔" (النساء)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو اپنے جسم کو گودتی یا گدواتی ہیں۔ ایک عورت نے سوال کیا یہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا قرآن میں۔ عورت نے جواب دیا مجھے تو قرآن میں یہ کہیں نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا کہ: "جو کچھ میرا رسول تمھیں دے اُسے لے لو اور جس بات سے روکے اُس سے رُک جاؤ۔" عورت نے جواب اثبات میں دیا تو آپؓ نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم یہ تھا کہ حدیث کا حکم قرآن کے احکام میں شامل ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

پانچواں باب

سوشلزم، کمیونزم یا اشتراکیت

مرزائیت اور چکڑالویّت کے بعد تھوڑے عرصہ سے یہاں اسلام کی ایک اور قسم بھی پیدا ہو چکی ہے۔ اسلام کی اس قسم کے بانی برِصغیر میں یُوں تو بیسویں صدی کے آغاز ہی میں سینکڑوں لوگ پیدا ہو چکے تھے۔ مگر اب اس میں جدّت اور نکھار پیدا کرنے والی دو "جلیل القدر" ہستیاں اس وقت بُری طرح ملّت کے درد میں ہلکان دن رات ایک کیے ہُوئے ہیں۔ ان میں ایک نو سر سید نما داڑھی والے لب مرگ بزرگ ہیں جن کا قبلہ حاجات پیکنگ ہے اور دُوسرے کرزن نما چہرے والے نوجوان ہیں جن کا قبلہ حاجات ماسکو ہے[1] ایک قاری کے دل میں یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ مذہبی فرقوں کے ذکر کے بعد یک لخت سیاسی جماعتوں کا ذکر شروع کر کے انھیں مذہبی فرقوں میں شمار کرنا کونسی تک ہے۔ میں ان صفحات میں یہی واضح کرنا چاہتا ہُوں کہ ماسکو یا پیکنگ کی طرف مُنہ کر کے مزدور کسان زندہ باد کے نعرے لگانے والے صرف سیاسی شتر مُرغ نہیں بلکہ مسلمانوں کو رُوحِ اسلام سے بیگانہ کرنے والے اپنے ناموں کے ساتھ اسلام کا دم چھلا لگا کر اصولاتِ دین سے انحراف کرتے ہُوئے ایک نئے دین کے بانی ہیں۔ ان حالات میں مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ

---

[1] اب یہ دو اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

یہ لوگ جن راستوں سے گھس کر اسلامی اقدارِ حیات میں کسی کمی بیشی کا اظہار کرتے ہوئے عوام کی ہمدردیاں حاصل کر کے پاکستان میں ملحدانہ نظام لانا چاہتے ہیں۔ ان کی نشاندہی کر دی۔ اس لحاظ سے یہ لوگ صرف سیاسی قیادت کو ہی اپنے ڈھب پر نہیں لانا چاہتے بلکہ دینِ اسلام ہی کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ چکڑالویت بلکہ مرزائیت سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ مرزائی اور چکڑالوی خواہ ترقی کرتے کرتے پاکستان میں ننانوے فی صدی بھی بڑھ جائیں رُوحِ اسلام کو مٹانے پر کبھی قادر نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ لوگ جس ملک میں دس فی صدی بھی ہو جاتے ہیں۔ تو اپنی توڑ پھوڑ کی پالیسیوں اور تخریبانہ کارروائیوں سے تمام ملک کا امن و چین تلپٹ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اور ان کی توڑ پھوڑ کی پالیسی آخر ملک کی تباہی پر منتج ہوتی ہے اس لیے اس وقت سب سے اہم ان لوگوں کی گوشمالی ہر مسلمان پر فرض ہے۔

یہ لوگ مزدور اور کسان کو ہمنوا، ہمدرد بلکہ آلۂ کار بنانے کے لیے سب سے پہلے یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ سرمایہ داری، جاگیرداری اور صنعت کاری کی تمام نجی املاک کو قومی املاک قرار دیا جائے۔ اور ان الفاظ کی تکرار وہ اس شدت اور زور سے کرتے ہیں کہ ایک سامع اور قاری اس طرف توجہ ہی نہیں کر سکتا کہ یہ لوگ خود تو ہزاروں ایکڑ اراضی کے مالک ہیں۔ کروڑہا قیمت کے کارخانے ان کی ملکیت ہیں۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں سے بڑھ کر ان کے بینک بیلنس (BANK BALANCE) ہیں۔ خوش خرام کاروں کی کھیپیں ان کے گیراجوں میں موجود ہیں۔ مگر سادہ لوح مزدور اور کسان کو دھوکا اور فریب دے کر اسے باغیانہ سطح پر پہنچا کر گولیوں کا نشانہ بننے کے لیے آگے بڑھاتے اور خود کونوں کھدروں میں چھپ جاتے ہیں۔ اور فضا جب دوبارہ سازگار پاتے ہیں تو مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہوئے پھر اسٹیج پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ ہاں تو اگر کوئی ذہین طبع مزدور یہ پوچھ بیٹھے کہ حضور قوم کے امراء کی زمینیں اور صنعتی ادارے قومیانے سے پہلے آپ اپنی ریاستوں اور کارخانوں کو عوام میں کیوں تقسیم نہیں کرتے تو ان کا جواب ہوتا ہے کہ جب تمام ملک کے کارخانے قومیائے گئے تو ہم بھی اپنی جائدادوں سے دست بردار ہو جائیں گے۔

سبحان اللہ کتنا عجیب جواب ہے۔ گویا کوئی خنزیر کا گوشت کھا رہا ہے، شراب

پی رہا ہے، زنا کر رہا ہے اور جب اسے اس بات سے منع کیا جائے تو وہ کہے کہ میاں جب اسلامی نظام نافذ ہو گا تو میں ان منہیات سے رُک جاؤں گا۔ گویا اسلامی نظام رائج ہونے تک یہ سب کچھ اس کے لیے جائز ہے۔

ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ اگر ذاتی جائداد رکھنا ہی حرام ہے تو باقی اُمراء کی طرف دیکھنے کا کیا مطلب ہے؟ آؤ! میدان میں اُترو! خود اس حرام سے بچو اور پھر دُوسروں کو اس حرام سے بچنے کی ترغیب دو۔

یہ معترضہ جملہ یُونہی درمیان میں آگیا۔ میں تو صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً جس قدر سوالات اُٹھائے جا رہے ہیں۔ ان کا لبِّ لباب اس قسم کے الفاظ میں سمویا جا سکتا ہے:

عہدِ جدید کے معاشیات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ اسلام ایک پُرانا مذہب ہے اور موجودہ حالات کے تحت اسلام اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اور اگر بفرضِ محال ہم اسلام کے معاشی نظام کو اپنا بھی لیں تو اس کے ثمرات عام شہریوں تک پہنچنے مشکل ہیں۔ اس لیے ہمارے دورِ حاضر کی ضروریات کو عہدِ جدید کی معاشیات کے مطابق نافذ العمل ہونا چاہیے۔ اور لینن کے جھوٹے اور ماؤ کے سچے نہایت رُعونت سے کہتے ہیں کہ:

اسلام کے معاشی نظام میں دو باتیں شدت سے انسانی وقار کو مجروح کرنے والی ہیں۔ ایک یہ کہ اُمراء کو کھُلا چھوڑ دیا گیا ہے کہ وُہ غرباء کے ہاتھوں پر چند سکّے رکھ کر ان کی عزتِ نفس کو مجروح کرتے رہیں۔ اور دُوسرے یہ کہ غرباء کے طبقہ کو زکوٰۃ اور صدقات سے متمتع کرنے کے لیے دستِ سوال دراز کرنے کے مقام پر پہنچا کر اُنھیں ہمیشہ کے لیے معاشرہ کا اچھوت بنا دیا جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اشتراکی فلسفۂ معاشیات کو جو ایک سیدھا سادھا اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اس دَورِ جدید میں اپنایا جائے۔ اور یہی اسلامی سوشلزم ہے۔

اب ان سوالات کے جواب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلامی سوشلزم کے باپ دادا کا نظریۂ حیات کیا ہے؟

اشتراکیت کیا ہے؟

اشتراکیت بذاتِ خود ایک لغو فلسفہ اور کلیتہً غیر عقلیاتی نظام ہے۔ اشتراکیت یہودیت کی ایک گہری اور دُور رس سیاست کی پیداوار ہے۔ جو انیسویں صدی کے مُلحدانہ پس منظر سے اُبھر کر سامنے آئی۔ مگر واقعات و مشاہدات اور ٹھوس تجربات نے جلد ہی ثابت کر دیا کہ اس مُلحدانہ حکومت میں بھی سوائے ایک فرسُودہ نظام کے کچھ نہیں۔ مارکس نے وقتی تقاضوں سے متأثر ہو کر ہیگل کی جدلیاتی منطق اسی مُلحدانہ دَور میں انسانی معاشرے پر مسلط کرنی چاہی۔ مارکس خود بھی یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ جدلیاتی منطق کیا چیز ہے اور اس کے نتائج مستقبل میں کیا ہوں گے؟

جدلیاتی منطق کے متعلق ہیگل کا خیال تھا کہ پہلے اس سے ایک نظریہ پیدا ہوتا ہے پھر بالکل غیر ارادی طور پر ایک تضاد اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ اور جب ان دونوں کا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو پھر اس ٹکراؤ کے نتیجہ میں دونوں نظریات کا ایک غیر محسوس سا امتزاج اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ اور ملک طبقاتی کشمکش سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اگر مارکس کو تاریخِ عالم سے معمولی سی شُدبُد ہوتی تو وُہ اس جدلیاتی منطق پر یہ ہوائی قلعہ تعمیر نہ کرتا۔ یہ منطق سرے سے ہی غلط ہے۔ تاریخ عالم نے اس قسم کی کوئی نظیر پیش نہیں کی۔ اور نہ ہی فلسفۂ تاریخ میں اس قسم کا کوئی باب ملتا ہے۔ اور ماضی کے تجربات کی بناء پر ہم علیٰ رؤس الاشہاد یہ کہنے میں ذرّہ بھر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ ایسا مستقبل میں کبھی ہو سکے گا۔

مارکس نے اِسی نظریہ کے تحت غیر طبقاتی معاشرہ کا تصور پیش کیا تھا۔ مگر یہ فلسفہ غیر طبقاتی معاشرہ تو پیدا نہ کر سکا۔ البتہ آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کی شکل میں ایک طبقہ اُبھر کر عوام کے سروں پر اس طرح مسلط ہو گیا جنھوں نے چنگیز اور ہلاکو کی رُوح کو بھی شرمسار کر دیا۔

مارکس نے بڑے دھڑلے سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مستقبل میں تمام یورپی ممالک کے مزدوروں کی حالتیں خراب ہو جائیں گی۔ اور روس ہی صرف مزدوروں کی جنت ہوگا

مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا بھر کے کسی خطہ میں اگر مزدوروں کی حالت قابلِ رحم ہے تو وُہ صرف اشتراکی ممالک ہیں۔ اور باقی تمام دُنیا کے مزدور ان کی نسبت کئی گُنا خوشحال اور آزاد ہیں۔ اشتراکیت نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ کوئی فرد ملکیت رکھنے کا حق نہیں رکھتا مگر یہ نظریہ بمشکل ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۴ء تک چل سکا۔ آخر فرد کو ملکیت کا حق دینا ہی پڑا۔

مارکس نے دُوسرا نظریہ جو پیش کیا وُہ ملحدانہ پرستی ہے۔ اشتراکی نظام میں خدا کا وجود قطعاً ختم ہو جاتا ہے۔ وہ اس نظریئے کی جڑیں اتنی پختہ ہیں کہ آج بخارا، تاشقند، یارقند، ثمرقند وغیرہ بیس سے زائد مُسلم ریاستوں میں خال خال کوئی مسلمان نظر آتا ہے یہ وُہ مُسلم ممالک تھے جن کی علمی خدمات آج بھی اسلام میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔

آج سے بیس برس پہلے چین میں چھ اور آٹھ کروڑ کے درمیان مُسلمان تھے۔ اور یہ وُہ ملک ہے جہاں فتح سندھ سے قبل مُسلمان مبلغ، تاجر اور اسلامی سفیر پہنچ چکے تھے۔ مگر آج چین کے مسلمانوں کی تعداد کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ چند سال سے ایک بھی چینی مُسلمان حج کے موقع پر موجود نہیں ہوتا۔ خدا کے وجود کا انکار کرنے والے اب آہستہ آہستہ اس بات پر ایمان لا رہے ہیں کہ اس کائنات کی مشینری چلانے والی کوئی طاقت ضرور موجُود ہے۔ اب الحاد ایک سائنسی حقیقت کی حیثیت نہیں رکھتا۔ کارل مارکس نے مادہ پر اپنی تاریخ کی بنیاد رکھی۔ مگر وُہ اب سائنسی اعتبار سے ٹھوس چیز نہیں۔ الغرض ان دونوں نظریات کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نظریئے قطعاً غیر عقلیاتی ہیں اور انسانی اقدار کے لیے زہر ہلاہل ہیں۔

اشتراکیت گویا ایک جذبۂ انتقام کی پیداوار ہے۔ اور انسانی عظمت کے خلاف کلیتہً ایک منفی رویّہ ہے۔ گو یہ مزدور طبقہ کی پیداوار ہے۔ مگر جو مزدور آگے بڑھ کر لینن، سٹالن، خروشچیف اور ماؤ بن گیا اُس نے تمام وسائل اپنے اختیارات میں لا کر پُورے معاشرے کو علمی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی غرضیکہ زندگی کی کھُلی فضا میں سانس لینے میں بھی اپنے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اُس نے اس ضمن میں اپنے گھر سے دوستوں کے علاوہ والدین اور اولاد تک کو نہ بخشا۔ سوئیتلانا اسی نظام کی منہ بولتی تصویر آج بھی زندہ موجود ہے

اب دیکھنا تو یہ ہے کہ اسلامی سوشلزم کے نام سے اشتراکیت کا یہ منفی ردیہ پاکستان میں لانے کے لیے جو طبقہ بُری طرح ہلکان ہو رہا ہے آیا اس کی یہاں ضرورت یا گنجائش ہے۔ اسے کوئی بھی صاحبِ بصیرت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہمارے ہاں اس سے پہلے ترقی پسندی کے نام پر کئی ادبی تحریکیں اُبھریں۔ اور مسلمانوں نے اچھی طرح ان کو دیکھا، پرکھا، غور کیا اور سوچا۔ اور آخر ان سے ایسے گذر گئے جیسے کوئی نظیف الطبع آدمی کسی متعفن نعش سے منہ پھیر کر فوراً گذر جاتا ہے۔

ماضی قریب میں یہ نعرہ بھی چند سرخوں کی زبان سے سُنا کہ پاکستان ایک قوم کا وطن نہیں۔ اُنھیں اس نعرہ میں زور پیدا کرنے کے لیے ابُو الکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی کے باقیات سے بھی کافی مدد ملی۔ یہ نعرہ لگانے والے شاید اس بات کو بھول گئے تھے کہ آزاد اور مدنی اور ان جیسا سوچنے والے دُوسرے علماء کا اپنا کیا حشر ہوا۔ اور ان کا یہ نظریہ ملّت کے حق میں کتنا خطرناک ثابت ہوا ——— اُنھیں یہ سب کچھ یاد تھا اور بھولے نہیں تھے۔ مگر ان کا مقصد اس نعرہ سے صرف انار کی، تشتت و افتراق اور غنڈہ گردی پیدا کر کے ملّت کو کئی ٹکڑوں میں بانٹنا تھا۔ اور اس فضا میں اُنھیں اپنے پنپنے کا راستہ نظر آتا تھا مگر وہ اس میں بھی بُری طرح ناکام ہوئے۔

کمیونزم، اشتراکیت اور سوشلزم جنھیں ہمارے ہاں کے مجددینِ اشتراکیت اسلامی سوشلزم کے نام سے پاکستان میں لانا چاہتے ہیں۔ وُہ سوشلزم کی ان برکات کو پوشیدہ کیوں رکھتے ہیں کہ آج سوشلسٹ ممالک میں شخصی آزادی کے نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔ وہاں اجتماعی فارموں میں کام کرنے والے لوگ جانوروں کی طرح بلا تفریق مرد و زن اور پیر و جواں، ادنیٰ و اعلیٰ کام کرتے ہیں اور رات کو جو کچھ ملے کھا کر بھیڑ بکریوں کی طرح بارکوں میں بند کر دیے جاتے ہیں۔

وہاں کوئی شخص اپنی مرضی سے نہ نکاح کر سکتا ہے نہ اولاد پیدا کر سکتا ہے اور نہ طلاق دے سکتا ہے۔ عورتوں اور مردوں کے تعلقات محض حیوانی تعلق کی سطح پر آ کر رہ جاتے ہیں۔ وہاں پورے کا پورا ملک ایک ڈکٹیٹر کے رحم و کرم پر ہے۔ باپ بیٹے کو

بیٹا باپ کو، ماں بیٹی کو، شوہر بیوی کو، بیوی شوہر کو اعتماد میں لینے سے بے بس اور مجبور ہیں۔ یہ ہے سوشلسٹ نظام ـــــ اور ایک آمرِ مطلق کی آواز ہے وہاں کا قانون۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں نہایت ہی درد بھرے دل سے یہ کہنے پر مجبور ہو رہا ہوں کہ دینی حلقوں سے بھی چند مجہول الحال قسم کے لوگوں نے اسلامی سوشلزم کے نعرہ پر تائیدی بیانوں سے لینن اور ماؤ کی اُمّت سے زندہ باد کے نعرے لگوا کر اپنی انا کی تسکین کا سامان بہم پہنچانے کی سعی کی ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق بولنے یا سوچنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے برساتی مینڈکوں کی کھیپ وقت آنے پر خود ہی پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ دُکھ ہے تو اس بات کا کہ سنجیدہ علمی حلقوں کی ایک نہایت ہی ذمّہ دار شخصیت نے بھی لکھا ہے کہ :

> "جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے ہمیں ایک معاشی نظام دیا ہے تو اس کا یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ ایک مفصّل نظام اُس نے بنا کر ہر زمانہ کے لیے رکھ دیا ہے جس میں معاشی زندگی کی تمام تفصیلات طے کر دی گئی ہیں۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس نے ہمیں ایسے بنیادی اصول دیے ہیں جن کی بنا پر ہم ہر زمانہ کے لیے ایک معاشی نظام بنا سکتے ہیں۔ (بہ تکلّف شاید اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ ایک زمیندار کے پاس دو سو ایکڑ زمین رہنے کا جواز ثابت کیا جا سکے۔ مؤلف) آگے چل کر فرماتے ہیں کہ جو چیزیں آج بھی ہماری ضروریات کے مطابق ہیں وہ ہم فقہ کی کتابوں سے جُوں کی توں لے سکتے ہیں اور نئی ضروریات کے لیے ہم مزید احکام کا استخراج کر سکتے ہیں۔
> (ملخص اسلام کا معاشی نظام از مولانا مودودی بحوالہ اردو ڈائجسٹ صفحہ ۷۱، اپریل ۱۹۶۹ء)

اسے میری کم فہمی سمجھیے یا علمی بے بضاعتی کہ مجھے مودودی صاحب کے اس ارشاد سے ایک گونہ اختلاف ہے۔ اسلام کے معاشی نظام کے تمام گوشے ہمارے سامنے اظہر من الشمس ہیں۔ اور ایک جلیل القدر ہستی کے ایسے الفاظ سے بالواسطہ دوسروں کو دین میں گھسنے کا موقع ملتا ہے

اور پھر لطف یہ کہ قرآن مجید کی متعدد آیات، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور خلفائے راشدین کے اجتہادات اور معمولات کا بے اندازہ ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ جس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت ہے نہ گنجائش کہ اسلام نے ہمیں اپنے معاشی نظام کے چند اصولات دیے ہیں جن پر ہم ہر زمانہ کے مطابق اپنا معاشی نظام بنا سکتے ہیں۔ البتہ اس مفہوم کو اگر ان الفاظ میں ادا کر دیا جاتا تو زیادہ موزوں تھا کہ اسلام نے ہمیں مکمل معاشی نظام دیا ہے مگر اسے قانون کی گرفت سے آزاد رکھا ہے۔ اور یہ اسلام کی خوبی ہے کہ وہ شخصی آزادی کی روح کو زیادہ سے زیادہ زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ اور اس معاشی نظام کو اگر قانون اپنی سرپرستی میں لے لیتا تو ہمیں یہ کہنے کی گنجائش ہی نہ مل سکتی کہ اسلام نے اس کی جزئیات بیان نہیں کیں۔

تکمیلِ دین، اتمامِ نعمت اور دینِ اسلام پر رضامندی کی سند کے بعد متقدمین کے ہاں دین میں تجدید کے دروازے کھلے مانے جا سکتے ہیں۔ مگر تمسک بکتاب وسنت کے بعد اس قسم کا خیال بھی ذہن میں لانا ایک کپکپی سی پیدا کر دیتا ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اسلام نے فلاح وبہبود اور اصلاح کی منازل میں قانون کو سب سے ہلکا مقام دیا ہے۔ طبع انسانی قانون سے فرار اختیار کرنے پر مائل رہتی ہے۔ اس لیے اسلام نے کم سے کم قانون سے کام لیا ہے۔ انسانی جرائم کا سب سے بڑا سرچشمہ زن اور زر ہے۔ عورت کے متعلق اسلام کے عائلی قوانین کا آج تک نہ کوئی مذہب مقابلہ کر سکا ہے اور نہ ہی ملحدین مگر یہاں اس کی تفصیل خارج از بحث ہو گی۔ رہ گیا زر کا معاملہ جسے ہم دوسرے لفظوں میں دولت کہتے ہیں۔ اور دولت کا مفہوم زمینوں، کارخانوں، زیورات، مکانات اور سواری کے اسباب سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ان سب کا لب لباب نقد مال ہے۔

دیکھیے اس نقد مال کو قرآن کیا کہتا ہے:

"اور وہ لوگ جو (رغابتِ حرص سے) سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں۔ اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ ان کو ایک بڑے دردناک عذاب

کی خبر سنا دیجیے۔ جو کہ اس روز واقع ہو گا کہ اس کو (اوّل) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں، ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا۔ اور (کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا۔ سو اب اسے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔" (التوبہ: ۳۴، ۳۵)

"بڑی خرابی ہے اس شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور طعنہ دینے والا ہو۔ اور جو (رغابتِ حرص سے) مال جمع کرنے والا ہو، اور (رغابتِ حُب سے) اس کو بار بار گنتا ہو۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں، واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا۔ جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے جو (اللہ کے حکم سے) سلگائی گئی ہے۔ جو کہ بدن کو لگتے ہی دلوں تک جا پہنچے گی۔ اور وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی (اس طرح کہ وہ لوگ آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے) ہوں گے۔" (الھمزہ)

یہ ہے دولت کے متعلق قرآنی نظریہ۔ سورۂ توبہ کی آیات کے متعلق مفسرین نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ اس کا مفہوم ادائیگی زکوٰۃ اور حقداروں کو ان کا حق پہنچانا ہے۔

سورۂ الھمزہ کا مفہوم واضح ہے کہ دولت جمع کرنا اور اسے گن گن کر خوش ہونا اسے بینکوں میں جمع کرا کے بینک بیلنس بڑھانا اور اس پر نازاں ہونا قیامت کے دن جہنم کے ستونوں میں مقید کرنے کا موجب ہو گا۔

اب نبی علیہ السلام کے ارشادات سنیے کہ آپ دولت کو مختلف ہاتھوں میں گردش کرنے کی ترغیب دینے کے لیے کن جامع کلمات سے مسلمانوں کو نوازتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد سے دولت بھی گردش میں رہے گی۔ اور عجب وغرور بھی پیدا نہ ہو گا اور کسی پر احسان بھی نہیں رکھا جائے گا اور غریب کی عزتِ نفس بھی مجروح نہیں ہو گی:

۱۔ دینے والے کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا ہے (حدیث)
سبحان اللہ کس قدر جامع کلمات ہیں۔

۲۔ کسی کو کچھ دو تو اس پر احسان رکھ کر یا اُسے آزار پہنچا کر ثواب ضائع نہ کرو (قرآن)

۳۔ سائل کو جھڑکو نہیں۔ (قرآن)

۴۔ ضرورت مند جو سوال سے احتراز کرتے ہیں اور ڈھیٹ ہو کر مانگنے سے بچتے ہیں ان کی مدد کرو۔ (آیتِ قرآنی کا مفہوم)

۵۔ اپنی ضروریات سے جو کچھ زائد ہے اُسے غریبوں میں تقسیم کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ (قرآنی مفہوم)

۶۔ عید الفطر کی نماز سے پہلے فطرانہ غربا میں تقسیم کرو۔

۷۔ قربانی کے گوشت کا ایک حصہ اور کھالیں ضرورت مندوں کو دو۔

۸۔ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اُسے ادا کرو۔ (حدیث)

۹۔ گراں فروشی کی نیت سے غلہ جمع کرنا احتکار ہے۔ اور احتکار کا مرتکب جہنمی ہے۔ (حدیث او کما قال)

۱۰۔ ایک طویل حدیث کا مفہوم ہے کہ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک آدمی سے پوچھے گا کہ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ میں ننگا تھا تو نے مجھے کپڑا نہیں پہنایا۔ میں بیمار تھا تو نے میری تیمارداری نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا الٰہ العالمین تو کیسے بھوکا، ننگا اور بیمار تھا؟

ارشاد ہو گا کہ فلاں روز تیرے دروازے پر ایک بھوکا گیا اور اس نے میرا نام لے کر تجھ سے روٹی مانگی مگر تو نے اسے روٹی نہ دی۔ فلاں دن تیرے پاس ایک ننگا گیا اور اُس نے میرا نام لے کر تجھ سے کپڑا مانگا تو نے اسے کپڑا نہ دیا اور فلاں بیمار تھا تو نے اس کی تیمارداری نہیں کی۔

حدیث کے اس مفہوم نے اسلام کے معاشی نظام کو کتنا پھیلا کر پیش کیا ہے۔ کہ گویا کسی کی بھوک سے لاپرواہ رہنا۔ کسی ننگے کو کپڑا نہ پہنانا۔ کسی بیمار کی تیمارداری نہ کرنا گویا

اللہ تعالیٰ سے لاپرواہ ہونا ہے۔

۱۱۔ تم اگر سالن پکاؤ تو اس میں زیادہ پانی ڈالو۔ شاید تمہارا ہمسایہ ضرورت مند ہو تو اس کی ضرورت بھی پوری ہو جائے۔ (مفہوم حدیث)

۱۲۔ دھاگہ۔ سوئی۔ چھلنی۔ چھاج۔ آگ۔ پانی۔ ہنڈی کے لیے نمک۔ ڈوری اور ڈنڈا غرضیکہ عام ضروریات کی چیزیں ضرورت مندوں سے روکنے والوں کے لیے ویل ہے۔ (یمنعون الماعون کی تفسیر)

۱۳۔ اپنی دولت کا چالیسواں حصہ سال میں ایک بار حاجت مندوں میں تقسیم کرو۔ اور پھر ساتھ ہی ان حاجت مندوں کو آٹھ مدات میں تقسیم کر کے سمجھا دیا۔

یہ صرف ترغیب و تحریص۔ کے لیے نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ ان ارشادات کے ساتھ وعید بھی ہیں۔ سوائے قل العفو کے باقی تمام جگہ حکم ہے۔ یہ ہے خاکہ اسلام کے معاشی نظام کا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ فاروقِ اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کے زمانہ میں زکوٰۃ کے مال کو قبول کرنے والے لوگ نہیں ملتے تھے۔

اسلام کے اس معاشی نظریہ کو اپنانے کے بعد "زر" کے معاملہ میں قانون کو آگے بڑھنے کی ضرورت رہتی ہے نہ معاشرہ میں غربت و افلاس دیکھنے میں آ سکتا ہے۔ اسی نظریہ کو اپنانے والے لوگوں میں ایک عورت سونا اچھالتے ہوئے سینکڑوں میلوں کا سفر طے کر کے حج کے لیے پہنچتی ہے مگر اس کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی جسے عدی بن حاتم نے سُنا اور پھر اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھا)

نجد و حجاز کے ڈکیت اور ناکندہ تراش اجل اور خانہ بدوش بدو آج سے کچھ عرصہ پہلے اسلام کے اس نظریۂ حیات کو اپناتے ہیں اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ خاک نشینی سے محل نشین بن چکے ہیں۔

دورِ جدید میں بھی ہمارے اُمرا اگر اس نظریۂ حیات کو اپنا کر اجتماعی طور پر اپنی دولت کا رُخ شرعی طور پر غربا کی طرف پھیر دیں تو پاکستان میں ایک فرد بھی ضرورت مند نہیں رہ سکتا۔ اس صورت میں کسی کی عزتِ نفس کے مجروح ہونے کا سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ہم جو کچھ سوچتے ہیں وُہ اسلام کے سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اور یہ سطحیت ہماری زندگی میں بُری طرح رچ بس چکی ہے۔ اسی سطحیت نے ہمیں قرآن و سنت سے بیگانہ کیا۔ اسی سطحیت نے ہمارے سامنے شرک و بدعت کے دروازے کھولے۔ اسی سطحیت نے منکرینِ قرآن اور منکرینِ ختمِ نبوت پیدا کیے۔ اور یہی سطحیت اب ہمیں مارکس، لینن اور ماؤ کی اُمت بنانے پر تلی ہُوئی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے اور ٹھوس حقیقت ہے کہ اسلامی نظریہ معاشیات کو اپنانے سے محتاجوں کا طبقہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ دولت کا پھیلاؤ ہر شخص کی زندگی میں خوشحالی لائے گا۔ آج اُمرار کا طبقہ جو غربار کی ذہنی انا۔کی سے ہراساں ہے کل وُہی غربار کا طبقہ اُمرار کا ممنونِ احسان اور ان کی عزّت کرنے والا ہو گا۔

زکوٰۃ و صدقات کا مقصد یہ سمجھنا قطعاً غلط ہے کہ غربار کا طبقہ ضرور باقی رہے گا۔ اس کی مثال اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں پھر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب غربار کا طبقہ ہی موجود نہیں رہے گا تو زکوٰۃ وغیرہ خرچ کرنے کا مصرف کیا ہو گا؟

دینِ فطرت نے زکوٰۃ و صدقات کی مدات کو اس قدر وسعت دے کر بیان کیا ہے جس کی حدیں ہی نہیں پہلے ان کے ذریعے ناداری ختم ہو گی۔ پھر عوام کا معیارِ زندگی بلند ہو گا۔ معاشرتی بہبود کے کاموں میں وسعت آئے گی۔ دفاع مضبوط ہو گا۔ خیراتی ہسپتال، مدارس اور معذور انسانوں کے لیے دارالامان بنائے جائیں گے۔ اور اگر اس سے بھی روپیہ بچ گیا تو غیر ممالک مثلاً افریقہ وغیرہ کے مسلمانوں کی تبلیغ اور خوشحالی پر خرچ کیا جا سکے گا۔

اُمتِ مرحومہ کی بدنصیبی کہ بے دینی کی ہر تحریک اور اسلام دشمنی کی ہر کوشش میں علمائے سُو کا ایک گروہ ان لوگوں کی ہمنوائی کے لیے ہر دَور میں کسی نہ کسی طریقہ سے اُبھر کر سامنے آتا رہا۔ اسی طرح مارکس اور ماؤ جیسے رُوحانی اور معنوی پیر و کار جو پاکستان میں اسلامی سوشلزم اور نیشنل عوامی پارٹی وغیرہ ناموں سے اس نئے دین کی طرح ڈال رہے ہیں، کے حضور میں بھی علمار کا ایک گروہ پہنچ گیا ہے۔ یہ لوگ چونکہ جُبہ و دستار میں

سامنے آئے ہیں اس لیے وُہ اپنے کلام کو زینت دینے اور مؤکد بنانے کے لیے اکثر حضرت ابُوذر غفاری کا نام درمیان میں لاتے ہیں۔ حضرت ابُوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے تمام گوشے دیکھ چکے تھے اور بارہا دیکھ چکے تھے کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں صبح کو مال و دولت کے ڈھیر پہنچ رہے ہیں اور شام کو حضورؐ کے گھر میں فاقہ ہے۔ حضورؐ کی یہ طبعی سخاوت کا نتیجہ بھی تھا اور مہاجر مسلمانوں کی مدد کی وجہ بھی۔ یہ کوئی شرعی قانون نہ تھا۔ مگر جب حضرت ابوذرؓ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس دمشق پہنچتے ہیں تو نقشہ سراسر اُلٹ نظر آتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کے شہنشاہانہ انداز (جو اُس وقت ایک سربراہِ مملکت اسلامیہ کے لیے ضروری بھی تھے) دیکھ کر اُنھیں ٹوکتے ہیں۔ چونکہ ان کا اپنا انداز وُہی تھا جو نبی علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں تھا۔ پھر حضرت معاویہؓ کو اس رنگ میں برداشت کرنا ان کے نزدیک ناممکن تھا۔ لہٰذا نہایت عزّت و احترام سے آپ کو مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ یہاں پہنچ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس پہنچ کر حضرت امیر معاویہؓ کی مجمع عام میں شکایت کی۔ اور پھر یہ بھی دیکھا کہ مدینۃ النبی کے ہر گھرانے کا اندازِ زندگی دولت کی فراوانی کی وجہ سے بدل چکا ہے۔ تو آپؓ نے یہاں بھی وُہی انداز اختیار کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں جلیل القدر صحابہؓ کی موجودگی میں آپؓ سے عرض کی گئی کہ آپ کو مسلمانوں کا یہ اندازِ زندگی اور خوشحالی پسند نہیں تو مدینہ سے کہیں دُور تشریف لے جائیے۔ اور لاکھوں صحابہ کی موجودگی میں کسی ایک نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ اور عالمِ غُربت میں ہی آپ داصلِ بحق ہُوئے۔

یہاں دیکھنا صرف یہ ہے کہ اگر اس وقت کے مسلمان اسلام کے اوّلین دَور کے مسلمانوں کی طرح زندگی گذارنا چاہتے تو آخر اپنی دولت کو کہاں پھینکتے۔ ایک وقت وُہ تھا کہ صحابہ کرام کو ہفتوں کھجور کا ایک دانہ تک کھانے کو نہ ملتا تھا۔ اور اب یہ حالت تھی کہ زکوٰۃ قبول کرنے والا نہیں ملتا تھا۔

دراصل حضرت ابوذر غفاریؓ کی اپنی رُوحانی، وجدانی، ایمانی اور ایقانی کیفیات اس قسم کی تھیں کہ وہ سرمایہ کو نہیں بلکہ سرمایہ دارانہ ذہنیتوں کو اسلام کے حق میں غیر موزوں سمجھتے تھے۔

اور وُہ افراط کی نسبت تفریط کی طرف اس لیے جُھک گئے تھے کہ افراط کے مقابلہ میں اعتدال کی راہ کا تعین تفریط کی تبلیغ سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

آج سوشلزم اور کمیونزم کی طرف سے طبقاتی کشمکش اور درجہ بندی کو ختم کرنے کے لیے زمین بھی معرضِ بحث بنی ہُوئی ہے۔ رُوس اور چین میں بڑے بڑے زمینداروں سے زمینیں چھین کر اجتماعی فارم قایم کیے گئے ہیں۔ جن میں مزدور کام کرتے ہیں۔ اور انھیں اُجرت کے طور پر صرف دو وقت معمولی خوراک ملتی ہے۔ اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگانے والوں کو اللہ تعالیٰ توفیق بخشتا اور وُہ زمین سے متعلق اسلامی نظریے کا مطالعہ کرتے تو انھیں نظر آتا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ضمن میں کیا فرمایا ہے۔

ابتدائے مدنیت سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ کسی خطہ ارضی پر ایک طبقہ بڑے بڑے قطعاتِ اراضی کا مالک ہوتا رہا۔ اور ایک طبقہ زمین میں کھیتی کرتا رہا۔ اور جو حاصل ہوتا اُسے وعدہ کے مطابق تقسیم کرتا رہا۔

اِس صورت کے شریعت نے چار نام رکھے ہیں:۔

مزارعت، مخابرہ۔ معاملہ اور مساقات۔

مزارعت سے مُراد ہے زمین پر فریقین باہمی شرائط کے تحت رضامند ہوں۔ اور مزارع زمین آباد کرے۔ حاصل کا مقررہ حصّہ زمین کے مالک کو ادا کرے۔

مخابرہ، معاملہ اور مساقات، باغات وغیرہ کے متعلق ہیں کہ باغات سے جو آمدن ہو وُہ حسبِ وعدہ تقسیم کر لی جائے۔ درختوں کے نیچے کی زمین بھی اسی ضمن میں شمار ہوگی۔

مزارعت کے متعلق مختلف قسم کی حدیثیں آئی ہیں۔ بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض سے عدمِ جواز، مگر آخری فیصلہ عدمِ جواز پر ہی ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق روایات زیادہ قوی ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم مزارعت کیا کرتے تھے۔ اور اس میں حرج نہیں جانتے تھے۔ یہاں تک کہ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے جب یہ کہا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے تو ہم نے اسے

چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم)

۲۔ رافع بن خدیج سے مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ مدینہ میں سب سے زیادہ ہمارے کھیت تھے۔ اور ہم میں سے کوئی شخص زمین کو اس طرح کرایہ پر دیتا کہ اس ٹکڑے کی پیداوار میری ہے اور اس ٹکڑے کی تمہاری۔ تو کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ٹکڑے میں پیداوار ہوتی اور دُوسرے میں نہ ہوتی۔ لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے منع فرما دیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۳۔ حنظلہ، رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔ کہ میرے دو چچاؤں نے مجھے خبر دی کہ حضور کے زمانہ میں کچھ لوگ زمین کو اس طرح دیتے کہ جو کچھ نالیوں کے پاس پیداوار ہو گی وُہ مالکِ زمین کی ہے یا مالکِ زمین پیداوار میں سے کسی مخصوص شے کو اپنے لیے مستثنیٰ کر لیتا۔ لہذا نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا۔ (صحیحین)

۴۔ حضرت عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ میں نے طاؤس سے کہا کہ مزارعت چھوڑ دیتے تو اچھا تھا۔ کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا ہے۔ اُنہوں نے کہا اے عمرو اس ذریعہ سے میں لوگوں کو دیتا ہوں اور لوگوں کی اعانت کرتا ہُوں۔ اور مجھے ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے یہ خبر دی ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو منع نہیں فرمایا اور حضور نے یہ فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو زمین مُفت دے دے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ اس پر اُجرت لے (بخاری و مسلم)

۵۔ صحیح بخاری میں ابُوجعفر سے یعنی امام محمد بن باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو تہائی اور چوتھائی پر مزارعت نہ کرتا ہو۔ اور حضرت علی سعد بن مالکؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عمر بن عبدالعزیز اور قاسم وعروہ و آلِ ابی بکر و آلِ عمر و آلِ علی و ابنِ سیرین سب نے مزارعت کی۔

۶۔ خیبر کی فتح کے وقت یہودیوں نے عرض کی کہ یہاں کی زمینیں ہمارے پاس چھوڑ دی جائیں اور ان سے جو کچھ پیدا ہوگا ہم اس کا آدھا ادا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر زمینیں ان کے پاس چھوڑ دیں کہ ہم جب چاہیں گے زمینیں

واپس لے لیں گے۔ (او کما قال، امام احمد، از ابن عمرؓ)

۷۔ رافع بن خدیج کا یہ قول بھی ہے کہ وُہ ایک زمین پر کھیتی کر رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گذر ہوا۔ آپ نے پوچھا کھیتی کس کی ہے اور زمین کس کی ہے رافع نے عرض کیا کھیتی، بیج اور خدمت میری ہے۔ پیداوار نصف میری ہے اور نصف بنو فلاں کی۔ کیونکہ زمین ان کی ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے اس کے ساتھ سُود کا معاملہ کیا ہے۔ زمین اس کے مالکوں کو لوٹا دو اور جو کچھ تم نے اس پر خرچ کیا ہے ان سے لوٹا لو۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

۸۔ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ رسُول اللہؐ نے مخابرہ سے منع فرمایا تھا۔ (ابُوداؤد)

حدیث نمبر ۱، ۲، ۳، ۷ اور ۸ سے مزارعت کی صریحاً ممانعت ثابت ہوتی ہے نمبر ۴ سے بھی واضح طور پر اجازت ثابت نہیں بلکہ کراہت ہی معلوم ہوتی ہے۔ نمبر ۵ میں جن اصحاب کو بطور مزارعہ بیان کیا گیا ہے وُہ کسی کی مزارعت کرنے کے مقام سے بلند اور علمی حیثیت سے عظیم الشان ہستیاں نظر آتی ہیں۔ ان کے متعلق درایت کہتی ہے کہ ایسے علم و فضیلت کے حامل لوگوں کے پاس مزارعت کا وقت ہی کہاں تھا۔ رہا معاملہ خیبر کا تو اس کی صورت یہ تھی کہ مسلمان اس وقت جہاد میں مصروف تھے۔ پھر خیبر مدینہ سے دُور تھا۔ اور مہاجر اس فن میں ماہر بھی نہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ زمینیں آباد رہیں۔ اس معاہدہ کو شرعی اصطلاح میں مخابرہ کہا گیا ہے اور حضرت جابر بن ثابت سے بصراحت یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے بھی منع فرما دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ مزارعت کے جواز کے قائل تھے۔ مگر جب آپ کے پاس رافع بن خدیج کی احادیث پہنچیں تو آپ دریافت کے لیے خود حضرت رافع کی خدمت میں پہنچے۔ جب دریافت پر معلوم ہوا کہ رسُول اللہؐ نے کھیتوں کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ وُہ اس طریقہ کو چھوڑ دیں۔

اِن تصریحات کی بنا پر عکرمہ، مجاہد، امام مالک اور امام ابُوحنیفہ نے مزارعت کو ناجائز قرار دیا۔

اِس موضوع پر قولِ فیصل وُہ واقعہ ہے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو وادیٔ عقیق بطور جاگیر عطا فرمائی تھی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے حضرت بلالؓ پر اس جاگیر کے متعلق اعتراض کیا۔ کیونکہ وُہ اس وادی میں کھیتی کرنے اور اس سے استفادہ کرنے سے عاجز آ گئے تھے۔ اس پر حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ آپ مجھ سے وُہ چیز واپس لینا چاہتے ہیں جو رسول اللہؐ نے مجھے عطا فرمائی تھی۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں مجھے عنقریب ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ کیونکہ تم اس زمین کو آباد اور اس کی خبر گیری کرنے سے عاجز ہو۔ جو تم پر واجب تھی اور مسلمانوں کو اس زمین کی اب سخت ضرورت ہے۔ لہٰذا تم اس زمین میں سے اتنی رکھ لو جس سے تم پھل حاصل کر سکو۔ اور باقی زمین دُوسروں کے لیے چھوڑ دو۔ چنانچہ عملاً ایسا ہی ہُوا۔

حضرت عمرؓ نے مصر کی وُہ زمینیں بھی لوگوں سے چھین لی تھیں جن پر وُہ کاشت نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے بھی اُموی خاندان کی تمام جاگیریں ضبط کر لی تھیں اور خود چار سو دینار سالانہ کی جائداد جو ان کے سال بھر کے خرچ کے لیے مکتفی ہو سکتی تھی اپنے پاس رکھ کر باقی سب واپس کر دی۔ (البدایہ۔ ابن الاثیر)

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تجارتی اور صنعتی اداروں کے متعلق کیا ہونا چاہیے

لہ: ان تصریحات کی موجودگی میں امیر جماعت اسلامی کا یہ فیصلہ کہ دو سو ایکڑ تک اراضی کے لیے کھلی چھٹی ہونی چاہیے صریحًا ان مسلّمات سے ٹکراؤ کے سوا کچھ نہیں۔ کیا مودودی کے پاس اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے واقعات سے ہمیں صاف نظر آتا ہے جو شخص خود مزارعت نہیں کر سکتا بلکہ بٹائی پر کسی دُوسرے کو زمین دیتا ہے وُہ صرف اسی قدر زمین اپنے پاس رکھ سکتا ہے جس سے وُہ سال بھر کا خرچ حاصل کر سکے۔ اور اس کی حد موجُودہ زمانہ میں زیادہ سے زیادہ پچاس ایکڑ ہو سکتی ہے۔

زمین اور تجارتی اداروں کی کیفیت الگ ہے۔ زمین وُہ چیز ہے جو راس المال کی حالت میں بالکل محفوظ ہے۔ مگر تجارتی اور صنعتی ادارے بعض اوقات بجائے منافع کے مقروض ہو جاتے ہیں۔ تجارتی اور صنعتی اداروں میں اگر آتش زدگی، زلزلہ یا کسی اور آفت سے نقصان پہنچے تو مزدور کی نسبت مالک کا کئی گُنا زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ مگر زمین کا فصل ضائع ہونے کی صورت میں تمام نقصان مزدور یا مزارعہ کا ہے اور مالک کا راس المال یعنی زمین بالکل محفوظ رہتی ہے۔

یہ ہے اسلامی نظامِ معیشت کا ہلکا سا خاکہ۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ کونسا نظامِ معیشت عین تقاضائے فطرت کے مطابق ہے۔ یہ نام نہاد اسلامی سوشلزم یا صرف اسلام؟ اور وہ لوگ کتنے بددیانت، عیار، مکار اور لوگوں کو فریب دینے والے ہیں جو ایسی واضح تصریحات کی موجودگی میں گلے پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہے ہیں کہ اسلامی نظامِ معیشت دورِ جدید کی ضروریات کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔

آج دُنیا بھر میں اگر کہیں آمریت پُورے طور پر مسلط ہے جہاں شخصی آزادی کا وجود سرے ہی سے عنقا ہے تو وُہ انہی سوشلسٹ نظام کے پنجوں میں جکڑے ہُوئے ملکوں میں ہے۔ آج سوویت روس میں مُسلمانوں کی یادگار، سمرقند، تاشقند، بخارا اور قفقاز کی ہیں کے قریب ریاستوں میں خدا کے نام کی کوئی چیز ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ حالانکہ تصوّف کے لگ بھگ اسلام کا علمی سرمایہ انہیں ممالک کی پیداوار ہے۔ سوشلسٹ روس کے آمر خروشچیف کا یہ لطیفہ دنیا بھر میں زبان زدِ خاص و عام ہے کہ وُہ کسی جلسۂ عام میں سٹالن کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ کسی منچلے نے ایک چٹ پر لکھ کر خروشچیف سے پوچھا کہ تم اس وقت کہاں تھے؟ خروشچیف نے پُوچھا کہ یہ چٹ کس نے بھیجی ہے۔ جواب ندارد۔ اُس نے دوبارہ سہ بارہ پوچھا مگر جواب نہ ملا۔ آخر خروشچیف نے کہا کہ جو کچھ اس وقت چٹ بھیجنے والا کر رہا ہے میں بھی سٹالن کے دَور میں یہی کچھ کر رہا تھا۔ آج سوشلسٹ رُوس میں واقع مساجد، تھیٹروں، گوداموں، سینماؤں اور اصطبلوں میں تبدیل ہو چکی ہیں اور یہی نظام اب پاکستان میں لانے کے لیے ایک گروہ دن رات ایک کیے ہُوئے ہے جس کی بنیاد صرف لا الٰہ الّا اللہ پر رکھی گئی تھی۔

اب چین کے متعلق بھی سُن لیجیے۔ چین وُہ ملک ہے جہاں پہلی صدی ہجری کے اوّلین دَور میں مسلمان پہنچ چکے تھے۔ جہاں آج سے چالیس سال قبل مُسلمانوں کی آبادی چھ اور آٹھ کروڑ کے درمیان تھی۔ ہم نہیں جانتے کہ آج دُنیا کی آبادی بڑھنے کے باوجود وہاں مسلمانوں کی تعداد گھٹ کر کتنی رہ گئی ہے۔ اور اس سے انکار نہیں کہ چند سالوں میں روس کی طرح چین میں بھی مسلمان ختم ہو جائیں گے۔

چینی اخبار "تن یاف ہا ڈہانگ" ۱۱ر نومبر ۱۹۶۷ء کا ایک اعلان ملاحظہ ہو:

"اے سُرخ قوم کے سپاہیو تمہیں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ وُہ لوگ جنھوں نے ہمارے خون بہائے، ہمارے گوشت نوچے اور ہماری ہڈیاں چبائیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان کے خون بہائیں اور ان کے گوشت نوچیں۔ اے سُرخ فوج کے سپاہیو! یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنے دُشمنوں کو بھاگنے دیں۔ آج کے بعد ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے دُشمنوں پر خصوصًا چھُپے ہُوئے دُشمنوں یعنی مسلمانوں پر پوری قوت کے ساتھ جھپٹیں کیونکہ یہ لوگ دین کے پردے میں ہماری جماعت کی اور ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔ انھوں نے مساجد اور درس گاہوں کے اندر گھُس کر اس استعمار کی چاکری کی ہے جو ہمارے ملک، ہماری تنظیم اور ہمارے قائد کے خلاف صف آرا ہے۔"

پھر مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

"اے مسلمانو! گوشِ ہوش سے سُن لو! آج کے بعد تمھیں اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم اپنے چہروں پر دین کا نقاب ڈال سکو۔ ورنہ ہم تمھیں جلا وطن کر دیں گے۔ روس کے ہزاروں مسلمان اسی طرح جلا وطن ہو کر ہندوستان، عرب اور ترکی میں پہنچے تھے ان کا جو گروہ ہندوستان میں براستہ گلگت اور کشمیر پہنچا تھا ان کے دیکھنے والے آج بھی زندہ موجود ہیں۔ جن کی داستانیں سُن کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ قافلے ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۴۳ء تک لگاتار نہایت بے سروسامانی، پریشانی میں تباہ حال روس سے ملک بدر کیے گئے تھے۔ (مؤلف) یا نیست و نابود کر دیں گے۔ آج کے بعد تمھیں اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم گائے کا گوشت کھاؤ کیونکہ گائے اس ملک میں انتہائی کمیت

کے لیے مفید ہے۔ اب تمھیں خنزیر کا گوشت کھانا چاہیے۔ آج کے بعد تمھیں اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ تم اپنے اوقات نمازوں میں ضائع کرو۔ اور تم عربی زبان میں گفتگو کرو وہ زبان جو ہماری زبان سے مختلف ہے۔ تمھیں اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ قرآن کی تلاوت کرو جسے تم کتاب مقدس سمجھتے ہو۔ اے مسلمانو! پورے غور سے سن لو! تمھیں اپنے مدارس اور مساجد کو ڈھانا ہوگا۔ اپنی اسلامی تنظیمات کو توڑنا ہوگا۔ قرآن مجید کو جلانا ہوگا۔ رشتہ مناکحت کے جو اصول تم نے وضع کر رکھے ہیں انھیں ختم کرنا ہوگا۔ تمھیں اب ہمارے نظریات و افکار کو اپنانا ہوگا۔ اگر تم ان چیزوں سے باز نہ آئے تو پھر تمھیں مٹا دیا جائے گا۔ ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم دینی چوہوں کے سارے بلوں کو ملیا میٹ کر دیں۔ اور اگر تم اپنی روش سے باز نہ آئے تو تمھیں بھی ان کے ساتھ ہی برباد کر دیں گے۔" عظیم ثقافتی انقلاب زندہ باد۔

(بحوالہ مجلہ الوعی الاسلامی کویت)

اور یہ سب امراض ہم پر کتاب و سنت کی دوری کی وجہ سے ہمارے جسم و روح میں سرایت کرتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم صحیح معنوں میں کتاب و سنت کا تمسک کرنے والے ہوتے تو ہم میں اس قسم کے پراگندہ ذہن لوگ ہی نہ پیدا ہوتے۔ جو ایک طرف قرآن کے انکار اور اس کی تحریف کی تبلیغ میں مصروف ہیں، دوسری طرف سنّتِ و ناموسِ نبی پر حملے کر رہے ہیں اور تیسری طرف سے لینن اور ماؤ کے نظریات ہم پر ٹھونسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آج پاکستان میں ضرورت تھی اس بات کی کہ تمام ادیانِ باطلہ کے نظریات جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمارے ذہنوں پر مسلط ہیں انھیں اکھاڑ کر دور پھینک دیا جاتا اور نئی پود کو صرف قرآن و حدیث کی روشنی میں دینی تعلیم دی جاتی۔ ملکی معاملات کی ضروریات کے لیے ریاضی، سائنس، طب و جراحت اور صنعت کاری سے متعلق مضامین کے حصول کا ذریعہ اردو کو بنایا جاتا۔

تو ہم اس پچیس سالہ دور میں
کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہوتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ابھی ہمارے سفر کی ابتدا بھی شروع

نہیں ہوئی۔ اور آج ببانگِ دہل یہ کہا جا رہا ہے کہ اسلامی قوانین اور اسلامی نظام عمل اس دورِ جدید میں زندگی کی ہمنوائی سے قاصر ہیں۔ اور یہی وہ جھول، تجاہلِ عارفانہ یا ملت سے غداری ہے جو ایسا کہنے والوں کے حق میں تو مفید ہے مگر ملک و ملت کے لیے زہر ہلاہل۔ ؎

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

تنذیر

اسلام کے معاشی نظام پر آج تک ہزاروں صفحات پر مشتمل لٹریچر ہر مکتبۂ فکر کی طرف سے ہر سطح کی ہر قسم کی شخصیتوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا۔ اس نے کیا خواص اور کیا عوام سب کے قلوب و اذہان کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ ضرورت تھی کہ قرآنی آیات اور فرمودات رسول ؐ کی روشنی میں ٹھوس واضح مگر مدلل اور حرفِ آخر کے طور پر ایک مکمل ضابطہ مرتب کیا جاتا لیکن جس طبقہ اور جس سطح سے جو شخص اٹھا اس نے ایک لم تراشی اسے عوام کے سامنے پھینکا اور ایک الجھن پیدا کر کے دور کسی کونے کھدرے میں روپوش ہو گیا۔ ان ذہنی عیاشیوں کے مریضوں کے علاوہ جن ذمہ دار شخصیتوں نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی وہ بھی وقت کی ضرورت سے آنکھیں موند کر ایک واضح ضابطہ پیش کرنے کی بجائے علمی موشگافیوں کے دریا بہاتے ہوئے "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی" کی نذر ہو گئے۔ یہ جو کچھ ہوتا رہا یا ہو رہا ہے اس نے بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طریقوں سے اس موضوع کو میدانِ مناظرہ بنا کر رکھ دیا۔ حالانکہ یہ ایک بالکل سیدھی اور صاف بات تھی۔ مگر اسے حرفِ آخر کے طور پر ایک ضابطہ کی صورت میں پیش کرنے کے لیے جس جرأتِ رندانہ کی ضرورت تھی۔ وہ مقام جب تک خالی رہے گا انتشارِ کیفیت کے

اسلامی اماموں کے مقلدین کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ وقت کی اہم ترین پکار اور ضرورت ہے کہ ان اشتراکی کوچہ گردوں کے منہ میں لگام دی جائے۔ اور وہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ صرف قرآن و حدیث سے اسلام کے معاشی نظام کے ضوابط کو مثبتانہ انداز میں ہر مسلمان کے کان تک پہنچایا جائے۔ ورنہ سوشلزم کے یہ سیاسی چمگادڑ اپنے تلبیسانہ جال کو اور پھیلا کر عوام کو گمراہ کرتے چلے جائیں گے۔ اور اس کا انجام ...... اس کے تصور ہی سے روح میں کپکپی اور جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

صفحاتِ گذشتہ میں صرف چند متفق علیہ اشارات پر اکتفا کرنا پڑا ہے۔ یہ موضوع نہ اس کتاب سے متعلق ہے اور نہ ہی اسے یہاں پھیلانے کی گنجائش۔ چند اشارات کی ضرورت بھی اس نقطۂ نگاہ کی وجہ سے پیدا ہوئی کہ یہ موضوع پاکستان میں صرف سیاست تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ اسلام کے اندر ایک نئے مذہب یا فرقہ کے طور پر داخل ہو چکا ہے۔

ہمارے دس سالہ مرحوم حکومت کے دورِ استبداد نے علماء کے ایک گروہ کو اوقاف کی اصلاحات کی آڑ میں خرید لیا۔ اور دوسری طرف ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اور ادارۂ ثقافتِ اسلامی کی اصلاحات کے لبادہ میں ایسے ایسے دینی بزرجمہروں کو آگے بڑھا کر ان سے ایسی ایسی گل افشانیاں کرائیں جو مسلمانوں کو قرآن کا غلام نہیں بلکہ قرآن کو اپنا غلام بنانے کی راہیں ہموار کرنے میں منہمک رہے۔ یہ زہریلا ناسور جب پک کر پھٹنے کے قریب آیا تو وقت کے جرّاح نے خود اس پر سوشلزم کا پھاہا رکھنے کا درپردہ راستہ اس لیے ہموار کرنے کی کوشش کی کہ کہیں مسلمان بیدار ہو کر صحیح راستہ پر گامزن نہ ہو جائے۔ اور یہ امر اس کے لیے ہلاکت کا موجب تھا۔

یہ بھولا، بھالا مسلمان مغربی اقوام سے ہزاروں فریب کھا کر ڈرا ہوا تھا۔ وہ لندن اور نیویارک سے خود متنفر تھا۔ اس کے سامنے اب ان کی بجائے پیکنگ

اور ماسکو کی شاہراہ کے جھاڑ جھنکار گل و گلزار بنا کر پیش کیے جا رہے تھے۔ یہ امر سوشلزم کے مبلغوں کے لیے گویا من مانی کرنے کی کھلی چھٹی کی دستاویز تھا۔

لمبی چوڑی تفصیلات سے قطع نظر صرف چینی اور روسی ترکستان کے مسلمانوں کی سوشلسٹ نظام میں جو حالت ہوئی دیکھ لیجیے۔ روسی اور چینی ترکستان کے مسلمانوں کی حالت کا نقشہ (GODFREY LIAS) نے اپنی مشہور کتاب (KAZAK EXODUS) میں جو پیش کیا ہے وہ پڑھ کر ایک پتھر دل آدمی بھی خون کے آنسو رو اٹھتا ہے۔ اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی چار اور پانچ کروڑ کے درمیان تھی۔

سوشلزم نے ترکستان کے ان مسلمانوں کو جانور بنانے کے لیے جن پُرفریب ہتھکنڈوں سے کام لیا وہ انسانی تہذیب کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ ہیں۔ روس مغربی ترکستان میں اور چین مشرقی ترکستان میں اپنے اپنے طور پر پوری ربع صدی ان کے جان و مال، عفت و ناموس، دین و مذہب پر پینترے بدل بدل کر حملہ آور ہوتا رہا۔

آخر بچے کھچے لوگ اپنے وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ تاریخِ عالم میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی مہاجر قوم نے اتنا طویل سفر کیا ہو۔ یہ لوگ کوہستان کونلون کے ہلاکت خیز سلسلوں کو عبور کرتے ہوئے کشمیر پہنچے۔ وہاں سے برصغیر میں داخل ہوئے اور یہاں سے ترکیہ پہنچا دیے گئے۔ اس رونگٹے کھڑے کر دینے والے سفر میں نصف سے زیادہ سردی، گرمی، بھوک، پیاس اور دیگر شدائدِ سفر کی نذر ہو گئے۔ مجاہدین اور مہاجرین کی طویل فہرست میں ہمیں علی بیگ، حمزہ، علی لطور رسورما) جانم خان، بوکو لطور، یونس حجی، سلطان شریف، حسین تجی، باعی ملا، اسماعیل حجی، علی بن لطور، قصبین، سلطان، مسعود صابری، برہان شہیدی اور جنرل ماکو جس نے ستمبر ۱۹۲۹ء میں آزاد ترکستان کی بنیاد رکھی تھی کے ناموں کے علاوہ سینکڑوں اور بڑے بڑے جانباز مجاہدین، علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے نام ملتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ تاریخ ان کے کارنامے ہم تک پہنچانے سے قاصر رہی، مگر ان کا ہر فرد اپنے مقام پر انور پاشا۔ جنرل محمد بخت خان، سلطان فتح علی ٹیپو، مہدی سوڈانی۔ عبدالقادر الجزائری تھا۔ مگر یہ لوگ سوشلزم کے سیلاب میں اس طرح بہ گئے کہ آج ہم ان کے ناموں سے بھی واقف نہیں۔

سوشلسٹ چین ان لوگوں کی جوانمردیوں سے آج تک ہراساں ہے، اور اسی وجہ سے "تن بات ہاؤ ہانگ" کو یہ نعرہ لگانا پڑا کہ: "اب مسجدیں گرا دو اور سؤر کھاؤ۔"

کاش کہ پاکستانی مسلمان ہمسائگی کے حقوق کو سیاست تک ہی محدود رکھیں۔ اپنے نظریاتی اصولوں کو حرزِ جان بناتے ہوئے ایک باغیرت، خود دار اور باوفا ہمسایہ کی طرح زندہ رہنے میں اپنی زندگی سمجھیں۔ اور اندرونِ ملک سوشلسٹ نظام کے سیاسی چمگادڑوں سے پورے طور پر ہشیار اور باخبر رہیں۔

پاکستان کی نظریاتی مملکت کے غیور مسلمانو! ذرا چند لمحات کے لیے چشمِ تصور سے امام بخاریؒ۔ امام ترمذیؒ۔ عبداللہ بن مبارکؒ۔ ابو منصور ماتریدیؒ۔ زمخشری۔ کاشغریؒ۔ جوہری کاسکیؒ۔ فارابیؒ۔ ابن سینا اور ان کے علاوہ سلسلہ ہائے طریقت کے ہزاروں مشائخ عظام اور صوفیائے کرام کو دیکھو اور ان کی روحوں سے پوچھو! کہ تمہارے مرز بوم میں جہاں تم نے کئی صدیاں تہذیب، شرافت، اخلاق اور انسانی اقدار کا وحشیوں، جانگلیوں بلکہ انسان نما جانوروں کو انسانیت کا درس دیا۔ جہاں تم نے سالہا سال اپنے علم و فضل سے جہالت کی تاریکیوں میں روشنی کے مینار قائم کیے۔ جہاں آج بھی تمہارے آثار انصاد بد سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاں آج بھی تمہارے باقیات الصالحات ایک روشنی کے مینار کا کام دے رہے ہیں وہاں تمہارے اس مولد و مسکن میں اس مادر پدر آزاد تحریک کے ہاتھوں فرزندانِ اسلام پر کیا گذری؟

کیا تمہاری روحیں اسی لیے بے چین اور بیقرار نظر آتی ہیں کہ تم اپنے ان

تہذیب و شائستگی، علم و عرفان، اخلاق و انسانیت، سکون و سرور، امن و نشاط کے مرغزاروں میں درندوں اور اژدہاؤں کے غولوں کو ڈکارتے ہوئے دیکھ رہے ہو جن کے خون آلود جبڑوں سے انسانوں کی ہڈیوں کے چٹخنے کی آواز کی گونج سے ایک عالم کانپ رہا ہے۔ جن کی زہر آلود کچلیوں کی پیٹ میں اشرف المخلوقات کی رگوں کو کھینچ کھینچ کر ان کے جسموں کو اپنے غار نما شکموں میں بھسم کر دیا ہے۔

ہم تمہاری روحوں کے سامنے اپنی آنکھوں کو اوپر نہیں اٹھا سکتے۔ ہم مجرم ہیں —— اور ہمیں اپنے جرائم کا اعتراف ہے کہ ہم انسانیت کے ان ازلی و ابدی دشمنوں کی روحانی ذریت کو اپنے اندر پنپنے کا موقع دے رہے ہیں۔

لیکن نہیں ہم اب ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہونے دیں گے ہم میں اپنے بچوں کی سسکتی لاشوں کو تڑپتا دیکھنے کی تاب نہیں۔ ہم میں اپنے عزت و وقار کی رسوائیاں سر بازار دیکھنے کی سکت نہیں، ہم اپنے بزرگوں کی روحوں کے سامنے اس سے زیادہ شرمسار ہونے کی قوت اپنے آپ میں نہیں پاتے۔

ہم واشگاف دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی روحوں کے پس منظر سے محسنِ انسانیت کی روح بھی ہمیں جھانک رہی ہے۔ ہم میں ابھی اتنی بے غیرتی پیدا نہیں ہوئی کہ ہم اس "فداہ اُمّی و اَبی" کی اس پکار سے انحراف کر کے کہیں یہ چلانے اٹھنے پر مجبور نہ ہو جائیں

در حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

"اللھم احفظنا من کلّ بلاء الدّنیا و العذاب الآخرہ۔"

۱- امام شمویلؒ کا تذکرہ اس ہنگامہ میں نظر انداز ہی ہو گیا - جس نے انیسویں صدی کے دوسرے تیسرے ربع میں پورے قفقاز میں زارِ روس کی افواج کو ناکوں چنے چبوا کر اپنے اسلامی تشخص پہ آنچ نہ آنے دی۔

تتمہ

یہ ہے مارکسی نظریات کا ہلکا سا خاکہ جس کی روشنی میں آج "اسلامی سوشلزم" کے پرچارک مختلف کونوں کھدروں سے سر نکال کر دین میں تشتّت و افتراق کا بیج بو رہے ہیں۔ اور ابوبی راسپوٹین قرآنی آڑ میں فضا تیار کر رہے ہیں۔

ملّت میں سب سے پہلے شیعہ اور خوارج نے فتنہ پیدا کیا۔ یہ دونوں فتنے عراق کی پیداوار تھے۔ اسی خطّہ سے قیاس و رائے کے فتنہ نے سر نکالا۔ وہ لوگ قیاس و رائے کے پس منظر "آنا خیرٌ منہ" سے آنکھیں موند کر اپنا تن اور من اسی پر نثار کیے رہے۔

ان ہر سہ فتنوں نے خلافت و ملوکیت کے مقامات کو گڈمڈ کر کے سلطانِ جابر کے سامنے کلمۂ حق کے راستے مسدود کرنے کے ذرائع پیدا کیے۔ اور علمائے حق کی زبانیں بند کرنے میں کسی قسم کی سفّاکی اور خونریزی سے گریز نہ کیا۔

خوارج ایک وقت کے بعد ختم ہو گئے۔ تشیّعت نے اپنی راہ الگ کر لی۔ اور اہلِ سنّت والجماعت میں تقلیدی فتنہ نے اتنی ترقی کی کہ دینی روح سمٹتے سمٹتے پس منظر میں چلی گئی۔ قرآن و حدیث کے تمسّک سے انحراف نے بعض انسانوں کو ظلّ اللہ بنا دیا۔ بعض کو حاجت روا اور اَن داتا کے مقامات پر پہنچا دیا۔ اب ظلّ اللہ اور حاجت روا جب مل کر میدان میں اُترے تو ندائے لغیر اللہ، ذبح لغیر اللہ امداد کن، امداد کن در دین و دنیا شاد کن کی گردانوں نے قال اللہ اور قال الرسول کو "تبرّک" کا مقام دے کر طاقِ نسیاں میں دھکیل دیا۔

راستے کھلتے گئے۔ ذہنوں کے پیچ ڈھیلے ہوتے گئے۔ فلسفہ، کلام اور منطق کی فربہ فربہ کتابوں کی تعلیم کو ہی وجہ فضیلت سمجھا جانے لگا۔

انہیں کھلے راستوں نے حواس باختہ اور آبرو یافتہ لوگوں کو نبوّت کا راستہ دکھایا۔ انہیں آزاد خیالیوں نے فرنگی کے جمہوروں کو قرآن اپنے ڈھب پر

لانے کی جرأت دلائی۔

اسی تقلید نے قرآن و حدیث سے دُوری کا سامان پیدا کر کے ذہنوں کو اس قدر پراگندہ کیا کہ ایسے لوگ جو لا الٰہ الّا اللہ محمّدٌ رسول اللہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے وہ اُمّت کی سربراہی کے ہلکاؤ میں مبتلا نظر آنے لگے۔

کہیں گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ کفر کی تمام شاخیں ملّتِ واحد ہیں اور دینِ فطرت ملّتِ واحد۔

اب یہ بے دینی کی شاخیں نیچریّت کی شکل میں ہوں یا قادیانیّت کی شکل میں۔ اشتراکیّت کی صورت میں سامنے آئیں یا کسی اور جامہ میں، بہرحال ان سب کے رُوحانی اَب وجد ایک ہیں۔

منکرینِ قرآن کے ضمن میں چند ایسے اشارات گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں۔ ان کے تکرار و اعادہ کی ضرورت تو نہ تھی۔ مگر یہاں چند مزید امورات سامنے لائے بغیر چارہ نہیں۔

وہ جنھیں ملائکہ کے وجود سے انکار ہے۔ وہ جو انسانی کاروبار میں یزدانی طاقت کو فعلِ عبث اور محال سمجھتے ہیں۔ وہ جن کے نزدیک تقدیر محض تدبیر کی ناکامی اور بے تمیزی کا نام ہے۔ وہ جو اسرارِ غیب کے معارف کو اپنے جاہلانہ اور محدود ذہن ناکام تجربہ کی کسوٹی پر پرکھنے اور اپنے بے مایہ نطق کے سانچے میں ڈھالنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں اگر وہ ابابیلوں کو پرندوں کی بجائے چیچک سمجھ لینے پر مجبور ہیں تو اُن کی زبان کون بند کر سکتا ہے۔ ان کو ان کی یہ آزاد خیالی اور سبقت کا پن مبارک، مگر فنِ تاویل و تلبیس کے ان بہروپیوں نے آج تک ہمیں یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ وہ چیچک صرف ابرہہ کے لشکرِ کثیر لا تعداد پر حملہ آور کیوں ہوئی اور عبدالمطلب والوں سے اس کی کیا رشتہ داری تھی۔

یہ لوگ خدا، آخرت، جزا، سزا، فرشتوں، دوزخ، جنّت، معجزات اور حشر و نشر کے مابعد الطبیعاتی عقیدے میں منفرد نہیں۔ بلکہ اشتراکی کوچہ گرد بھی بالکل اِن

عقائد میں ان کے ہم نوا اور دم ساز ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کارل مارکس اِن نظریات کا خالق تھا۔ مگر یہ قطعًا غلط ہے تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ اس نظریے کا ذہین خالق برہسپتی یعنی چارواک تھا۔ چارواک کے بعد اس نظریے کی اشاعت جین مت اور گوتم بدھ نے کی۔

اِن سب کے بعد مانی ایرانی نے ۲۴۲ء میں اعلان کیا کہ یہ زندگی صرف عیش کے لیے ہے۔ زن اور زمین سب کے تمتع کے لیے مشترک چیزیں ہیں۔ وہ ملک بدر کر دیا گیا۔ تو اس کے بعد مزدک نے سر نکالا۔ اور اپنے تمام رُوحانی اسلاف کے عقائد کا چربہ بڑی چابک دستی سے پھیلانا شروع کیا۔ اس کے عقائد چارواک۔ بُدھ مت۔ جین مت۔ وام مارگی۔ چولی مارگی۔ بیج مارگی اور افلاطون کے نظریات کا مجموعہ تھے۔ افلاطون نے ملکی مصالح کی بنا پر قتلِ اطفال کو جائز قرار دیا تھا۔ مزدک نے اپنے عقاید میں یہ نظریہ اور جنسی آزادی کے متعلق لائی کرگس یُونانی اور امراء القیس کا نظریہ بھی شامل کر لیا۔

مزدک جب علی الاعلان ان نظریات کی تبلیغ کرنے لگا تو ۵۲۹ء میں نوشیرواں نے اُسے قتل کرا دیا۔ وُہی پُرانی شراب نئے جاموں میں کچھ تو کارل مارکس نے پیش کی، کچھ مُنکرینِ قرآن نے اور رہی سہی کسر ہماری دس سالہ مرحوم حکومت نے خاندانی منصُوبہ بندی اور ادارہ ثقافتِ اسلامی کے ذریعے پُوری کر دی۔ اور یہ سب کچھ کتاب و سنت سے انحراف کا نتیجہ تھا اور ہے۔ اسی انحراف سے انسان میں سگ گزیدگی کی علامتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ان علامات کے پیدا ہونے سے جسمِ انسانی میں رہتے ہُوئے بھی ایک انسان اپنے آپ سے باہر ہو کر مردم گزیدگی کو اپنا شعار بنانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ نے اس رُبع صدی کے دور میں کیا کچھ نہیں دیکھا؟ کبھی آپ نے سوچا کہ یہ کس بات کے نتائج تھے؟

فافہم وتدبر۔

پس چہ باید کرد ؟

الغرض مسلمان بسبب حکومت، امامت، سیاست اور فقہی اختلافات جس قدر دینی رُوح سے ہٹتے چلے گئے ان میں ضعف و شکست خوردگی پیدا ہوتی چلی گئی۔ اسی ضعف و شکست خوردگی نے وھن پیدا کیا۔ جس کی تعریف رسول اللہؐ نے حب الدنیا و کراہیت الموت کے الفاظ میں بیان کی تھی۔ اسی وھن نے غدارانہ ذہنیتوں کے حامل پیدا کئے۔ اسی شکست خوردہ ذہنیت نے جعفر بنگالی اور صادق دکنی کو جنم دیا۔ اسی شکست خوردگی نے آزادی کی تحریکوں میں رخنے پیدا کئے۔ اسی کتاب و سنت کی دُوری نے ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والے کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے کہ:

"ہمیں پاکستان میں ایک مدت تک اسلام کا نقاب اوڑھ کر سوشلزم کے واسطے زمین کو ہموار کرنا ہے" [1]

اسی اسلام کی رُوح سے دُوری اختیار کرنے پر رُوس کے پندرہ لاکھ تہتر ہزار مربع میل سے ۲۳ لاکھ مسلمانوں کو اور چین کے چھ لاکھ ۳۳ ہزار مربع میل کے علاقہ سے پانچ کروڑ مسلمانوں کو اخراج پر مجبور کیا [2]

آج ہم ضرور کہتے ہیں کہ کمیونزم کے سیلاب کے سامنے رُکنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ مگر کون کہتا ہے کہ ان میں سے اکثریت نے پاکستانی سُرخوں کی طرح خود ہی اسلام سے بیگانہ ہو کر کمیونزم کے لئے راستہ ہموار نہیں کیا تھا۔ سٹالن کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ اُس نے ڈیڑھ کروڑ انسانوں کو قتل کیا۔ اور لاکھوں مربع میل کا علاقہ تاخت و تاراج کر دیا یہ قصور کس کا ؟

یہ درست ہے کہ وہاں ٹیپو اور سراج الدولہ بھی تھے۔ جنرل بخت خاں اور سید احمد بھی تھے۔ مگر وہی کچھ ہو کر رہا جس نے ایسے حالات میں ہونا تھا۔ ذرا چشم تصور کو پہلی صدی ہجری کی طرف لے جائیے۔ اور نظر تعمق سے قادسیہ اور یرموک کے معرکوں کو دیکھئے تو صاف نظر آئے گا۔ کہ وہ سب کچھ وحدت فکر اور کتاب و سنت سے اعتصام کا نتیجہ تھا۔ مگر جب کتاب و سنت کا

---

[1] بھٹو کی تقریر ۲۷ اپریل ۶۹ء بحوالہ چٹان ۱۵ جون ۶۹ء صفحہ ۲ کالم پہلا۔

[2] LAST ILLUSIAN مصنفہ فرٹیڈ وٹلے

تمسک چھوٹا تو وحدتِ فکر مفقود ہوئی اور پھر مسلمانی تو رہ گئی مگر مسلمان ——— اِلّاماشاءاللہ

اب پھر چند سالوں سے عقاید و اعمال میں نہیں بلکہ صرف قانون میں وحدت فکر کی طرف توجہ دی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں شام، مصر، اردن، سوریہ اور تونس پیش پیش ہیں۔ مگر جس انداز میں وہ اس کام کو شروع کرنا چاہتے ہیں وہ انداز ایک اور بہت بڑے المیہ کا پیش خیمہ بھی ہو سکتا ہے۔ ان ممالک کے قانون دان اور دانشور حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ، امامیہ، زیدیہ، اباضیہ، (خارجیہ) کے فقہی ذخیروں سے ایک نئی فقہ کی طرح ڈال رہے ہیں۔ کیا یہ پیوندکاری کامیاب ثابت ہوگی۔ وقت ہی اس کا جواب دیگا۔

ان ممالک کی دیکھا دیکھی مملکت خداداد پاکستان میں بھی وقت کی زارشاہی نے اپنے ایک راسپوٹین کی سرکردگی میں ایک تحقیقی ادارہ کی بنیاد رکھی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس ادارہ میں کام کرنے والے کتاب و سنّت کی روشنی میں، صحابہ کبار کے کردار اور سلف صالحین کے نظائر کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام مکتبۂ فکر کے علماء کے مشورہ سے اپنے آپ کو ایک ضابطۂ قانون مرتب کرنے کی حد میں رکھتے۔ مگر بجائے اس کے انہوں نے خدا، قرآن اور رسول پر اس انداز سے علمی قلابازیوں کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے کہ گویا موجودہ دور میں یہ سب کچھ محض ایک تکلّف ہے۔ وہ اپنے آقائے ولی نعمت کی اشیرباد میں مست ہو کر یہ بھول گئے کہ اس ملک کا مسلمان عقل کے ایسے بزرجمہروں اور یورپ کے میخانوں کے تلچھٹ خوردہ مغبچوں کی ایسی ہرزہ سرائیوں کے سُننے تک کا روادار نہیں۔ نتیجہ وہی نکلا جس کی اُمید تھی۔

وہ راسپوٹین ——— "خود تو ڈوبیں گے صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔"

کے مصداق اپنے ساتھ اپنے زار کو بھی لے ڈوبا —

ایک حقیر انسان کی خداوند قضا و قدر سے ٹکر! یا للعجب ؟

اب وقت کا شدید تقاضا ہے اور یہ تقاضا پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ بڑھ گیا ہے کہ جلد سے جلد پاکستان میں بسنے والے تمام مکتبۂ فکر کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے فقہی اختلافات شروع ہونے سے پہلے کے دور کی روشنی میں ایک ضابطہ قانون مرتب کیا جائے۔

میں حکیم مومن خاں کے اس کلام پہ جلد اوّل کو ختم کرتا ہوں :—

ہے بسکہ محبت رسول مختار ——— مذہب کو میں سوچتا ہوں ہر بار
آتا ہے قیاس میں حق اہلحدیث ——— ہر چند قیاس سے نہیں سروکار !

اہلِ حدیث کا فرمانبر ہوں
تقلید کے مکروں کا سرِ دفتر ہوں
مقبول روایت نہ ائمہ نہ قیاس
یعنے کہ فقط مطیع پیغمبر ہوں

ایک دردمندانہ التجا

گذشتہ صفحات میں قارئین کی نظروں سے جو منظر گذرے ہیں یہ کوئی باہر کی دنیا کے واقعات پر مبنی نہیں بلکہ ہمارے ہاں انہیں عین اسلام سمجھا جاتا ہے۔ حیرانی اس بات کی ہے کہ سیدنا امام ابو حنیفہؒ کے ایسے کلام کی طرف انہی کے نام لیواؤں نے اس قسم کے ارشادات منسوب کر رکھے ہیں۔ جن کا مفہوم واضح طور پر اس قسم کا ہے یعنی فرمایا ابو حنیفہؒ نے کہ:

"میری جو بات کتاب و سنت کے خلاف ہے یا میری جس بات کے متعلق کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ میں نے یہ کلام کہاں سے اخذ کیا ہے۔ اسے چھوڑ دو، ترک کر دو۔ بلکہ اسے دیوار پر دے مارو"

مگر ہمارے "بزعم خویش ابرار و اخیار جو آج حنفی کہلانے سے گریز کر کے اہل سنت بنتے جا رہے ہیں مگر عملاً مفروضہ فقہ حنفی کا دامن چھوڑنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آج فقہ حنفی کی آڑ میں جو مجموعہ اسفار لہوالحدیث ہمارے ہاں مروّج اور شائع ہے۔ اس میں ایک حرف بھی سیدنا ابو حنیفہؒ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور نہ آج تک کوئی ثابت کرنے کی جرأت کر سکا ہے۔ اس مقام پہ بے اختیار سبائیت کی اس ڈاکہ زنی اور رفض کی اس نقب زنی کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفسقون، ظالمون، کافرون کہتے ہوئے ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوہ کہتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں!
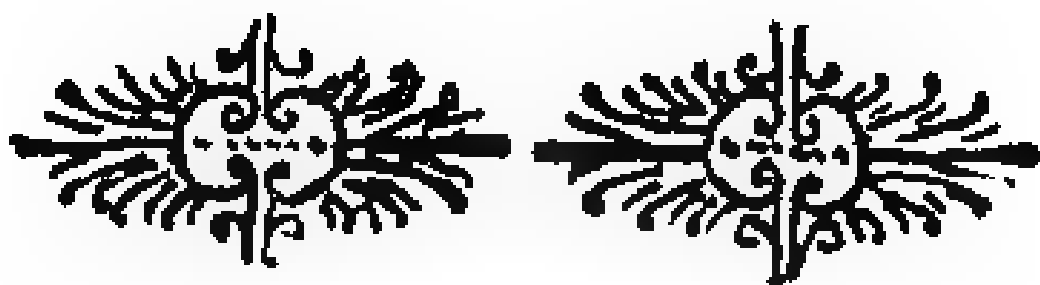
قدرِ مشترک[1]

شہید فی سبیل اللہ شاہ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ تنویر العینین میں تقلیدِ شخصی کو شیعہ رفض ٹھہراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

قد غلا الناس فی التقلید و تعصبوا فی التزام تقلید شخص معین حتیٰ منعوا الاجتہاد و منعوا تقلید غیر امامہ فی بعض المسائل و ھذا ھی الداء العضال التی اھلکت الشیعہ فھؤلاء ایضاً شرفوا علی الھلاک الان الشیعۃ قد بلغوا اقصاھا فجوزوا رد النصوص بقول من یزعمون تقلیدہ وھؤلاء اخذوا فیھا وادلوا الروایات المشھورۃ

ترجمہ :- بے شک زیادتی کی ہے لوگوں نے تقلید کے باب میں اور ہٹ دھرمی کرتے ہیں ایک مجتہد معین کی تقلید کے التزام میں یہاں تک کہ وہ قائل ہو گئے ہیں اجتہاد کے ممتنع ہونے کے اور منع کرتے ہیں اپنے امام کے سوا تقلید سے بعض مسئلوں میں اور یہ وہ سخت مرض ہے کہ اس میں فرقہ شیعہ ہلاکت

---

[1] یہ باب حقیقت مذہب شیعہ کے پہلے ایڈیشن کا چھٹا باب تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں ضخامت بڑھ جانے نیز نفسِ مضمون کے تطابق و تماثل کی وجہ سے اسے اب حقیقت مذہب شیعہ کے بجائے اختلاف اُمت کا المیہ میں بہ ترمیم و اضافہ شامل کیا جا رہا ہے۔ اور میں تحدیث نعمت کے طور پر بڑے فخر و انبساط سے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ "قدرِ مشترک" کے اس باب سے بعد اسی موضوع پر ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کی تالیف توحید خالص اگرچہ اس کا شانِ نزول ایک دیوبندی عالم کی حواس باختگیوں کا ردِ عمل سہی اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی تالیف کتاب تصوّف طبع ہوئی۔

؎ الحمد للہ کہ آج سے تو دس سال پہلے اس ہیچمدان نے جو خاکہ پیش کیا تھا اس میں اب رنگ ابھرنے والے کھل کر سامنے آ گئے ہیں ؎

کو پہنچے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ قریب درجہ ہلاکت سے پہنچ گئے ہیں۔
ہاں اتنی بات ہے کہ شیعہ نے مبالغہ کر کے نصوص کو رد کیا ہے۔ اپنے
مقتدا کے قول کے مقابلہ میں، یہ لوگ مشہور روایتوں کو اپنے امام
کے قول کی طرف پھیر پھار کر لاتے ہیں۔

(بحوالہ معیار الحق مصنفہ شیخ الکل مولانا نذیر حسین محدث دہلویؒ
ص ۱۳۲ مکتبہ نذیریہ)

شیعوں اور مقلدوں کا خاص کر بریلوی حنفیوں کا الوہیت کے بارہ میں
تقریباً ایک ہی نظریہ اور عقیدہ ہے۔ جس طرح شیعوں کے مختلف فرقوں نے الوہیت
کو علیؓ اور دوازدہ ائمہ اسماعیل زیدؒ جعفر وغیرہ میں تقسیم کر کے خدا کو بے کار محض بنانے
کا تصور قائم کیا۔ اسی طرح حنفیوں کے اس غالی فرقہ نے اسی خالق کی ہزار ہا مجبور
و معذور بے بس مخلوق کو اسی کی الوہیت میں حصہ دار بنا دیا۔ ان کے نزدیک پہاڑی
زبان کے عشقیہ ناول سیف الملوک کے مصنف سے لیکر مفروضہ قصیدہ غوثیہ کے مصنف
شیخ جیلانی تک تمام کے تمام ان کے الٰہ اور معبود ہیں۔ شیعوں نے قضا و قدر کی ملکیت کے
حقوق صرف بنی فاطمہ تک محدود رکھے اور اگر کسی غیر فاطمی کو یہ منصب سونپنا مطلوب ہوا تو اسے
کھینچ تان کر فاطمی بنا لیا۔ مگر بریلویوں نے اس معاملہ میں زیادہ وسیع قلبی، فراخ حوصلگی
اور فیاضی سے کام لے کر ہر بھنگی، شرابی اور دیوانے کو قطب زمانہ بنا دیا۔ ہر اس شخص کو
ولی اللہ اور غوث زمانہ سمجھ کر جس نے جہلاء کے سامنے چند الٹی سیدھی ہانکنے کی مشق بہم
پہنچا لی اور پھر یہ سلسلہ کسی گھوڑے شاہ، بوٹی شاہ، کوا شاہ یا بھیڑیا شاہ پر ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ ان کی
اولاد کو بھی قیامت تک ولیوں میں شمار کر لیا گیا۔ وہ زنا کرتے پھریں، شراب پیتے پھریں بیمار کنگ۔
چور بازاری، اغوا اور بردہ فروشی کے مرتکب ہوتے رہیں مگر اعلیٰ حضرت ...... قدس اللہ سرہ کی
اولاد ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ ولی کی اولاد سات پشتوں تک ولی رہتی ہے۔ ان عقل کے اندھوں اور بصیرت سے کورے
جاہلوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ آدم علیہ السلام کی نبوت قابیل کو اور نوح علیہ السلام کی رسالت اپنی
عورت اور بیٹے کنعان کو نہ بچا سکی۔ لوط علیہ السلام کی رسالت اپنی عورت کے کام نہ آ سکی ابراہیم

کی دعائیں باپ کو اور نبی علیہ السلام کی آرزو میں ابو طالب کو نہ بچا سکیں۔ مگر کوئی گھوڑے شاہ
الوہیت کی وہ طاقت لے کر آیا۔ کہ اس نے نہ صرف اپنی اولاد کو بلکہ مریدوں کی اولاد تک بخشش کے
پروانے جاری کر دیئے۔ حضرت شیخ جیلانی کے مریدوں کا پختہ یقین ہے کہ ہر قادری حضرت
پیران پیر کی وجہ سے بخشا جائے گا۔ اس عقیدہ کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی یہ دونوں گروہ
میدان شرک میں پہلو بہ پہلو سوار نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ بڑھ ہانکنے میں بڑے مشاق ہیں۔

قبروں پر سجدہ ریزیاں ان پر غلاف اور جھنڈے چڑھانا، قبروں کے طواف قبروں
کو پختہ کر کے ان پر ہزار ہا روپے خرچ کر کے عمارات بنانا ان کی ایسے ہی تعظیم کرنا جیسی خانہ کعبہ
کی تعظیم کی جاتی ہے۔ ان سے حاجتیں طلب کرنا، ان سے اولاد، رزق، مال چاہنا۔ شر اعداء
سے بچنے کے لئے ان پر چڑھاوے چڑھانا۔ اور ان کے نام کی چوٹیاں رکھنا ان کے نام پر
صائبہ اور بحیرہ کی طرح جانور وقف کرنا۔ انہیں ہزار ہا میل سے پکارنا۔ انہیں عالم الغیب
سمجھنا غرضیکہ ایسے تمام مشرکانہ اعمال میں بریلوی اور شیعہ ہم عقیدہ ہیں۔ شیعوں کے شعائر
میں تعزیہ بازی اور ماتم کو ایک خاص مقام حاصل ہے اس میں بھی بریلوی حضرات ان
کے ساتھ اسی طرح شامل ہوتے دیکھے جاتے ہیں۔ جس طرح یہ ان کے اپنے شعائر ہوں۔
درجنوں امام باڑوں کے منتظم میں نے اپنی آنکھوں سے بریلوی بلکہ دیوبندی دیکھے ہیں[۱]
شیعوں کی سینکڑوں مجالس میں، میں نے اپنی آنکھوں سے بریلویوں کو مرثیے پڑھتے دیکھا
ہے۔ ہزاروں بریلویوں کو میں نے تعزیوں سے مرادیں طلب کرتے دیکھا ہے۔ سینکڑوں
بریلوی خطیب یزید پر لعنت کے ڈونگرے برساتے دیکھے گئے ہیں۔ بلکہ اکثر بریلوی حضرات
کو ممبروں پر اس طرح گرجتے برستے دیکھا ہے گویا میدانِ محشر قائم ہے۔ حضرت حسینؓ اور
امیر یزیدؒ کا مقدمہ پیش ہے اور ان صاحب کو اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کا حق مل چکا ہے
یہ ابھی یزید کو فی النار والسقر کر دیں گے۔ یہ دین سے بے بہرہ اور بے خبر لوگ اپنی جہالت
اور کور باطنی کی وجہ سے آج تمام عالم اسلام کو سوائے اپنے کافر سمجھنے والے خود دین
سے اتنے بے بہرہ ہیں کہ انہیں آج تک یہ موٹی سی بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ جس
شخص کی بخشش کا ارشاد نبی علیہ السلام نے فرما دیا ہو۔ جس کی سالاری میں سیدنا ابوایوب

---

[۱] مولانا حسین احمد مدنی کہتے ہیں میرے نانا نے ایک امام باڑہ بنوایا تھا اور وہ تمام عمر اس کے منتظم رہے شاید یہی بات بھی امر
دیوبندیوں کو شیعیت کے قریب لے جانے کا موجب ہو۔

میں تو حافظ قرآن معدوم ہیں ۔حنفیوں میں گو حافظ قرآن موجود ہیں مگر جب قرآن کی کسی آیت کے نزول یا معانی کے متعلق پوچھیں تو جواب ندارد۔ مگر فقہ کے متعلق پوچھیں تو بقید صفحہ و سطر جواب حاضر ہے۔ پھر ایسے لوگوں سے تقویٰ، زہد، پرہیزگاری، رقتِ قلب، خشوع و خضوع کی امید رکھنا محال ہے جس طرح کوئی شیعہ باوجود حق ظاہر ہو جانے کے اپنی شیعیت پر مصر رہتا ہے اسی طرح حنفی حضرات بھی باوجود اس بات کے کہ قرآن و حدیث سے ان کی فقہ کے مقابلہ میں واضح صورت میں پیش کی جائے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر کبھی حق قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے جس طرح شیعوں کا ہر مجتہد ہر مسئلہ میں اپنے اجتہاد سے فتویٰ دینے کا مجاز ہے۔ اسی طرح ہر حنفی فقیہ مفتی ہے۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ ایک عورت کی طلاق کے معاملہ میں تین تین چار چار فقہاء سے فتوے حاصل کئے گئے اور ہر مفتی نے دوسرے کے فتوے کے خلاف فتویٰ دیا۔ اسے ان لوگوں کی دینی بے بصیرتی قرار دیا جائے یا جلب زر کی کرامات یا کتاب و سنت سے بیگانگی کا نتیجہ سمجھا جائے۔ بلکہ میں نے یا رہا یہاں تک دیکھا کہ ایک فقیہ نے ایک عورت کی طلاق کا فتویٰ جاری کرنے کے مہینہ بھر بعد وہی عورت اس کے لئے حلال کر دی۔ چلہ کشی، غیر شرعی اوراد و وظائف اور مستانہ نعروں میں شیعہ اور حنفی ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔

دنیائے احناف کے بعض جواہر پارے فقیری کے لباس میں ریشم پہنتے، سونے کی انگوٹھیاں استعمال کرتے، داڑھیاں منڈاتے، چوٹیاں رکھتے، سنکھ پھونکتے، بھنگ پیتے، چرس کے دم لگاتے اور یا علی یا علی کے نعرے لگاتے گلیوں میں مست سانڈوں کی طرح دندناتے پھرتے ہیں۔ اور وہ سب کے سب مرغزار شیعیت کے پروردہ ہیں۔

شیعوں کی طرح ان لوگوں نے معجزات اور اعمال کے بارے میں ہزاروں وضعی حدیثیں تراش کر عوام میں اس طرح پھیلا دی ہیں کہ وہ اب عین اسلام نظر آتی ہیں۔ شیعوں کی مجالس عزا کی طرح یہ لوگ بھی محراب و منبر سے گا گا کر لوگوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہیں۔ بڑے بڑے بریلوی اور دیوبندی علامہ ہیں [1] جو سُر تال اور لے سے قرآن

---

[1] مولوی محمد عمر اچھروی اور مولوی غلام اللہ خاں راولپنڈی والے کہ جن لوگوں نے وعظ کہتے سُنا ہے اور دیکھا ہے وہ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ دورانِ وعظ کس طرح ہاتھ نچا نچا کر سُر اور تال سے قرآن پڑھتے ہیں۔

پڑھتے دیکھے ہیں۔ یہی احناف اپنے اکثر مواعظ میں مرثیے پڑھتے اور حضرت حسین کی شہادت کے واقعات اس طرح بیان کرتے ہیں گویا یہ خود وہاں موجود تھے۔ شیعوں کے من گھڑت مزعومات کی طرح ان حنفی واعظوں نے بھی شطحیات کے کئی دفتر تیار کر رکھے ہیں۔ اور اپنے وعظوں میں ان شطحیات کے ثبوت میں شاعروں کے اشعار اس طرح سُر اور لَے سے پڑھتے ہیں کہ سبحان اللہ! سبحان اللہ! کے مستانہ نعروں سے مجلسیں گونج اٹھتی ہیں۔ پیری کے دھندے، چلہ کشیوں کے چکر، مشرکانہ نعروں کی گونج، محفل آرائیوں کے طریقے دونوں میں ایک جیسے ہیں۔

وعظ کی مجالس میں غلط روایات، بے سروپا باتیں، اولیاء کرام اور ائمہ عظام کی ذاتوں سے منسوب کرامتیں اور ہو حق کے نعروں سے کوئی آدمی یہ تمیز نہیں کر سکتا کہ یہ بریلوی حنفی ہیں یا کہ شیعہ ہیں۔

میلاد کی محافل عرسوں کے ہنگاموں اور محرم کی مجالس میں عورتوں مردوں کا اختلاط واعظین اور ذاکرین کی ہیئت کذائیہ گویا ایک ہی ڈرامہ کے کردار ہیں۔ نماز کے منکر اور صوم سے بیزار ان مجالس و محافل کی جان ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان مجالس و محافل کے کرتا دھرتا پیچھڑوں کے پورے زور سے یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں کہ :

نبی کو مختار کل سمجھو۔ اہل بیت کے ہاتھ میں کارکنان قضا و قدر کی طاقت سمجھو۔ اولیاء کرام کو جنت و جہنم اور موت و حیات کا مالک جانو۔ نماز پڑھو یا نہ پڑھو ــــ دل میں ایمان چاہیئے۔ بس تمام گناہ معاف سمجھو۔

آج ریڈیو پاکستان سے "علی کا پہلا نمبر" کی قسم کے گانے علی الاعلان نشر ہوتے ہیں کیا اس قسم کے گانے بالواسطہ تبرا اور سب صحابہؓ کے ضمن میں نہیں آتے کیا ان کی تشہیر میں بریلویوں کا ہاتھ نہیں۔ پاکستان میں امتیازی نشانات کے تعین کے موقع پر سکندر مرزا کے صلاح کار کون لوگ تھے۔ جنہوں نے سب سے بڑے اعزاز کا

نامِ "نشانِ حیدر" تجویز کیا۔ ذرا خدا لگتی کہیے کہ اسلامی فتوحات میں سب سے پہلا نمبر کس کا ہے؟ سیاست، مدنیت، اصولِ جہاں بانی و جہانگیری اور عدل و مساوات میں سب سے بڑھ کر کون ہستی تھی۔ آج اس کی شہادت کے دن بابا فیروز کی عیدوں میں شامل ہونے والوں میں کیا بریلویوں کا تعاون شیعوں کو حاصل نہیں؟ کیا بریلویوں نے کبھی ان محرکات کے پس منظر میں جھانکنے کی زحمت گوارا کی ہے؟ اور کیا ان کے یہ افعال و کردار شرک و بدعت بلکہ کفر کی حدود تک نہیں پہنچتے؟

آج بریلویوں کی تمام مساجد میں نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، نعرۂ رسالت، یارسول اللہ اور نعرۂ حیدری یا علی کی گونج سنائی دیتی ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ نعرۂ رسالت یارسول اللہ اور نعرۂ حیدری یا علی کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ نعرۂ صدیق یا نعرۂ فاروق یا نعرۂ ذوالنورین —— کیوں نہیں؟ احناف نے یہ حق صرف علی کو کیوں تفویض کیا ہے؟ اور اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقدس ناموں کے نعرے کیوں نہیں لگائے جاتے۔

احناف میں سلسلۂ تصوف کے چار طریقے ہیں۔ قادری، سہروردی، چشتی اور نقشبندی ان سلاسل اربعہ میں سے اوّل الذکر ہر سہ طریقوں کا سلسلۂ طریقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچایا گیا ہے۔ صرف ایک نقشبندی طریقہ کا سلسلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے[1]۔

کیا فاروق اعظم جیسا بلند مرتبہ انسان جس کے متعلق نبی علیہ السلام کے واضح ارشاد موجود ہے کہ لو کان نبی بعدی لکان عمر یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا اور عثمان ذوالنورینؓ جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عثمانؓ سے مجھے بھی شرم آتی ہے اور تمام ملائکہ بھی اس سے شرم کرتے ہیں —— کیا یہ دونوں عظیم الشان ہستیاں ان بریلویوں کی نظروں میں ان کے اس تصوف سے کورے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعیت محسوس اور غیر محسوس شعوری و غیر شعوری طریقوں سے ان میں اس طرح حلول کر چکی ہے کہ یہ لوگ اسلام سے بہت دور اور شیعیت کے

[1] کارہ دورِ حاضرہ کے ایک بزعمِ خویش شیخ الحدیث جن کا سلسلۂ طریقت یا کیا کچھ مولانا حسین احمد مدنی تک پہنچتا ہے اور جنہیں خدام القرآن کی چند کانفرنسوں میں شمولیت کی وجہ سے کچھ شہرت بھی مل چکی ہے مجھ سے کافی عرصہ پہلے "انا مدینۃ العلم

بہت قریب ہو چکے ہیں۔ آج شیعیت اور بریلویت کا چولی دامن کا ساتھ ہے بریلویت کی اصل روح پیری مریدی کی شکل میں شیعیت ہے بریلوی حنفیوں کی بے خبری ملاحظہ ہو کہ انہوں نے جن لوگوں کو ولایت کے مرتبے تفویض کر رکھے ہیں ان میں سے اکثریت باطنی شیعوں کی ہے۔

ایک گھر کے بھیدی یعنی حسن[1] نظامی کی زبان سے سنیے:

ہندوستان میں اسماعیلی خوجوں کی تعداد بے شمار ہے جن کو پیر نورالدین (ست گورنور) حضرت پیر شمس۔ پیر صدرالدین۔ پیر حسن کبیر نے ہدایت کی تھی اس کے علاوہ ایک گپتی فرقہ ہے جن کو فی الحال ہدایت کی جاتی ہے اور عرب پٹھان مغل وغیرہ کی تعداد بے انتہا ہے۔ جن کو نیچے درج کیے ہوئے داعیوں نے ہدایت کی تھی۔

۱۔ داعی ناصر خسرو ۲۔ داعی ابن صباح ۳۔ داعی محی الدین عربی ۴۔ سید سہراب ۵۔ داعی ابو نظم ۶۔ عبدالمیمون ۷۔ شیخ فریدالدین عطار ۸۔ حکیم بوعلی سینا وغیرہ (فاطمی دعوت الاسلام ص۱۹۵)

[1] ان کے متعلق غالباً مولانا ظفر علی خان مرحوم کا اس قسم کا ایک شعر ہے ع

سید بھی ہیں فقیر بھی ہیں اور ملنگ بھی
اور خواجہ جانتے ہیں صحافت کا ڈھنگ بھی

حسن نظامی بریلویوں کے بہت بڑے پیر ہوئے ہیں ان کی مشہور تصنیف فاطمی دعوتِ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حنفیت کے ساتھ اسی قدر تعلق تھا جس قدر پیری کا ڈھونگ چلانے کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ آپ حنفیت اور شیعیت کا معجون مرکب تھے اور آپ نے پوری طرح باطنیوں کی تکنیک سے کام لے کر کوچہ گردی سے ترقی کرتے کرتے بہت بڑے پیر کا روپ دھارا اور لاکھوں میں کھیلتے ہوئے راہی ملکِ عدم ہوئے نورِ ایمان میں لکھا ہے کہ حسن نظامی سے ایک بار کسی نے پوچھا معاویہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے تو اس نے جواب دیا وہ تو یزید کا بھی باپ تھا اس فقرہ سے جو بغض باطن ٹپکتا ہے اُسے اہلِ نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (نورِ ایمان مصنفہ خان بہادر خیرات احمد ص۳۲۱)

سید علی ہمدانی - خواجہ محمد گاوانی - سید گیسو دراز کی نسبت اختلاف ہے کہ وہ شیعہ تھے یا سُنی - (ملخص رودِ کوثر از محمد اکرم ص۳۲۲)

اسی گیسو دراز کی اولاد سے کوئی حضرت اللہ اس بات کا مدعی ہوا کہ میں مریم کا بیٹا ہوں - حضرت مریم آسمان پر اٹھالی گئیں - تو ان کا نکاح حضرت گیسو دراز سے ہوا - اور میں پیدا ہوا - اس پر کسی عبداللطیف نے کہا پھر تمہیں عیسائیوں کے ملک یورپ میں چلے جانا چاہیئے - تو اس نے جواب دیا کہ وہاں میرا سوتیلا بھائی عیسیٰ پہلے ہی موجود ہے - نامعلوم وہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کریں -

دار الملک نامی کوئی فوجی گجرات کا ٹھیاواڑ میں مرگیا - آج دکن میں اس کی تین سے زیادہ قبریں ہیں - اور ہر جگہ معتقدین کا ہجوم ہوتا ہے (ملخص رودِ کوثر ص۱۵۱)

جس تصوف کی بنیاد باطنیوں نے رکھی ہو - جو باطنی ان بریلویوں کے عظیم المرتبت غوثِ وقت اور قطب زمانہ ہوں - ان بریلویوں کا شیعیت کی پیروی کرنا مستبعد نہیں - یہ ناصر خسرو - یہ شمس سبزواری - یہ احمد کبیر رفاعی - یہ محی الدین عربی - یہ فرید الدین عطار یہ بوعلی سینا جو آج حنفیت کے نہایت بلند مرتبت اولیائے کرام میں شمار ہوتے ہیں - بقول حسن نظامی سبھی باطنی تھے -

میں کہتا ہوں اسی طرح کے وہ تمام پیر جو تصوف کا جامہ پہن کر آمادِ ملت ہیں - وقتاً فوقتاً نقب زن ہوتے رہے سب کے سب باطنی اور شیعہ تھے - ورنہ قرآن وسنت کی سیدھی اور صاف شاہراہِ اعظم کو چھوڑ کر تصوف کی ان اندھی گلیوں میں سر ٹپکنے اور غیر شرعی اوراد و وظائف میں مست رہ کر عمریں ضائع کرنے کا کیا مطلب ؟

فاروق اعظمؓ نے گو مجوسیت اور یہودیت و عیسائیت کا وجود ختم کیا تھا - مگر ان ادیانِ باطلہ کی روح اپنے مقصد میں آخر کامیاب ہو کر رہی -

دُور نہ جایئے - قاضی نور اللہ شوستری جسے شیعہ شہیدِ ثالث کہتے ہیں اس کی مجالس المؤمنین پڑھ لیجیئے - وہ بادشاہوں میں ہارون اور مامون کو حکماء میں بوعلی سینا نصیر الدین طوسی جلال الدین دوانی (مصنف اخلاق جلالی) کو شعراء میں

سعدیؒ حافظ، رومی، انوری، متنبی کو صلحا میں بایزید بسطامی، ابراہیم ادہمؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کو شیعہ کہتا ہے -

ہارون اور مامون کے متعلق دوسرے شیعہ مصنفین کی شہادتیں بیان ہو چکی ہیں - بوعلی سینا کی شیعیت میں بھی شک نہیں اور نصیر الدین طوسی ہلاکو کو بغداد پر چڑھا کر لے گیا تھا - جلال الدین دوانی کے حالات بھی محل نظر ہیں -

سعدی کے رفض پر اس کے یہ شعر کافی ہیں :

الٰہی بحق بنی فاطمہ   کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول   من و دست و دامانِ آلِ رسول

حافظ کا مذہب دیوان حافظ سے ظاہر ہے - رومی کا تصوف مثنوی کے پانچویں دفتر میں گویا کوزے میں دریا بند ہے - اور بقول حسن نظامی دہلوی فرید الدین چونکہ شیعہ ہے اور رومی فرید الدین کے متعلق لکھتا ہے کہ میں نے جس ممتدر کا ایک قطرہ پیا ہے فرید الدین اس کے خم لنڈھا گیا ہے - اس لیئے رومی کے متعلق بھی قاضی نور اللہ نے غلط نہیں لکھا - انوری اور متنبی علی الاعلان شیعہ تھے - بایزید - ابراہیم ادہم اور شہاب الدین سہروردی کو اگر شیعوں کا ایک مجتہد شیعہ کہتا ہے اور ہم بھی ان لوگوں کی کوئی خوبی نہیں پاتے تو ہمیں انکار کرنے کا کیا حق حاصل ہے -

جس طرح احمد فاروق سرہندی کو آزاد ہندی شیخ پیر لایا اسی طرح رومی کو گمنامی کے گڑھے سے اقبال نے نکالا - مگر یہ صرف شاعری ہی شاعری ہے اور اس میں بھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے جہاں بھی کفر و اسلام نیکی بدی اچھائی برائی کا ذکر کیا ہے وہاں مثال میں حسین اور یزید کا تقابل پیش کیا ہے - اگر اقبال اتنی بڑی حقیقت سے ناآشنا رہ سکتے ہیں تو رومی کے متعلق ان کے حسنِ ظن بعید از قیاس نہیں - آخر عمر میں اقبال نے مسلک اہل حدیث قبول کر لیا تھا - جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے -

شیعوں کی فاطمی علوی اسماعیلی، جعفری، نزاری مستعلی وغیرہ اصطلاحات کے

ساتھ ساتھ اہل سنت نے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی[1] کی اصطلاحات جاری کیں جو آگے چل کر باقاعدہ الگ الگ مذہب کی شکلوں میں ظاہر ہو گئیں۔ اور جس طرح شیعوں نے اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق خلفائے وقت کے خلاف سازشیں، بغاوتیں اور خروج کئے۔ اسی طرح اہل سنت کے فرقوں نے بھی جہاں ذرا زور پکڑا کسی قسم کی سرکشی سے احتراز نہ کیا اندلس میں مالکیوں کے فتنے ایک عرصے تک مخلوق خدا کے لئے عذاب بنے رہے۔ ان کے ساتھ ساتھ جن لوگوں نے دین اور دنیا کو الگ سمجھا یا شیعہ داعیوں کے ظاہرانہ تقدس سے متاثر ہوئے یا اپنی دنائیت طبع سے مجبور ہوئے یا بے کار بیٹھ کر عیش کرنے کے طریقوں پر عمل کرنے کا منصوبہ بنایا انہوں نے قادری، نقشبندی، چشتی اور سہروردی کی اصطلاحات میں پناہ ڈھونڈی۔ اس سے قطعاً انکار کی گنجائش نہیں کہ وہ اپنے اپنے وقتوں کے باعمل عالم اور صاحب مقام بزرگ گذرے ہیں۔ مگر آج جو جو کرامتیں اور مافوق الفطرت باتیں ان کے مریدوں نے ان کی ذاتوں کی طرف منسوب کر رکھی ہیں۔ ان کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے نہ ان کے کسی قول سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنی مشہور تصنیف غنیۃ الطالبین میں بڑے عالمانہ انداز میں شیعوں کا تعاقب کیا ہے۔ مگر آج ان کے مریدوں میں تمام وہ طریقے رائج ہیں جو شیعوں میں موجود تھے یا ہیں۔

سید عبدالقادر جیلانی رح کی کرامات بیان کرنے والوں نے آپ کی ذات کی طرف ایسی ایسی مافوق الفطرت کرامتیں منسوب کر رکھی ہیں جنہیں پڑھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں حضرت شیخ کی شخصیت ایک باعمل عالم کی صورت میں نظر آتی ہے۔ آپ

---

[1] امام احمد بن حنبل نے اصل میں کسی مذہب کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ انہوں نے حنفی، مالکی اور شافعی مذہب کے قیاسی اور مفروضہ اجتہادات کے خلاف قرآن و سنت کے احیاء کا کام کیا۔ مگر آگے چل کر ان کے ساتھیوں اور متبعین کے لئے حنبلی کی اصطلاح وضع ہو گئی جس نے امتداد زمانہ کے ساتھ ایک مذہب کی شکل اختیار کر لی مگر انہوں نے باوجود حنبلی کے اصطلاح قبول کرنے کے دین میں کسی بدعت کو سر نکالنے کا موقع نہ دیا۔

کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مافوق الفطرت کیفیات کے حامل اور صاحب کرامت انسان تھے۔

سینہ بہ سینہ روایات کے خود ساختہ قادری لوگوں کی زبان سے آپ کے حالات سننے کے بعد معلوم ہوتا ہے وہ آپ تمام کائنات کے مخلوق کل تھے۔

یہ تمام چیستانی کیفیت شیعیت کے تخیلات کی پیداوار ہے جو اہل سنت کے گمراہ صوفیوں نے آپ کی طرف منسوب کر کے دین کو بازیچۂ اطفال بنا کر رکھ دیا۔

پاک و ہند میں حضرت شیخ کی طرف یعنی سلسلہ قادریہ کی طرف منسوب بزرگوں کی طرف بھی اسی قسم کے نظریات کو منسوب کیا گیا۔

سندھ کے پیر جھاڑو جو قادری سلسلہ کے ایک بڑے پیر ہیں ان کے ہاں سینکڑوں سال حج کے مراسم ادا ہوتے رہے۔ پیر صاحب کو ذاتِ الٰہی کا مظہر اور اوتار سمجھا جاتا رہا۔ پیر صاحب سے مصافحہ کرنے والے کو قتل کرنے سے بھی گریز نہ کیا گیا۔ ان کے مرید پیر صاحب کو نور کا پتلا سمجھتے رہے۔ صرف پیر کے گھر کے دروازے کا دیدار شفاعت کے لئے کافی سمجھا جاتا رہا۔ مگر اب یہ تمام خرافات کم ہو گئی ہیں۔

سندھ کے ایک اور قادری پیر جھنڈہ میں سجادہ نشین تھے مگر ان میں پیر محبوب شاہ صاحب نے خلافت کی تحریک کے دور میں بھرپور حصہ لیا۔ اور دو سال کے لئے قید ہو گئے۔ آگے چل کر ان لوگوں نے سنتِ رسول کو اپنا کر تمام لغویات کو ترک کر دیا۔ آجکل پیر بدیع الزمان صاحب ایک سرگرم اہل حدیث ہیں۔

قادری سلسلہ کے دیوہ میں ایک پیر وارث علی شاہ ہوئے ہیں جنہوں نے مونچھیں اور سر کے بال بڑھا کر زرد چادر اوڑھنے کی بدعت جاری کی وہ ننگے پاؤں رہتے تھے ان کے مریدوں کی ایک جماعت وارثی فقیروں کے نام سے موسوم ترک دنیا کا سبق دیتی آج بھی نظر آتی ہے۔ یہ لوگ "کمائے گی دنیا اور کھائیں گے ہم" کے مصداق پوری قوم کو رہبانیت کا درس دیتے پھر رہے ہیں۔

قادری سلسلہ کی سب سے بڑی عبادت حضرت شیخ کو حاضر ناظر سمجھنا اور ان سے استمداد

طلب کرنا ہے ــــ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" ان کا وظیفہ ہے۔ اس فقرہ کا مطلب ہے یا شیخ عبدالقادر جیلانی مجھے اللہ کے لئے کچھ دیجئے۔"

اس پر سوائے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کے لئے کیا کہا جاسکتا ہے یعنی دینے والا شیخ عبدالقادر اور ان سے اللہ کے نام پر مانگا جا رہا ہے۔

چشتی سلسلہ:۔

دوسرا اہم سلسلہ پیران چشت کا ہے چشت ایران میں کوئی مقام ہے یہ لوگ اس مقام کی طرف منسوب ہیں۔ اس سلسلہ میں ایسے بزرگوں کے نام بھی ملتے ہیں جو حقیقت میں اہل اللہ اور باعمل عالم تھے۔ حضرت معین الدین اجمیریؒ۔ حضرت نظام الدینؒ دہلوی۔ حضرت قطب الدین بختیارؒ کاکی خواجہ فریدالدینؒ کے اسمائے گرامی اور ان کی خدمات اسلام سے کون انکار کرسکتا ہے مگر شیعیت کے غیر محسوس اثرات اس طرح اس سلسلہ کے لوگوں میں نقب زن ہوئے کہ آج شرک و بدعت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ان میں موجود نہ ہو۔ الا ماشاء اللہ۔ اسی سلسلہ کے ایک پیر خواجہ محمد سلیمان تونسوی ہوئے ہیں۔ انہوں نے مشہور مجاہد سید جعفر علی سے جو سلوک کیا تھا اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ ان لوگوں نے جن مشرکانہ اور مبتدعانہ باتوں کو اپنایا ہے۔ وہ تمام کی تمام دنیائے شیعیت کی پیداوار ہیں۔ ان کی موسیقی شیعوں کی مرثیہ خوانی کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور موسیقی کا جواز انہوں نے شیعوں کی مرثیہ خوانی سے اخذ کیا ہے۔

دوسری اہم چیز جھنڈا ہے۔ مجھے اپنی سیاحت کے زمانہ میں ایک بار دہلی سے اجمیر تک ان کے ایک قافلہ کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ راستے میں دیکھا کہ درجنوں گروہ اپنے جھنڈے کو لیکر قافلہ میں شامل ہو رہے ہیں۔ ان جھنڈوں کو خواجہ کی چھڑی کہتے ہیں جھنڈے کا رنگ سبز ہوتا ہے اور یہ سبز جھنڈا شیعوں کا مخصوص شعار ہے ان جھنڈوں کے آگے دف نواز اور ڈھول پیٹنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے میراثی گاتے جاتے ہیں ان کے پیچھے بعض قافلوں میں بھنگڑا ڈالنے والے دیکھے گئے ہیں یہ گویا دین محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ہو رہی ہے اکثر لوگ ننگے پاؤں شریک قافلہ دیکھے گئے۔

ان لوگوں میں قبر کا طواف کرنا ایک دینی فریضہ کے طور پر اہم مقام رکھتا ہے۔ اسے خانہ کعبہ کی نقل سمجھا جائے یا بت پرستی کی نقل۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست۔ اجمیر پہنچکر قبر پر صندل اور پھول چڑھائے جاتے ہیں اور جھالرا در انا ساگر کے پانی کو آب زمزم کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے

ــــ قبر کو غسل دیا جاتا ہے۔ خواجہ کی بدھی کے نام سے ایک سبز دھاگا ہندوؤں کے جنیئو کی طرح اپنے گلے میں باندھا جاتا ہے۔ صندلی رنگ کے دوپٹے سر پر باندھے جاتے ہیں۔

اسی طرح حضرت خواجہ فریدالدین کے مزار پر بہشتی دروازہ ہے جو سال میں ایک بار کھلتا ہے۔ اور عوام کو یہ ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ جو شخص اس دروازہ سے ایک بار گزر جائے اس پر آتش دوزخ حرام ہو جاتی ہے۔ ضلع میرپور آزاد کشمیر کے ایک گاؤں سموال میں بھی اسی قسم کا ایک دروازہ ہے۔

ان مشرکانہ اعمال اور مبتدعانہ افعال کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملانا یا ایک فرقہ کے ان مبتدعانہ افعال کو دوسرے فرقہ کے مشرکانہ اعمال سے تطبیق دینا اس وقت ناممکنات سے ہے۔ قادریوں، نقشبندیوں، چشتیوں وغیرہ میں ان مبتدعانہ افعال کی شکلیں گو مختلف سہی مگر قدر مشترک ایک ہی ہے اور وہ ہے شیعہ داعیوں کی دعوت کے دور رس اثرات کے نتائج۔

ریاست کشمیر کے جنوبی پہاڑ آدھی کی تلہٹی میں دریائے جہلم اور چناب کے درمیان ایک مارشل قوم کی اکثریت ہے۔ یہ لوگ مغلیہ دور میں وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہے ان میں کچھ لوگ ابھی تک اپنے آبائی مذہب پر ہیں جو مقبوضہ کشمیر میں رہ گئے ہیں، ان لوگوں کی چند صدیوں تک اس علاقہ میں حکومت بھی رہی ہے یہ لوگ شدید قسم کے سادہ ذہنوں کے اسلام دوست ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ آج تک ان لوگوں کو کسی صحیح العقیدہ مسلمان عالم کے فیض صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع نہیں ملا۔ جن مسلمانوں عالموں یا پیروں سے ان

کا واسطہ پڑا معلوم ہوتا ہے وہ سب کے سب اسی احبار و رہبان کی درس گاہ کے تربیت یافتہ
تھے یا شیعہ داعیوں کی دعوت سے متاثر تھے۔ جنہوں نے سلسلہ اربعہ کی اصطلاحیں
وضع کی تھیں۔ اسی لئے یہ مارشل قوم ایک طرف اپنے آباؤ اجداد سے متاثر نسلی عصبیت کا
شکار ہے اور دوسری طرف اپنے ایک مورث اعلیٰ کے مزار پر غیر اسلامی شعائر کی مرتکب۔
ان لوگوں کے گھر جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے تو یہ لوگ اس کے سر پر ایک چوٹی باوا شادی
شہید کے نام کی رکھتے ہیں۔ اور جب تک مزار پر پہنچکر کوئی جانور ذبح نہ کریں چوٹی نہیں
منڈواتے۔ ان لوگوں کی یہ مشرکانہ رسم پورے طور پر شیعی یا باطنی لغیر اللہ کے ذبیحہ کی
صورت ہے۔ اسماعیلیوں کے داعی، علی محمد باب کے پیرو، بہاء اللہ کے مرید اور اہل سنت
میں سے بریلوی صوفی باطنی تکنیک میں ایک ہی ٹکسال کے سکے ہیں۔ در اصل تصوف کا پیراہن
ابتدائی طور پر اسماعیلیوں نے ہی تیار کیا۔ اسماعیلی چونکہ ظاہری طور پر اہل سنت کے عقائد
کے مطابق ہی تمام جگہوں میں لوگوں کے ایمان میں نقب زنی کے داؤ آزماتے تھے اور جب
ان کا ظاہری تقدس پرہیزگاری عبادت گذاری جہلاء کے دلوں میں جاگزین ہو جاتی اس وقت
اس شخص کو اپنی دعوت میں شریک کرتے تھے۔ تو اُسے اپنے گروہ میں شامل کرتے۔ ورنہ
اسے ظاہر و باطن کی اصطلاحات کے چکر میں ایسا پھنساتے کہ وہ بھی آخر خاص وضع کا
لباس استعمال کرتے وہی پر قانع ہو جاتے۔ بہت سے ایسے لوگ جو مذہبی خیالات کی
وجہ سے قتل کر دیئے گئے۔ مگر بعد کے زمانے میں ولی قرار دیئے گئے۔ حقیقت میں وہ لوگ
مختلف ملحدانہ عقیدوں کے مبلغ تھے۔ مثلاً حسین بن منصور الحلاج پکا سازشی اور خوفناک
ذہنیت رکھنے والا تھا۔ کئی بعض مورخ اُسے قرامطہ میں شمار کرتے تھے۔ (ابن الندیم صفحہ ۲۱۹)
مگر آج اسے بہت بڑا ولی مانا جاتا ہے۔

اسی طرح حکمت الاشراق کا مصنف شیخ شہاب الدین مقتول ۵۶۸ھ بقول جامی
زندیق، کافر اور فلاسفر کا معتقد تھا (نفحات صفحہ ۴۸۳) فضل اللہ حروفی کو تیمور نے قتل
کرایا۔ اس کے مرید نسیمی کی حلب میں کھال کھینچی گئی۔ غرضیکہ اسماعیلیوں نے ہزاروں مسلمانوں
کے ذہنوں کو اس ڈگر پر لا کھڑا کیا کہ انہوں نے تصوف کو دین کا اعلیٰ مقام سمجھ کر جو منہ

آیا بکنا شروع کر دیا۔ آج ہزاروں ملحد بے دین۔ افیمی، چرسی شرابی اور بدکار تصوف کے
لباس میں ملبوس ہو کر عوام کو لوٹتے پھر رہے ہیں۔ اور جو ان کے خلاف ذرا سی بھی لب کشائی
کرے وہ "وہابی" کی گالی سے سرفراز ہو۔
مشہور شیعہ عالم متفنن اور ادیب ہوش بلگرامی بمبئی کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہاں
مسلمانوں میں خوجے ہیں۔ بوہرے ہیں اور آغا خانی ہیں اور سب تاجر پیشہ ہیں۔ یہاں کے
بھولے بھالے انسان آغا خان کو روحانی پیشوا مانتے ہیں اور سنی بغدادی صاحب کے
درازیٔ قد سے بیعت کرتے ہیں۔ اور ان کے تقدس کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ یہ مقام
ایسے مذہبی پیشواؤں کی چراگاہ ہے جن کی لمبی عباؤں کو مسلمان غلافِ کعبہ سے کم نہیں
سمجھتے اور جن کے شراب کے گھونٹوں کو شربت جانتے ہیں ؎

خدا کے نور سے پیدا ہوئے پانچوں تن
محمد است علیؓ و فاطمہؓ حسینؓ و حسنؓ

کے طغرے کس حنفی کے گھر کی زینت نہیں۔ یہ کھلم کھلا شیعیت پیری کے راستے ہی
ان کے گھر میں گھسی ہے اور یہ پیری تمام تر باطنی شیعیت کی اختراع ہے۔

مختلف سلسلے شیعیت کی پیداوار ہیں

علامہ اقبال نے اپنے انگریزی لیکچروں میں ایک جگہ کہا ہے کہ فقہ اسلامی آخری
ایام میں اسلام کے بہترین دماغوں سے تہی نہ رہی۔ کسی دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے۔
کہ بابر سے پہلے ہندوستان میں حنفیت کا بول بالا تھا۔ بابر اپنے ساتھ قانونی طور
پر تورہ چنگیزی لایا۔ ہمایوں شیعہ تھا مگر سنیوں کے خوف سے تقیہ کیے رہا۔ اکبر کھلم کھلا
زندیق اور مرتد تھا۔ ان حالات میں جبکہ کسی مملکت کا حکمران مذہبی امور میں غیر متعلق
ہو تو رعایا جو چاہے کرے۔ ان حالات میں شیعہ سنی عقاید کے ملغوبہ میں ہندوانہ رسم
و رواج کا شامل ہو جانا ایک لابدی امر تھا۔ تاریخ کی ورق گردانی سے ہمیں کسی اسلامی ملک
میں قادری، نقشبندی، چشتی یا سہروردی طریقوں کی اس قدر مقبولیت، شہرت اور ایک

تنظیمی ڈگر پر ان کے عروج کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ آج بھی دنیا کے کسی اسلامی ملک میں چلے جائیے آپ کو یہ قادری، نقشبندی، چشتی سہروردی وغیرہ کی اصطلاحیں اوّل تو ملیں گی ہی نہیں اگر ملیں گی بھی تو بہت ہی کم۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں سُنّی شیعہ کے ملغوبہ میں ہندوانہ نظریات نے مل کر عجیب عجیب گلکاریاں کیں اور تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں اور کسی دور میں اس قدر مذہبی فرقے، گروہ۔ جماعتیں پیدا نہیں ہوئے۔ جس قدر مغلیہ دور میں پیدا ہوئے۔ اور پھر انہوں نے اپنے اندر اس قدر قوت پیدا کی کہ جوں جوں وقت گذر تا رہا ان فرقوں سے متعلق لوگ ان کے متعلق اس قدر علمی ذخیرے پیدا کرتے رہے کہ آج قرآن وحدیث کی بجائے ان لوگوں کے تیار کردہ ہفوات، ملفوظات کے ناموں سے ہزاروں اشخاص کے لئے حرزِ جان ہیں۔

ابن عربی کی تصانیف نے یہاں ہی فروغ پایا۔ اکبر کے سامنے ایسے ہی ذہنی مفلسوں نے قرآن وحدیث کی ایسی تاویلیں کیں کہ اکبر حیران رہ گیا۔ اور وہ اسلام سے متنفر ہوتے ہوتے خود خلیفۃ اللہ فی الارض بن گیا معلوم نہیں خلیفۃ اللہ فی الارض کی اختراع اس کی اپنی ذہنی اُپج تھی یا انہی حنفیوں قادریوں، اور نقشبندیوں نے اسے یہ راستہ دکھایا تھا مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود جاہل مطلق تھا ان لوگوں نے اُسے یہ راستہ دکھایا تھا۔

سلسلہ قادریہ:

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ متوفی ۵۶۱ ھ کی ذاتِ گرامی سے دنیا بھر کا کوئی مسلمان ناواقف نہیں۔ آپ نسباً فاطمی اور عقیدۃً حنبلی تھے۔ امام احمد بن حنبل چوتھے فقہی امام ہیں۔ مگر آپ قیاس رائے اور اجماع کے منکر تھے۔ آپ کی فقہ کا منبع صرف قرآن وحدیث ہے۔ فقہ حنبلی ہر قسم کی بدعات سے پاک ہے اور حضرت عبدالقادر جیلانی اسی فقہ حنبلی کے مقلد تھے۔ ان کی مشہور تالیف غنیۃ الطالبین ایک ٹھیٹھ فقہی کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ٹھیٹھ خشک زاہد اور نہایت متقی عالم

قلم برداشتہ دینی حقائق قلم بند کیے جا رہا ہے۔ تمام کتاب اول سے آخر تک پڑھ جائیے آپ کو کہیں اور کسی جگہ اس قسم کے خرافات سے کوئی چیز نہیں ملے گی۔ جو آجکل کے قادری سلسلہ کے پیروؤں میں موجود ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے نزدیک ندائے لغیراللہ شرک ہے۔ مگر آج کل ان کے نام کی تسبیحیں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ مغلیہ دور کے شیعوں کے یا علی اور یا حسین کا چربہ ہے۔ ندائے لغیراللہ کی ابتدا ان لوگوں سے ہوئی اور ان سے سنیوں کے قادریوں اور نقشبندیوں نے سیکھی۔ مغلیہ عہد میں سلسلہ قادریہ کے بڑے بڑے بزرگوں کے نام تاریخ کی صفحات پر ملتے ہیں۔

تاریخی طور پر سب سے پہلے سید عبدالقادر جیلانی رحمہ حنبلی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف غنیۃ الطالبین میں شیعوں کا ذکر کیا ہے۔ غنیۃ الطالبین حنبلی مذہب کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ مگر اس کتاب میں بھی یاران طریقت نے "تصوف کے باب" کے عنوان سے ایسی پیوندکاری کی ہے جس کا جواب نہیں۔ ایک معمولی سی دینی سوجھ بوجھ رکھنے والا اور معمولی سی علمی مہارت رکھنے والا آدمی بیک نظر اس بات کا اندازہ لگا لیتا ہے کہ اصل غنیۃ الطالبین کا مصنف کوئی پرہیزگار متبع سنّت زاہد اور عالم شخص ہے۔ اور اس تصوف کے باب کا مصنف کوئی کودن طبع حواس باختہ ذہنی آوارگی کا مریض اور کم علم آدمی ہے۔ فقروں کی بندش الفاظ کی نشست اور مفہوم کی ادائیگی میں بیّن فرق کے علاوہ نفس مضمون میں ہزاروں فرسنگ کا فرق ہے۔ کہاں کتاب وسنت کی شمیم آمیز معطّر اور نکہت بار خوشبوؤں کی مہک اور کہاں پراگندہ ذہنی کے سنڈاس سے اُٹھنے والے بدبو کے بھبکے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پیر جیلانی نے جس قدر شیعوں کے تعارف پر ایک طویل باب لکھ کر آنے والی نسلوں پر ایک احسان عظیم کیا۔ اسی قدر شیعوں کے چند ذہین تر افراد نے تقیہ کی آڑ میں پیر جیلانی کی مریدی کا بھروپ بھر کر آپ کی اس تصنیف میں تصوف کا باب بڑھا کر آپ کی تعلیم کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور اس میں جس حد تک کامیاب رہے۔ اس کا زندہ ثبوت یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ شیئاً للہ! کا مشرکانہ ورد موجود ہے۔ شیعوں کے نولا کی جیتی جاگتی تصویر دل

سے کئی بہروپ پیر جیلانی سے منسوب ہیں۔ آپ کی ایک مفروضہ دعا ہے:

"الٰہی! تیرے حبیب اور بہترین خلائق محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر میں التجا کرتا ہوں کہ تو میرے مریدوں اور مریدوں کے مریدوں کی روح قبض نہ کرنا جب تک وہ توبہ نہ کر لیں۔"

راوی کہتا ہے کہ اس وقت آپ کے جسم سے سبز رنگ کا نور نکل رہا تھا۔ غیب سے ندا آئی۔ المبشر فانی قد استجیب لک۔ خوش ہو کہ ہم نے تیری دعا قبول کر لی۔

اب شراب پیو۔ زنا کرو۔ چوری کرو۔ جوا کھیلو۔ بندوں کے حق غصب کرو۔ ماں باپ کی نافرمانی کرو۔ نماز نہ پڑھو۔ روزے نہ رکھو۔ زکوٰۃ ادا نہ کرو۔ بس کسی قادری پیر کے مرید بن جاؤ۔ ساری زندگی عیش اڑاؤ۔ مرنے سے پہلے یقیناً توبہ قبول ہو جائے گی۔ خواہ خود توبہ کرنا چاہو یا نہ نجات کا دروازہ کھلا ملیگا۔

یہ طبقہ جہلا جو اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کے قوانین سے بے خبر ہے اسے قرآن سے واسطہ نہ فرمودات نبی علیہ السلام سے غرض۔ انہیں انسانی الوہیت کے کابوس نے دین سے اس قدر بے گانہ اور بے بہرہ کر رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طبقہ کی نظروں میں ایک ثانوی سا وجود ہو کر رہ گیا ہے۔ اسے اتنی بھی خبر نہیں کہ آدم ثانی حضرت نوح اپنے بیٹے کے لئے آدم ثالث حضرت خلیل اللہ اپنے باپ کے لئے اور فخر ولد آدم اپنے والدین اور چچا کے لئے بھی اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاموش کر دیئے گئے۔ نبی علیہ السلام کو قرآنی زبان میں مختلف الفاظ میں خبردار کر دیا جاتا ہے کہ "آپ جس شخص کے ایمان لانے کے آرزو مند ہیں۔ اللہ کو وہ پسند نہیں" "آپ جس سے محبت کرنا چاہتے ہیں یا کرتے ہیں۔ اللہ نے اس کی ہدایت اپنے پاس رکھی ہے"۔ "آپ خواہ مخواہ اپنی جان ان کی بدکرداریوں پر گھلا رہے ہیں۔ یہ ایمان لانے کے نہیں" وہاں پیر جیلانی کی رضامندی اللہ تعالیٰ کو اس قدر مطلوب ہے کہ آپ کے مریدوں کے مرید بھی بے ایمان نہیں مریں گے۔ نامعلوم

اس پیری مریدی کے باطنی علم سے پیغمبران علیہم السلام بے خبر تھے۔ ورنہ ان کے امتی اس نعمت سے کیسے محروم رہ سکتے تھے۔ ان کے لئے تو جزا و سزا کا قانون موجود مگر پیر جیلانی کے مریدوں کو کھلی چھٹی۔

آج شیعوں کے نزدیک سید[1] عبد القادر جیلانی کو سید کہنا بھی جرم ہے مگر شیعوں پر پیر جیلانی کے مریدوں کے بڑے احسان ہیں۔ تمام مشرکانہ اعمال میں قادری اصحاب ان کے ہمنوا ہیں۔ پیر جیلانی کی کرامات کی ایک طویل فہرست ان کے مریدوں نے تیار کر رکھی ہے۔ جو شیعوں کی دوازدہ ائمہ کی کرامتوں سے ملتی جلتی ہے:

۱۔ غیب سے کھانا ملنا۔

۲۔ مُردوں کو زندہ کرنا۔

۳۔ خضرؑ سے ہم کلام ہونا۔

۴۔ کمزور آدمی کی شکل میں دین کا نظر آنا۔ اور اسے مضبوط کرنا اور غیب سے محی الدین خطاب پانا۔

۵۔ چوروں کو لمحہ بھر میں قطب بنا دینا۔

۶۔ واجب القتل افراد کو اللہ سے جھگڑ کر غوث بنا دینا۔

۷۔ فرشتوں کا صف بستہ حاضر رہنا۔

۸۔ ایک وقت میں ستر جگہ موجود رہنا۔ اور ہر جگہ ضیافت اڑانا۔

۹۔ ہوا میں پرواز کرنا۔

۱۰۔ خضرؑ کا آپ کی مجلس وعظ میں شامل ہونا۔

---

[1] ہمارے ہاں بنو فاطمہ کے لئے لفظ "سید" غلط العام مشہور کے مصداق مخصوص ہو کر رہ گیا ہے اور شاہ ہر فاطمی کے نام کا جزو اعظم ہے حالانکہ انیسویں صدی کے آخر تک برصغیر میں سید اور شاہ سے عوام ناآشنا تھے۔ سادات کے ناموں کے ساتھ شاہ کی بجائے اکثر خان استعمال ہوتا تھا اور سید آجکل عرب ممالک میں جناب کے معنوں میں تخاطب کے وقت استعمال ہوتا ہے۔

۱۱- نبی علیہ السلام کا آپ کے وعظ میں آنا - اور آپ کا ان کو دیکھنا

۱۲- لوگوں کو ان کی حسبِ مرضی کھانا کھلانا -

۱۳- عصا سے چراغ کا کام لینا

۱۴- دریا کی طغیانی روک دینا -

۱۵- اشرفیوں کو نچوڑ کر ان سے خون نکالنا -

۱۶- غیب سے بے موسم پھل بہم پہنچانا -

۱۷- بارہ سالہ غرق شدہ برات کو دوبارہ زندہ کر کے معہ ناؤ کے کنارے پہنچا دینا -

۱۸- شیخ جیلانی کے ایک ایک وعظ میں ستر ستر ہزار یہودی مجوسی اور عیسائی مسلمان ہوتے تھے - اور روزانہ سینکڑوں آدمی آپ کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہوتے تھے - ایسی روایات کے خالقوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ حضرت شیخ عباسیوں کے تیئسویں خلیفہ المستنجد باللہ متوفی ۵۶۶ھ کے زمانے میں گذرے ہیں -

آخر غیر مسلموں کی یہ کھیپ ہر روز حضرت شیخ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کے لیے کہاں سے درآمد کی جاتی تھی اور کون درآمد کرتا تھا - ہمیں تو تاریخ میں چند گنتی کے یہودی اور عیسائی ماہروں کے علاوہ اس چار صد سالہ عباسی دورِ شہنشاہیت میں کوئی غیر مسلم نظر نہیں آتا - جو چند مجوسی اسلامی لبادہ میں موجود تھے وہ برامکہ کے ساتھ

ل مفتی احمد یار خان گجراتی نے یہ انکشاف کیا ہے کہ شاہدولہ دریائی جن کا مزار گجرات میں ہے - وہی بزرگ ہیں جن کی شادی پر برات غراق ہو گئی تھی اور بارہ سال کے بعد حضرت شیخ کی دعا سے زندہ ہو کر دریا سے نکل آئی تھی - مفتی صاحب بے چارے اس بات سے بھی بے خبر تھے کہ شاہدولہ اور حضرت شیخ کے زمانہ میں پانصد یوں کا بُعد ہے - اور پھر لطف یہ کہ شاہدولہ ایک نیم مجذوب قسم کے فقیر تھے جنہوں نے تمام زندگی شادی ہی نہیں کی - مفتی صاحب کی اس تحقیق پر ریاض مفتی نے زمیندارہ کالج گجرات کے رسالہ شاہین کے جوبلی نمبر ۱۹۶۷ء کے صفحہ ۱۸۳ پر [illegible] بڑا دلچسپ تعاقب کیا ہے -

ختم کر دیے گئے یہود کا تمام وجود ختم ہو چکا تھا - اگر کوئی ہوا بھی ہو گا تو زیر زمین ہو گا - جھوٹ بولنے کی بھی حد ہوتی ہے -

سلسلہ نقشبندیہ اور خواجہ احمد فاروق سرہندی

ہندوستان میں اس سلسلہ کے سب سے بڑے بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ ہوئے ہیں جن کے مرید خواجہ احمد فاروق سرہندی تھے جنہوں نے اپنے لئے مجدد الف ثانی کا خطاب خود تجویز کیا - یا ان کے "مریداں مے پرانند" کی طرف سے ان کے لئے تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا -

مجدد الف ثانی سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد ہزار سال بعد ان کا ظہور ہوا جنہوں نے مردہ دین میں از سرِ نو زندگی پیدا کی - اسی قسم کا عقیدہ یا تخیلاتی نظریہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے متعلق بھی وضع کیا گیا تھا کہ آپ نے خواب میں ایک نہایت مریل سے آدمی کو دیکھا - تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں محمدؐ کا دین ہوں اور اب قریب المرگ ہوں - تو مجھے زندہ کرے گا اور تیرا نام محی الدین ہو گا - تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضرت عبدالقادرؒ کے زمانہ میں دین اسلام کی حالت نصف النہار کی طرح تھی - پھر اس میں کمزوری کہاں سے آئی - اور شیخ احمد سرہندی کے متعلق شیعوں کے تصورِ امامت کی روشنی میں "مجدد الف ثانی" کی اصطلاح تراشی گئی -

اب یہ بھی خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ آپ نے کس حد تک اکبری الحاد کا خاتمہ کیا - یا آپ نے کس حد تک عہد جہانگیری کی بدعات مٹائیں یا جہانگیر کی ذاتی زندگی پر کس حد تک اثر انداز ہوئے - یا علماء کی کونسی جماعت تیار کی جس نے ردِ بدعات و شرک کے لئے کفن بردوش ہو کر کوئی معرکہ سر کیا - ہاں ہمیں آپ کے مکتوبات سے یہ ضرور نظر آتا ہے کہ آپ نے کتاب و سنت کے علی الرغم فقہ حنفی کے فرسودہ نظریات کو پھیلانے کی کوشش کی اور شیعوں کے تصورِ امامت سے متاثر ہو کر اپنے لئے ایک

مقام پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ایک خط ملاحظہ ہو :

اس مقام کے ملاحظہ کے وقت اور بعث سے مقام ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے۔ نیاز دعا جزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اس مقام سے اوپر کے مقام پر پہنچا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت ذوالنورین رضؓ کا مقام ہے۔ اور دوسرے خلفا کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل وارشاد کا مقام ہے۔ اور ایسے ہی اس مقام سے اوپر کے دو مقام بھی جن کا اب ذکر ہوتا ہے تکمیل وارشاد کے مقام ہیں۔ اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا۔ جب اس مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروق اعظم رضؓ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی وہاں عبور واقع ہوا ہے اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ بندہ اس مقام پر بھی پہنچا۔ اور اپنے مشائخ میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کو ہر مقام پر اپنے ہمراہ پاتا تھا۔ اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام پر گذر ہوا ہے۔ سوائے عبور اور مقام اور مرور اور اثبات کے کچھ فرق نہیں ہے اور اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر نہ آیا تھا اور نہ ظاہر ہوا۔ اور وہ مقام اس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا۔ اور اس طرح کہ سطح زمین سے ذرا بلند بناتے ہیں معلوم ہوا کہ وہ محبوبیت کا مقام ہے الخ

(مرزا غلام احمد قادیانی نے شاید یہی مکتوب پڑھ کر نبوت کے خواب دیکھنے شروع کئے ہوں۔ مؤلف)

اس خط پر جہانگیر کی گواہی ملاحظہ ہو۔ چہاردہم جلوس کے ضمن میں لکھتا ہے کہ :

" ان ایام میں میرے پاس اطلاعات پہنچیں ہیں کہ شیخ احمد نام کے ایک (شیاد) مکار نے سرہند میں مکر و فریب کا جال پھیلایا ہے اور بہت سے ظاہر پرست بے معنی لوگ اس کا شکار بن گئے ہیں۔ اور اس نے ہر شہر اور ہر ملک میں اپنی دکانداری مردم فریبی اور معرفت فروشی کے لئے اپنے مریدوں میں سے ایک ایک کو جو دوسروں کی نسبت پختہ تر ہیں۔ ان کو خلیفہ کا نام دے کر بھیجا ہے۔ آگے جہانگیر مندرجہ بالا تمام خط نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

استغفراللہ کہ اس شخص نے خلفاء کے مقام سے گذر کر ان سے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس نے چند اور گستاخیاں بھی کی ہیں کہ ان کا تحریر کرنا موجب طوالت اور بے ادبی ہے۔ اس لئے میں نے حکم دیا ہے کہ اُسے دربار شاہی میں حاضر کریں۔

حسب الحکم اُسے دربار میں حاضر کیا گیا۔ میں نے جو کچھ اس سے پوچھا اس نے معقول جواب نہ دیا۔ وہ کم عقل مغرور اور خود پسند دیکھنے میں آیا ہے۔ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اس کی شوریدگی مزاج اور آشفتگیٔ دانش کی تسکین کے لئے چند روز تک نظر بند کر دوں "

——— حضرت خواجہ احمد فاروقی سرہندی کی گرفتاری کی اصل وجہ یہ تھی کہ جہانگیر نے آپ کے اس خط کی بنا پر آپ کو نظر بند کیا تھا۔ مگر یاران طریقت یہ لے اُڑے کہ آپ نے مروجہ رسومات شاہی کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا تھا۔

جہانگیر پندرھویں سال جلوس کے ضمن میں لکھتا ہے کہ :

" اُن دنوں میں شیخ احمد سرہندی کو کہ جس نے دکان آرائی خود فروشی، بے صرفہ گوئی کی وجہ سے چند روز زندان میں گذارے تھے دربار میں طلب کر کے آزاد کیا اور خلعت اور ہزار روپیہ عنایت کر کے آزاد کر دیا "

اب دیکھیے خواجہ صاحب خود اس بارے میں میر محمد نعمان کو کیا لکھتے ہیں:-

”پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مجھے عنایت نے حق تعالیٰ کے جلال و غضب کی صورت میں تجلّی نہ فرمائی اور قید خانے کے قفس میں قید نہ ہوا۔ تب تک ایمان شہودی کے تنگ کوچے سے کلی طور پہ نہ نکلا اور ظلال و خیال و مثال کے کوچوں میں سرگرداں رہا۔ ایمان بالغیب کی شاہراہ میں مطلق العنان ہو کر نہ دوڑا۔ اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پہ نہ ملا اور ذوق کامل اور وجدانِ بالغ کے ساتھ دوسروں کے عیب اور ان کے عیب کو ہنر نہ معلوم کیا۔..... اور کلی طور پر اپنے ارادہ و اختیار کو ترک نہ کیا ..... تضرّع و التجا، انابت، استغفار اور ذلّت و انکسار کی حقیقت حاصل نہ ہوئی۔“

(صدیق اکبرؓ سے بلند مقام پر پہنچنے کا دعویٰ پہلے کر لیا اور ایمان بالغیب کی حقیقت جیل میں جا کر معلوم ہوئی۔ مؤلف)

حضرت خواجہ صاحب کو مجدد الف ثانی کہا جاتا ہے آپ کو اکبری دور کے الحاد اور بدعات کا قاطع کہا جاتا ہے۔ مگر معمولی بصیرت رکھنے والے تاریخ دان بھی جانتے ہیں کہ یہ سراسر اسی قسم کا بہتان حضرت خواجہ کی ذات کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے۔ جیسے شیعہ لوگ من گھڑت حدیثیں حضرت جعفر (الصادق) کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ، شیخ عبدالحق محدّث، شیخ نور الحق اور مظہر جانجاناں حضرت خواجہ کے قریب العہد یا ہم عصر ہوئے ہیں۔ ان حضرات نے حضرت خواجہ کی زندگی کے اکثر واقعات لکھے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے تو ان کے رسالہ ردّ روافض کا بھی ذکر کیا ہے۔ بلکہ ان کی زندگی کے کارنامے تقریباً تقریباً سب بیان کیے ہیں۔ مگر یہ آپ نے کہیں نہیں لکھا کہ حضرت خواجہ اکبری الحاد کے قاطع تھے۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ان کے

صاحبزادوں اور مریدوں نے بھی ان کے حالات لکھے ہیں۔ مثلاً زبدۃ المقامات وغیرہ مگر کسی میں حضرت خواجہ کے ردِّ بدعات کا ذکر نہیں۔ اس کے بعد بھی کسی مورخ یا محقق نے حضرت خواجہ کے تجدید دین کے متعلق ایک لفظ نہیں لکھا۔ یہ انکشاف سب سے پہلے ابوالکلام آزاد پر ہوا۔ وہ بے چارے..... درحرم زاہد و در بتخانہ مُرد نامعلوم کس لہر میں آکر لکھ گئے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ شیعہ سُنی عقائد کے اُلجھے ہوئے تصورِ امامت کی پیداوار تھے۔ خود تو ان کی جیسی گزری گزر گئی۔ مگر جہاں اولاد کے لیے تاج بادشاہی چھوڑ گئے وہاں مرزا قادیانی جیسے لوگوں کے لیے نبوت کی راہیں بھی ہموار کر گئے۔ اور المدد یا حضرت شاہ نقشبند کے چکر میں ایک جان کو پھنسا کر "اس کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہو گا" کا اعلان فرما گئے۔ عالمگیر کے زمانہ میں علماء نے فتویٰ دیا تھا کہ مکتوبات کا پڑھنا بند کر دیا جائے۔

(روضۃ القیوم رکن سوم صفحہ ۳، ۴)

اس تصورِ امامت کی روشنی میں حضرت خواجہ نے جہاں اپنے آپ کو مجدد الف ثانی بنایا وہاں "قیومیت" کی ایک اصطلاح وضع کر کے لوگوں کے ذہنوں کو اور پراگندہ کرنے کی کوشش کی۔ لکھتے ہیں:

قیوم اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے ماتحت تمام اسماء و صفاتِ شیونات اعتبارات اور اصول ہوں اور تمام گذشتہ و آئندہ مخلوقات کے عالم موجودات انسان، چرند پرند، نباتات۔ ہر ذی رُوح۔ پتھر، درخت بحر و بر کی ہر شے لوح، قلم، عرش، کرسی سیارے ستارے۔ سورج چاند۔ آسمان، بُرج سب اس کے سائے میں ہوں۔ افلاک و بروج کی حرکت و سکون، سمندروں کی لہروں کی حرکت۔ درختوں کے پتوں کا ہلنا۔ بارش کے قطروں کا گرنا۔ پھلوں کا پکنا۔ پرندوں کا چوں چوں پھیلانا۔ دن رات کا پیدا ہونا۔ گردش کنندہ آسمان کی موافق یا ناموافق رفتار سب اس کے حکم سے ہوتی ہے.....

رشتے زمین کے تمام زاہد، عابد، ابرار، مقرب تسبیح، ذکر، فکر، تقدس اور

نزدیہ میں عبادت گاہوں ۔ جھونپڑیوں ۔ کُٹیوں اور پہاڑوں میں اور دریاؤں کے کنارے پر زبان ۔ قلب روح ۔ سر خطی ، اخفیٰ نفسی سے مشاغل اور معتکف ہیں اور اللہ کی راہ میں مشغول ہیں ۔ سب اسی کی مرضی سے مشغول ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جب تک ان کی عبادت قیوم کے ہاں قبول نہ ہو اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی ۔ اور وہ قیوم صرف چار ہیں ۔ ایک حضرت خواجہ خود ۔ دوسرے ان کے بیٹے خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ تیسرے خواجہ محمد نقشبند اور چوتھے محمد زبیر پیر دستگیر ـــــــــــــــــــــــــ

(ملخص از روضۃ القیوم)

لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۔ یہ وہ صفات ہیں جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعویٰ نہیں کیا ۔ بلکہ ان صفاتِ قیومیت کا نبی سے تعلق ہی نہیں یہ تو صفاتِ الٰہی ہیں ۔ کوئی آیت کوئی حدیث اس نظریے کی قطعی تائید نہیں کرتی ۔ اور نہ عقل اس بات کو قبول کرتی ہے ۔ اور قیومیت کی یہ صفت بھی بعینہٖ شیعیت کا چربہ ہے ۔ جو حضرت خواجہ کے جانشینوں کی ذہنی بالیدگی سے مشتہر ہوئی ہے ۔ یعنی یہ تمام کچھ شیعی ترقی کے مدارج کا چربہ ہے ؎

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
عبادت کریں شوق سے جس کی چاہیں

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اصطلاحیں فناہ فی الوجود فنا فی الشیخ فنا فی الرسول کی بھول بھلیاں گو اس سے پہلے اختراع ہو چکی تھیں مگر حضرت خواجہ احمد فاروق کے زمانہ میں وہ پورے جوبن اور نکھار سے سامنے آئیں جس طرح شیعوں کے تصور امامت نے سینکڑوں امام پیدا کئے ۔ اسی طرح حضرت خواجہ احمد فاروق کے تصور قیومیت نے بعد میں خانہ جنگی پیدا کرا دی ۔ حضرت خواجہ خود قیوم اوّل تھے ۔ انہوں نے اپنے بیٹے محمد معصوم کو دوسرا قیوم قرار دیا تھا ۔ معصوم کے مرنے کے بعد ان کے وارثوں میں ہر ایک قیومیت کا دعویدار بن کر اُٹھ کھڑا ہوا ۔ کہ قیوم میں ہوں اور دنیا میرے وجود کی برکات سے قائم ہے ۔ شیعیّت نے مہدی موعود

کے نام پر سینکڑوں مہدی پیدا کئے اور یہاں قیومیت نے کئی دعویدار کھڑے کر دیئے ۔ خواجہ معصوم کے بیٹے سیف الدین کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جواہرات اور مروارید سے مزیّن دیبا کے خیمے میں قیام کرتے تھے ۔ جس کی چوبوں پر یاقوت جڑے ہوتے اس خیمہ میں ایک جڑاؤ کرسی ہوتی ۔ جس پر آپ جلوہ افروز ہوتے ۔ خیمہ کے ارد گرد نقیب اور چوبدار ہاتھوں میں سنہری اور روپہلی عصا لئے کھڑے ہوتے حاضر ہونے والوں کو جب تک علم نہ ملتا کھڑے رہتے (روضۃ القیومیہ رکن دوم صفحہ ۱۴۲)

صرف قیومیت کی بحث پہ روضہ قیومیہ ایک اچھی بڑی کتاب لکھی گئی جس کا ترجمہ حدیقۂ محمودیہ کے نام سے بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ نے شائع کیا تھا[1] قیومیت کے لئے اصالت شرط ہے ۔ قیوم وہی ہو سکتا ہے جس کے جسم کے خمیر میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کے خمیر کا بقیہ مخلوط ہو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اگر نورانی تھا تو یہ خمیر خاکی کہاں سے آ گیا ۔ اور پھر حضرت خواجہ فاروقی النسب تھے اگر فاطمی ہوتے تب بھی کسی حد تک یہ خمیر کا بقیہ سمجھ میں آنے والی بات ہو سکتی تھی ۔ مؤلف) ایک مقام پہ یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو فرمایا کہ اے خدیجہ تمہارے دو لڑکے ابراہیم اور قاسم فوت ہو گئے ۔ پھر مجدد صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بیٹا دیا ہے ۔ اور حضرت ام المؤمنین نے حضرت مجددؒ کو اپنی گود میں بٹھا لیا ۔ الغرض یہ کتاب اسی قسم کے خرافات کا مجموعہ ہے ۔ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے ۱۰۱۰ھ میں قیومیت کا منصب عطا ہوا ۔

یہاں اس قسم کے واقعات کا استیعاب ناممکن ہے نہ اس کی ضرورت ۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے اس لئے پیش کیا گیا کہ شیعہ تحریک کی کارکردگی کا خاکہ سامنے لایا جائے ۔ مغلوں کی دینی مفلسی یا سیاسی کم عقلی نے شیعوں کو کھلی چھٹی

---

[1] میں نے یہ کتاب مفتی عزیز اللہ صاحب خطیب جامع مسجد دینہ ضلع جہلم کے پاس دیکھی ۔

دے دی تو انہوں نے جہاں موزوں سمجھا سامنے آنے سے بھی گریز نہ کیا۔ مگر ایک عظیم الشان مملکت میں جہاں لاکھوں صاحب اقتدار، صاحب حیثیت اور صاحب مراتب سُنی موجود تھے۔ وہاں سامنے آنے سے گریز کیا۔ اور درپردہ عوام میں جس حد تک غیر اسلامی اعمال مشرکانہ رسومات اور بدعات کو پھیلا سکتے تھے۔ پھیلاتے رہے۔ انہوں نے یہاں سُنیوں کی شاگردانہ لیاقتوں کو ذریعہ بنا کر ان کے لئے رہنما تیار کر کے انہیں دین میں انتشار پیدا کرنے کے لئے آگے بڑھایا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ آج جس ہستی کو ہر شخص مجدد الف ثانی کے نام سے جانتا اور پکارتا ہے اس نے جو کچھ کیا اس کا ہلکا سا خاکہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ یہ صرف شیعی تکنیک اور شیعی طریق کا ہے۔ کہ مرنے والے کے بعد اُسے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا جائے۔ یعنی اگر مرنے والا شیعوں کا اپنا رہنما ہوگا۔ تو اس سے ان کی اپنی پوزیشن مضبوط ہوگی۔ اور اگر مرنے والا سنیوں کا راہنما ہوگا تو اس کے پیرو اس کے بعد اس کی ولایت کی خوبیوں کے مرثیے الاپنے میں اس طرح منہمک ہو جائیں گے کہ نہ انہیں خدا کی ضرورت محسوس ہوگی نہ نبی کی یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ موجود۔ المدد یا حضرت شاہ نقشبند حاضر قیوم ذات جو روزی، زندگی، موت، بارش اور اولاد کا دینے والا ہے ان کا اپنا پھر یہاں خدا اور رسول کا کیا کام۔ نعوذ باللہ من ذالک البغوات والسئیات۔

چشتیہ سلسلہ۔ ہندوستان میں۔

اکبر کے ابتدائی زمانہ میں شیخ عبد العزیز چشتی کو بڑا قبول عام حاصل ہوا۔ ان کے بعد شیخ سلیم چشتی ہوئے ان کے متعلق شیخ عبد الحق لکھتے ہیں کہ آپ کی مجلس امراء و اغنیا کی محفلوں کی مشابہ تھی۔ و بعضے عادات مخالف شریعت کہ متعارف عوام باشد نیز روا دارد۔ اس سلسلہ کے بزرگ گلبرگہ۔ جونپور۔ پنڈوہ۔ پٹن۔ کالپی وغیرہ تک پھیل گئے۔ شمالی ہند میں سلسلہ صابریہ کو فروغ ہوا۔

ان لوگوں نے اہل ہنود کے بھجنوں سے متاثر ہو کر غنا و مزامیر کو جائز قرار دے کر

نو مسلموں کو پھنسانے کے جال تیار کیے۔ اس موضوع پر آج تک ہزارہا صفحات لکھے جا چکے ہیں اور تمام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ "قوالی با زبان" سراسر شریعت کے خلاف ہیں اور پھر آوارہ ذہنوں، ناپختہ دماغوں، عیاش طبیعتوں آزاد طبع لوگوں کے لئے گویا ایک نعمت غیر مترقبہ تیار کر دی گئی۔ نمازیں قضا ہو رہی ہیں۔ مگر ساز بج رہے ہیں۔ گانے ہو رہے ہیں۔ حال کھیلے جا رہے ہیں۔ یا شاہ چشت کے نعرے لگ رہے ہیں۔ اور اسے عین دین اور عبادت کہا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت معین الدین اجمیری۔ نظام الدین دہلوی۔ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جنت میں مقام بلند فرمائیں ہمیں ان کی زندگی میں یہ لغویات نہیں ملتے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و برکت کے نشان تھے۔ مگر ان کے نام پر چلنے والوں کو مغلیہ دور میں شیعوں کی صحبت سے ہر قسم کی آزادیاں مل گئیں۔

موسیقی کی شرعی حیثیت اور اس کی تاریخ

"اور جس وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے اُن کے دل رُک جاتے ہیں جو قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور جب اللہ کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ خوشی مناتے ہیں۔" (القرآن ۲۴/۲)

یہ بات آج تک متحقق نہیں ہو سکی کہ موسیقی کا بانی کون تھا۔ اندازہ ہے کہ انتشار کی صورت میں اس کی ابتداء ہوئی۔ اور امتداد زمانہ وقتاً فوقتاً ایسے لوگوں کو سامنے لاتا رہا جو خوش گلوئی کی خوبیوں سے متصف ہوئے۔ موسیقی اصل میں ایک سریانی لفظ ہے اور اس کا مصدر MUSTIC ہے۔ اہل فن نے کسی راگ کو مخصوص قواعد کے تحت گانے کو موسیقی کہا ہے۔ علمی طور پر اس فن سے بحث کرتے ہوئے امام رازی نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے نفیس ترکیب سے اسے حکیم فیثاغورث نے مدون کیا۔

(از مل التذکرہ انطاکی ص ۲۴)

حسن صوت ایک وہبی عطیہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہ فن ہر قسم کی آلودگیوں

سے پاک تھا۔ کوئی انسان کسی قلبی ٹھیس کے موقع پر یا کسی خوشگوار واقعہ پر فرحت محسوس کرتے ہوئے اپنے جذبات و احساسات کو حسنِ صوت میں استعمال کرکے اطمینان حاصل کر لیتا ہوگا۔ اور جب تک حسنِ صوت کا استعمال جذبات و احساسات تک محدود رہا کسی نبی کی شریعت نے اسے حرام قرار نہیں دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور خوانی یا ہجرت کے وقت مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بچیوں کا طلع البدر علینا حسنِ صوت سے ادا کرنے تک موسیقی فطری انداز میں رہی۔ مگر آگے چل کر موسیقی کے وضع کردہ قوانین کے ساتھ جب آلاتِ طرب کی دھنوں کو ملایا گیا اور حسنِ صوت کے وہبی عطیے کو مسخ کرکے ہوائے نفسانی کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ تو اس شراب دو آتشہ کے خفیہ ضرر کے تحت شریعت نے اسے حرام قرار دیا۔ حقیقت الامر اور بحث برائے بحث میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ موسیقی کے بداثرات اور اس کے نتائج سمجھنے کے لئے اس مثال کو مدِ نظر رکھیے۔ انگور ایک لذیذ اور فرحت بخش ثمر ہے۔ اسے تازہ اور تر صورت میں استعمال کیجئے۔ یا خشک کرکے اس کا استعمال مفید رہے گا۔ لیکن اس کی شکل نشہ آور مشروب کی شکل میں تبدیل کیجئے۔ جو انسان کی عقل و صحت کے لئے مضر اور حواس خمسہ پر اثر انداز ہو کر قوائے حسیہ پر چھا جانے والی چیز بن جاتا ہے۔ تو شریعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح حسنِ صوت فی نفسہ کوئی بری چیز نہ تھی نہ ہے۔ بلکہ اس کی صورتِ فاسدہ جسے موسیقی اور آلاتِ طرب کے ساتھ ڈھال دیا گیا ہے۔ شرعاً بھی اور عقلاً بھی صرف مضر ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔ حسنِ صوت سے بے تکلفانہ لطف اندوزی سے گریز یا فرار نہیں۔

نبی علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے بھی رجز خوانی اور حدی خوانی تھی۔ مگر آپ کی بعثت کے بعد ان دونوں کی جگہ قرآن خوانی نے لے لی۔ میدانِ جنگ میں آیاتِ جہاد کی تلاوت ہو رہی ہے اور سفر میں حدی خوان کی بجائے قاری قرآن پڑھ رہا ہے۔ اور زمانے نے دیکھ لیا کہ ایسے قرآن خوانوں نے کتنے ہی ڈاکو سرخیل الطائفہ فضیل بن عیاض بنا دیئے۔ قرآن کی اس نعمت کے باوجود مزامیر اور سرود سے حق طلبی کسی آتش کدے سے آبِ شیریں طلب کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ محقق ابن جوزی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جنہوں نے دیگر مبتدعانہ امورات کی نشان دہی اور ان کے تعاقب کے ساتھ اس فن پر بھی بحث کرکے امت مرحومہ کو اس ایمان سوز بدعت سے خبردار کیا ہے۔

آپ لکھتے ہیں راگ سننے میں چند باتیں جمع ہوتی ہیں۔

۱۔ راگ سننے والے کا دل عظمت خداوندی میں تدبر کرنے سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔

۲۔ راگ سننے سے لذتِ شہوانیہ بھڑک اٹھتی ہے۔ جس میں سب سے بڑی شہوت عورت سے اتصال ہے۔ جتنی مرتبہ راگ سنتا ہے اتنی مرتبہ اس کے دل میں ایک نئی امنگ ابھرتی ہے۔ کہ کاش کوئی حسین عورت ملے۔ ایسے تقاضے حلال کی صورت میں تو مفقود ہے کہ ہر بار ایک نئی عورت ملتی رہے۔ پھر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس پر زنا کے دروازے کھول دیتا ہے اور وہ لذت شہوانیہ کے تحت اپنی دنیا اور عاقبت دونوں برباد کر لیتا ہے۔

۳۔ راگ عقل پر بھی حملہ کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی راگ سنتا ہے تو اس کی طبیعت میں طرب و نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔ تو باوجود عقل و ہوش کے اس سے ایسی حرکتیں صادر ہونے لگتی ہیں۔ مثلاً سر ہلانا۔ ہاتھ سے تالی بجانا۔ پاؤں کو حرکت دینا یا سامنے پڑی ہوئی چیزوں پر دھن سے ہاتھ مارنا سیکھتے ہو ... اپنے سینے پر ہاتھ رکھنا ٹھنڈے سانس لینا اعضائے مخصوصہ میں ارتعاش ... ہونا۔ کسی کے تصور میں ڈوب جانا۔ اہم یادداشت کا بھول جانا۔

ایسی تمام اچنبھے کی حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عقل میں کچھ تغیر آ گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح شراب عقل کو مغلوب کر لیتی ہے اسی طرح راگ بھی عقل پر پورا اثر رکھتا ہے۔ اس پر یہ قول شاہد ہے الغناء رقیۃ الزنا۔ یعنی راگ زنا کا منتر ہے۔ (تلبیس ابلیس ص ۲۹۱/۳۰۵)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"عورت اور مرد کے جذبات جنسی پر راگ ایسا اثر کرتا ہے کہ جیسے

آگ پر تیل ڈال دیا جائے۔ بہت سی شریف زادیاں راگ کی وجہ سے زانیہ
بن چکی ہیں۔ اور بہت سے غیور خاندان اس کی وجہ سے بے حیا قوموں
کے نام مشہور ہو چکے ہیں (اغاثۃ اللھفان ص۱۳۲)

ابن ولید نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی کہ :

"اے میری قوم راگ سے بچتے رہنا۔ کیونکہ یہ حیا کو کم کرتا ہے یعنی
بے حیا بنا دیتا ہے۔ خواہشات نفسانیہ کو بڑھا دیتا ہے۔ عزت ووقار
کو مٹا دیتا ہے۔ جس طرح شراب اثر کرتی ہے یہ راگ بھی انسان پر
ویسے ہی اثر کرتا ہے۔ (ر ر) صفحہ ۱۳۲

بعض ناقص العقل کہتے ہیں کہ راگ سے الجھی ہوئی طبیعت کو سکون ملتا ہے۔
اور دل کے غم دور ہو جاتے ہیں یہ ایک نفسیاتی جواب ہے نفسیات کے ماہر اس کا
انکار کرتے ہیں۔ ایک غیر مسلم فلاسفر جس کے مذہب میں راگ عبادت کا ایک
جزو اعظم ہے یعنی مسٹر گھوش لکھتے ہیں کہ فن شاعری اور موسیقی کو روحانیت سے
منسوب نہیں کیا جا سکتا یعنی ان فنون سے قلبی طمانیت کا بالکل علاج نہیں کیا
جا سکتا بلکہ ان کا تعلق روحانیت وطمانیت سے اسی قدر ہے جس قدر کہ فلسفہ یا سائنس
کا۔ (فنون لطیفہ اور روحانیت) ص۶۱

ہر دور اور ہر زمانے میں حسن صوت کی نعمت سے کئی وجود نوازے گئے ظاہری
طور پر اس فن کو فیثا غورث نے مرتب کیا۔ اور اس کے پیچھے انسان کے اسی ازلی و
ابدی دشمن کا ہاتھ تھا جو ازل سے لے کر ابد تک قطب فتن اور معلم شر یعنی شیطان کے
نام سے مشہور ہے حسن صوت سے انسان کو متاثر ہوتے دیکھ کر اس نے اس
فن کو بھی اپنے ہاتھ میں لیا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ :

کان ابلیس اوّل من ناح واوّل من تغنّی "یعنی اس دنیا میں سب سے
پہلے بین کئے اور راگ کے ساتھ گانا گایا وہ ابلیس ہے"

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ جب شیطان ملعون ہو کر آسمان سے نیچے اترا یا تو کہنے لگا

اے خدا! تو نے مجھے ملعون تو بنا دیا اب بتا دنیا میں میرا علم کون سا ہوگا؟
اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا علم جادو ہوگا۔ پھر کہنے لگا میری پسندیدہ آواز کون سی ہوگی
ارشاد ہوا گانا بجانا۔ پھر کہنے لگا میرا پسندیدہ مشروب کون سا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا۔ ہر نشہ آور چیز تیرا مشروب ہے (مدخل الشرع ص۱۴۲)

ابو جعفر طبری کہتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے بجنے والے آلات ایجاد کئے۔
اس کا نام توبال تھا۔ یہ بے دین قابیل کی نسل سے تھا۔
جس نے بانسری طبل اور عود ایجاد کئے۔ اس کا نام مہلائیل بن قینان تھا یہ
بھی توبال کا ہم عصر تھا۔ گویا مردود قابیل کی اولاد نے اس فن کو اپنایا۔
(ملخص تلبیس ابلیس ص۱۹۱)

اب پھر سطور گزشتہ پر نگہ گشت ڈالئے۔ حسن صوت کی نعمت کو دھنوں کے سانچے
میں ڈھال کر ایک نشہ آور چیز تیار کی گئی۔ اسے مزامیر کے روغن تیز سے دو آتشہ کیا۔
اب اسے سہ آتشہ کرنے کے لئے ابلیس نے ایک اور تلبیسانہ حربہ پھینکا یعنی ناچ
اور رقص کی طرح ڈالی گئی۔ اس بدعت سیئہ کے موجد بھی قابیلی گروہ کی طرح سامری
گروہ کے لوگ تھے۔ چنانچہ امام ابن الحاج لکھتے ہیں کہ :۔

"جنہوں نے ناچنے اور گھومنے کو ایجاد کیا تھا وہ سامری اور اس
کے یہودی ساتھی تھے۔ سامری نے ان کے لئے ایک بچھڑا تیار کیا۔
جس سے ایک قسم کی آواز آتی تھی۔ تو وہ یہودی اس کے گرد ناچتے
اور جھومتے تھے۔ پس یہ ناچنا اور جھومنا کفار اور ان کے یہودیوں کی
رسم ہے جو بچھڑے کو پوجتے تھے۔ (مدخل الشرح ص۱)

بچھڑے کے گرد ناچنے اور جھومنے کے ساتھ ہی اس دور کے ہندوستان
کی تاریخ بھی دیکھئے کہ اس ملک میں گئو ماتا کے پجاری اپنے بتوں کے سامنے ناچتے
اور گاتے تھے بلکہ آج تک ان کا یہ مذہبی شعار ہے گائے اور بچھڑے کا تعلق
ہنود اور یہود کا ناچ کس قدر مشترک ہیں۔ یہودیوں کے اس ناچ سے متعلق

مرلین ایل-پی-ایچ-ڈی کا حقیقت افروز بیان بھی پڑھ لیجئے :

THE NEXT DAY PEOPLE GATHERED BEFORE THE GOLDEN CALF TO OFFER SACRIFICS AND TO BOW DOWN IN WORSHIP. AFTER WARD THEY TOINED IN SINGING AND DANCING AT A FEST.

(THE BIBLE PAGEANT PAGE 105)

ترجمہ : دوسرے دن تہوار کے موقع پر تمام یہودی اپنے معبود سنہری بچھڑے کی قربانی دینے کے لئے جمع ہو گئے۔ پھر سب نے مل کر اس بچھڑے کے ارد گرد ناچنا اور گانا شروع کر دیا۔

اس ناچنے اور گانے کی رسم سامریوں نے ہنود سے لی یا ہنود نے سامریوں سے بہر حال یہ ایک مشرکانہ حرکت اور اللہ تعالیٰ سے دور لے جانے والا فعل ہے۔ جس کا سلسلہ چشتیہ اور قادریہ فقرا "حال" کے نام سے اپنی مخصوص مجلسوں اور خاص ایام میں بڑے زور شور سے ارتکاب کرتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ جتنی اسلامی سلطنتوں کو زوال آیا ان میں سے اکثر کے زوال کا باعث یہی رقص و سرود ہوا۔ کہ وہ بادشاہ روز و شب ناچ گانوں کی مجلسوں میں مشغول رہتے تھے (مقدمہ ابن خلدون)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں بغداد میں ایک ایسی چیز چھوڑ آیا ہوں۔ جسے زندیقوں نے ایجاد کیا ہے۔

یغشلوا بہ المسلمین عن کتاب اللّٰہ والصلوٰۃ (مدخل الشرع ص ۱۰۱ ج ۳ وجد و سماع ص ۴۳)

امام ابن تیمیہ حنبلی کہتے ہیں کہ امام شافعی کا یہ کہنا کہ یہ چیز زندیقوں نے ایجاد کی ہے۔ بالکل درست ہے اور واقع بھی یہی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جن لوگوں نے

اس فن کو اپنایا اور اس کی طرف دعوت دی وہ سب کے سب زندیق یقین کئے جاتے تھے۔ حسن نظامی دہلوی انہیں فاطمی داعی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابن راوندی۔ فارابی ابن سینا ابو نصر وغیرہ۔ فارابی اس فن کا بہت بڑا ماہر ہے۔ جس کے متعلق ابن حمدان سے متعلق ایک طویل قصہ مختلف کتابوں میں موجود ہے۔

ابن سینا نے اپنی کتاب اشارات میں مقام عارفین بیان کرتے ہوئے وجد و سماع کی ترغیب دی ہے۔ اور ظاہر صورتوں کے عشق پر وہ باتیں لکھی ہیں جو اس کے اسلاف کے حسب حال تھیں۔ یعنی کہ بت پرستی اور مشرکین یعنی ارسطو سقراط فیثا غورث بطلیموس۔ اسکندر اور افرد لیسی کے طریقے (رسالہ وجد و سماع الامام ابن تیمیہ ص ۲)

شاہ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ عربی راگ میں سب سے بڑھ کر گانے والے کا نام طولیس تھا۔ یہ طولیس ایسا منحوس اور نامبارک تھا۔ یہ اس دن پیدا ہوتا ہے۔ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوتا ہے اور اس کا دودھ اس دن چھٹتا ہے جس دن خلیفہ اول کا انتقال ہوتا ہے اور بالغ اس دن ہوتا ہے جس دن حضرت عثمان رضؓ شہید ہوتے ہیں۔ اس کے ہاں لڑکا اس دن پیدا ہوتا ہے جس دن حضرت علی رضؓ شہید ہوتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ ص ۴۹۸)

تجربات اور تاریخی شواہد بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جن خاندانوں میں گانے بجانے کی نحوست داخل ہوئی۔ ان کا انجام بہت برا ہوا۔ گانے والی طوائفوں کا حشر ہی دیکھ لیجئے جب تک خد و خال کی چمک دمک اور گلوکاری قائم رہتی ہے۔ راوی عیش لکھتا ہے اور جب قویٰ مضمحل ہونے شروع ہو جاتے ہیں تو تمام عشاق گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح نفرو ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ :

اہل مکاشفات میں سے اکثر کو یہ کشف ہو چکا ہے کہ گانے بجانے کی مجالس میں شیطان موجود رہتے ہیں۔ شیطان ایسی مجلسوں میں جس رقاص پر چاہیں مسلط ہو جائیں۔ اور اسے شیطانی وجد میں مبتلا کر دیں حتیٰ کہ بعض کے سروں پر ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔

بعض اہل کشف مشائخ نے یہاں تک دیکھ لیا۔ کہ شیطان نے انہیں اٹھا لیا۔ اور انہیں لے کر ناچنے لگا۔ اور پھر زور سے چیخ ماری اور بھاگ نکلا۔

گانے بجانے والوں پر شیطانی تصرفات کا ذکر احادیث میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

۱۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس ایک گانے والی عورت آئی۔ اس نے ایک گانا سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب یہ عورت گا رہی تھی تو شیطان اس کے دونوں نتھنوں میں پھونک مار رہا تھا۔ (رواہ احمد کف الرعاع ص۱۵)

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی راگ کے ساتھ گانا گاتا ہے تو اس پر دو شیطان مسلط ہو جاتے ہیں۔ جو اپنے پاؤں کے ساتھ اس کے سینے پر ناچتے رہتے ہیں (طبرانی طریقہ محمدیہ ص۱۳۹)

پہلی حدیث سے نبی علیہ السلام نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ راگ میں شیطانی تصرف ہے۔ اور دوسری حدیث میں اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ شیطان اپنے باطنی تصرف سے اس کے اندر جذبات شہوانیہ داخل کرتے ہیں۔

طبی اصولات اور قواعد کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہر دو ارشادات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے جسم میں بعض ایسی رگیں ہیں جنہیں مساس کرنے سے شہوانی ارتعاش پیدا ہو کر انسان کو بدمست کر دیتا ہے۔ عورت کے جسم میں بھی بعض ایسے ہیں جنہیں چھونے سے اس کے شہوانی جذبات کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

میں اور میرے ماں باپ قربان ہوں اس نبی کریم کی ذات اقدس پر جس نے زندگی کے ہر گوشہ میں حقیقتوں کو ایسی باریکیوں سے بیان کیا ہے کہ ان حقیقتوں کا ایک معمولی سا گوشہ بھی دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا فلسفی، محقق، مدبر اور حکیم بیان کرنا تو درکنار سمجھ بھی نہیں سکا۔

۳۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر دو احمق اور بے ہودہ آوازوں سے منع فرمایا ہے۔ ایک وہ آواز جو مزامیر یعنی گانے بجانے اور لہو و لعب کی آواز ہے۔ دوسری جو بین کرتے وقت سینہ اور منہ پیٹتے وقت پیدا ہوتی ہے۔ (ترمذی، اغاثۃ اللهفان ص۱۳۷)

۴۔ فرمایا نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے لعن المغنی والمغنی لہ۔ گانا گانے والے پر اور جس کے لئے گانا گایا جائے دونوں پر لعنت (بیہقی، فتاویٰ عزیزیہ ص۶۶ جلد۱)

۵۔ فرمایا نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں خسف (زمین میں دھنس جانا) اور قذف (آسمان سے پتھر برسنا) اور مسخ (صورتوں کا بدل جانا) واقع ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا حضرت کب؟ آپ نے فرمایا۔ جب گانے بجانے کے آلات اور گانے والی عورتیں عام ہوں گی۔ اور شراب حلال ہو گی۔ پھر یہ تینوں عذاب اس امت پر وارد ہونے لگیں گے۔

(اغاثۃ اللهفان ص۱۴۰)

ائمہ حدیث لکھتے ہیں کہ خسف سے مراد زلزلوں کا عذاب اور قذف سے مراد بم باری ہو سکتی ہے۔ اور مسخ سے مراد انسانوں کا دائرہ انسانیت سے نکل کر حیوانیت میں داخل ہونا بھی ہو سکتا ہے۔ ڈارون نے انسانوں کو بندروں کی اولاد قرار دینے کے ثبوت میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ گانا۔ ناچنا۔ کودنا بندروں کی حرکات ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان بندر کے ارتقا کی شکل ہے۔

اگر امت مرحومہ کے پیش نظر وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هونا۔ ہوتا اور وہ دین حق کی تبلیغ کو اپنا مشن بنائے رکھتے تو ڈارون جیسے لوگوں کو ایسے ہفوات بکنے کی کہاں جرأت ہوتی۔

ناچ گانے کی حرمت پر اس قدر احادیث شاہد ہیں کہ اگر انہیں بالاستیعاب جمع کیا جائے تو ایک پوری کتاب بن سکتی ہے۔

مگر یہاں صرف اس قدر بتانا مقصود تھا کہ صوفیائے چشت جس فعل کو عبادت کا لازمہ سمجھتے ہیں وہ لہو و لہو اور فاطمی داعیوں کے دین سے دور لے جانے والے حربے تھے اور وہ لوگ اپنے مشن میں جی بھر کر کامیاب رہے کیا کوئی اللہ کا بندہ اس منکر کا منہ بدعت کو مٹانے کی طرح ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

مداریہ :

یہ لوگ شاہ بدیع الزمن مدار سے اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ ہندو جوگیوں کی طرح تارک سنت ہیں۔ یعنی مجرد رہتے ہیں۔ صرف ستر عورت پر کفایت کرتے ہیں۔ جس سے بمشکل اعضائے مخصوص کی ستر پوشی ہوتی ہے۔ اکثر راکھ مل لیتے ہیں۔

شطاریہ :

اس طریقہ کے لوگ اپنے آپ کو حضرت بایزید بسطامی سے منسوب کرتے ہیں۔ اور اپنا سلسلہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاتے ہیں اس سلسلہ کے پہلے بزرگ عبداللہ شطاری ایران سے ہندوستان میں آئے۔ (ان کا ایران سے آنا کیا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے مؤلف) جونپور گئے مگر ابراہیم شرقی ایک متشرع عالم نے ٹکنے نہ دیا۔ پھر مالوہ چلے گئے۔ اور وہاں خوب چمکے۔

اس فرقہ کے مشہور ترین بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاری ہوئے ہیں جنہوں نے متعدد کتابیں لکھیں۔ جن میں جواہر خمسہ بہت مشہور ہے۔ جو غیر شرعی وظائف کا قاموس ہے ۹۷۰ھ میں فوت ہوئے ان لوگوں کے اعمال اکثر غیر شرعی ہیں شطاری اور مداری فرقہ کے لوگوں نے لباس بدلے۔ شیومت کے طریقے اختیار کئے اور آخر شطاریہ بدعت ہندوستان سے انڈونیشیا تک پہنچ گئی۔

اکبر کے زمانہ میں حاجی ابراہیم سرہندی نے زعفرانی اور لال کپڑوں کے جواز کا فتویٰ دیدیا۔ قاضی خاں بدخشانی نے بادشاہ کو سجدہ کرنے کا فتویٰ دیا۔ مخدوم الملک

نے فریضہ حج کے اسقاط کا فتوے دیا۔ شیخ امان پانی پتی کے بھتیجے نے داڑھی منڈانے کی راہ سجھائی۔ شیخ مبارک نے متعہ کا راستہ دکھایا۔

شیعوں کے نقیبہ کی بگڑی ہوئی شکل "باب الحیل" کا جو پودا حضرت ابوحنیفہؒ نے لگایا تھا اسی زمانہ میں بار آور ہوا۔ جو آخر میں فتاویٰ عالمگیری کی دسویں جلد کے ستر صفحات میں بھی مکمل طور پر نہیں سما سکا۔

سلسلہ رفاعیہ کے پیر اعظم کبیرالدین رفاعی جنہیں حسن نظامی فرقہ باطنیہ کے داعیوں میں شمار کرتے ہیں۔ ان کے متعلق بنیان المشید کے دیباچہ میں جو خانقاہ تھانہ بھون سے ایڈٹ ہو کر شائع ہوئی ہے[1]۔ لکھا ہے کہ جب حضرت رفاعی روضہ رسول اللہ پر پہنچے تو ان الفاظ میں جا کر سلام عرض کی۔ "السلام علیک یا ابی"۔ اور ساتھ ہی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ جواب ملا "وعلیک السلام یا نبی" اور مرقد مقدس سے ایک ہاتھ باہر نکلا۔ تو حضرت رفاعی نے مصافحہ کیا۔ اور ہاتھ چوما۔ یہ ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آگے چل کر مصنف لکھتا ہے کہ اس وقت مسجد نبوی میں یہ واقعہ دیکھنے والے پچاس ہزار آدمی موجود تھے جن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بھی موجود تھے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

بنیان المشید تھانہ بھون سے ایڈٹ ہوتی ہے جو دیوبندی حنفیوں کا دینی مرکز ہے اور شاہ اشرف علیؒ تھانوی کا مرزبوم ہے کتاب کو ایڈٹ کرنے والے اور یہ واقعہ لکھنے والے شاہ صاحب کے خواہر زادہ ہیں۔ حضرت شیخ جیلانی عباسی خلیفہ المستنجد باللہ متوفی ۵۶۶ کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ گویا چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں مگر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تربت منورہ کا حجرہ سیدہ عائشہ صدیقہ کی وفات پر بند کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد اس کے گرد خطار مرور کی دیوار اور اس کے باہر ایک اور دیوار بنا کر بند کر دیا گیا تھا اور نورالدین زنگی نے سطح آب تک چاروں طرف کھدائی کر کے سیسہ سے بنیادیں بھر دی تھیں۔

[1] شاہ اشرف علی تھانوی کے مرید متوجہ ہوں۔

حجرہ شریف بند ہونے کے بعد آج تک صرف دو آدمیوں کو حجرہ شریف میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہو سکی۔ مگر پیری کے کابوس نے اس کا توڑ یہ سوچا کہ نبی اکرم کا دست مبارک دس گز سے زیادہ لمبا کر کے ایک پیر صاحب کو پیری کا بلند منصب تفویض کرنے کے لئے یہ ملمع تراشتے ہوئے بھی شرم نہ کی۔

الغرض ہزاروں من گھڑت وضعی اور دور از کار تاویلات پر مبنی جھوٹ کے پلندے گھڑ گھڑ کر اللہ کی عاجز مخلوق کو الوہیت کے مقام پر سرفراز کرنے کی کوشش میں تمام حنفی اور شیعہ طابق النعل بالنعل نظر آتے ہیں۔

شرک و بدعت کے تمام شعبے ان لوگوں میں پورے طور پر قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں امر رب سے اعراض کے بعد ان لوگوں کے ذہنوں سے صراط مستقیم پر چلنے کی طاقت سلب کر لی گئی۔ حضرت ابو حنیفہ نے جس عقلیت اور قیاس کا بیج بویا تھا۔ مامون کے زمانہ میں جس عقلیت کو عروج ملا تھا عبداللہ بن سبا اور مختار ثقفی نے جن نظریات کی ابتدا کی تھی — اور فروغ دیا تھا۔ ان سب کا مرکزی نقطہ قرآن و سنت سے دوری تھا۔ اور آخر ان لوگوں کے نظریات نے امت کو سینکڑوں فرقوں میں بانٹ کر رکھ دیا۔

فرقہ روشنیہ :

یہ بھی شطاریہ اور مداریہ کی طرح روحانی انتشار کی پیداوار ہیں اس کے بانی کوئی پیر روشن جالندھری متولد ۱۵۲۵ء ہوئے ہیں۔ اخوند درویزہ لکھتے ہیں کہ یہ ملحد جب لوگوں کو اپنا معتقد بناتا تو انہیں تنہائی میں ذکر کا حکم دیتا۔ مگر وہ اللہ کے نام کے نہ ہوتے۔ بلکہ افغانوں کو پشتو میں۔ ایرانیوں کو فارسی میں اور ہندوؤں کو ہندی زبان میں کچھ بتاتا۔

مرتضیٰ شاہی فقیر :

ان کا روحانی باوا کوئی سید مرتضیٰ انند تھا کسی برہمن دلہن انند نامی سے آنکھ لڑ گئی۔ تو مرتضےٰ انند بن گئے۔ لوگیوں کی طرح چوبیس گھنٹے لٹے میں دھت رہتے۔ آج کل کے تکیئے اور دارے جہاں چوبیس گھنٹے یا علی کے نعرے گونجتے ہیں۔ مرتضیٰ انند کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ مرتضیٰ کے فقیروں نے بھی عوام کو خوب لوٹا۔

ان کے علاوہ راہی پیر۔ چندن پیر۔ نانک پیر۔ ستیہ پیر اور نامعلوم کون کون سے پیر پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ اسی ذہنی انتشار نے نانک۔ کبیر اور چیتنیہ کو پیدا کیا۔ نانک کے چیلوں کی اس حد تک حوصلہ افزائی کی گئی کہ دربار صاحب امرت سر کا سنگِ بنیاد مسلمان بادشاہ نے رکھا۔ گوبند سنگھ کو پیر بنا کر مسلمان دیہہ بدیہہ اٹھاتے پھرے۔ چیتنیہ اور بھگت کبیر نے بھی مسلمانوں نے بھی مسلمانوں کے گھر میں نقب لگائی۔ رسول شاہی۔ نوشاہی۔ قلندر۔ جلالی۔ ملنگ غرضیکہ یہ سب کچھ وحدت الشہود واجب الوجود وغیرہ کی اصطلاحات کی پیداوار تھے۔ جو آگے چل کر مسلمانوں کے لئے عذاب الیم ثابت ہوئے۔ اور یہ سب کچھ مغلیہ دور میں ہوا اور سب کچھ شیعیت کے تصورِ امامت کی پیداوار تھا۔

یہ بھی بجا سہی کہ قادری، نقشبندی، چشتی اور سہروردی بزرگوں نے اچھے کام بھی کئے مگر مجموعی طور پر ان کے نظریات نے سوائے تشتت وافتراق کے کچھ پیدا نہ کیا۔ آج خواجہ احمد فاروق سرہندی کے حالات پڑھ کر بجائے اس کے کہ ان سے عبرت حاصل کریں۔ ان رازہائے درون پردہ کے انکشافات پر مصنف کو گالیوں کے تحائف سے نوازیں گے۔ چونکہ صدیوں سے دماغوں میں گھسے ہوئے نظریات کے خلاف سچی بات سننا قطعاً گوارہ نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ بزرگانِ دین مسلمانوں کو قرآن و سنت کا راستہ دکھا کر ان مفوات ولغویات سے روکتے۔ مگر بجائے روکنے کے انہوں نے اپنے عقیدت مندوں کو اور خود ساختہ بھول بھلیوں میں پھنسا کر قرآن و حدیث سے بیگانہ بنایا۔

حرفِ آخر

مجوسیت اور یہودیت نے فاروق اعظمؓ اور حضرت ذوالنورینؓ کو خاص سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت شہید کیا۔ ان تخریبی عناصر کی اس شیطنت کے پیچھے ایک ہی قسم کے جذبات یعنی صرف اسلام دشمنی ہی کارفرما تھی۔ فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد کافی حد تک حالات نے سنبھالا لیا۔ مگر حضرت ذوالنورینؓ کی شہادت کے بعد تخریبی عناصر پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ان حالات میں یہودی تحریک اور مجوسی شیطنت نے بھرپور طریقے سے اپنے تخریبی عوامل سے پورے طور پر کام لیا۔ اختلافات بڑھتے رہے۔ اور ہزاروں سے متجاوز سادہ لوح اور فریب خوردہ مسلمان ان خود ساختہ سبائی عقاید کو قبول کرتے رہے۔ شیعان علیؓ کی اصطلاح تو اسلام دشمن عناصر کی وضع کردہ مخصوص اصطلاح تھی۔ مگر شیعان معاویہؓ صرف "بغض معاویہ" کی پیدا کردہ علم تھی۔ معاویہؓ نے نہ کوئی گروہ بنایا اور نہ ہی کسی غیر اسلامی عقیدہ کی بنیاد ڈال کر اس کے پیچھے کسی کو لگایا۔ سیدنا علیؓ نے بھی اپنی ذات کے لئے ایسا کہلوانا پسند نہ کیا۔ مگر قاتلین عثمانؓ کو اپنی جانیں بچانے کے لئے اس سے بہترین حربہ کوئی نظر نہ آیا۔ حالات نے پلٹا کھایا۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا اعلان کر دیا۔ مگر اس پر اجماع امت نہ ہو سکا۔ امیر المومنین مروانؓ کے ہاتھ پر عالم اسلام نے بیعت کر لی۔

ان حالات میں کون توقع کر سکتا ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے واقعات کو بگاڑنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی ہو گی۔ جنگ صفین کا چرکہ بھی ان کے دل پر موجود تھا۔ وہ ان صدمات کا برملا اُلٹے طور پر فخریہ ذکر کرتے۔ علوی لیس تھے وہ زیر زمین رہ کر امویوں کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے رہے۔ وہی سو سالہ امویوں کے خلاف پراپیگنڈہ شیعہ مذہب کی جان بن گیا۔ امویوں کے بعد علویوں کی

بے تدبیریوں سے فائدہ اٹھا کر عباسیوں نے خلافت پر قبضہ کر لیا۔ یہ زمانہ بھی علویوں کے خلاف رہا۔ ابومسلم اور آل برامکہ نے کوشش کی مگر ان کا پتہ کاٹ دیا گیا۔ علویوں کی زیر زمین تحریک پھیلتی رہی اور بڑھتی رہی اور حب علی کی آڑ میں کئی قسمت آزما پیدا ہوتے رہے۔ آل بویہ ابن علقمی نصیر الدین طوسی فاطمیین مصر۔ حسن بن صباح دیگر اسماعیلی حکمران۔ یمن کے زیدی افریقہ کے ادریسی اور آگے چل کر ایران کا صفوی خاندان۔ دکن کے شیعہ حکمران۔ اودھ کے نواب وزیر اسی قسم کے لوگ تھے ان کے دلوں میں علیؓ کی محبت تھی یا نہیں بغض معاویہؓ ضرور تھا۔ جو معاویہؓ پر تو نہ نکال سکے۔ البتہ تمام امت میں جہاں کہیں انہیں موقع ملا۔ انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور یہی بغض معاویہؓ اس قسم کی تالیفات و تصنیفات کا محرک بنتا رہا جس نے حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے نام جوتوں میں سوانے کی انگیخت کی۔ اور تبرا کو اصولات دین میں سے ایک اصول قرار دیا۔

گذشتہ صفحات کو ایک بار پھر ذہن میں حاضر کیجئے اور بے جا ضد تعصب عناد اور سوچ کے سوقیانہ انداز کو ذہن سے نکال کر دیکھئے۔ آپ کو کسی مقام پر یہ نظر نہیں آئے گا کہ حضرات علی و حسنینؓ اور دیگر ائمہ عظام کو صحابہ کرام سے کسی قسم کے معاندانہ جذبات تو در کنار کسی قسم کی شکایت تک نہ تھی۔ حضرت علیؓ اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے قائل اور ان کے صادق مشیر تھے۔ آپ نے اپنی اولاد کے نام تبرکاً ان کے ناموں پر رکھے اور اپنی لڑکیاں بصد فخر و انبساط ان کے لڑکوں سے بیاہ دیں۔ شیعہ مذہب کی تمام اہم اور مستند ترین تفاسیر و آثار کی کتابوں میں اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو مبنی بر حق بتایا گیا ہے۔ مگر تیسری صدی ہجری میں خلافت بلا فصل کا شوشہ چھوڑ کر ایک عالم کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیا۔

واقعات کربلا کی جو گھناؤنی تصویر آج عام شیعہ اصحاب پیش کر رہے ہیں شیعہ زعماء اور مجتہدین خود اسے جھٹلاتے ہیں شیعیت کے پس منظر کی کڑیاں خود یہودیت اور [illegible] سے ملاتے ہیں۔ پھر حیران کن امر یہ ہے کہ آج مجالس عزا میں وہ سب کچھ

کیوں بار بار دوہرا جاتا ہے جن کا شیعہ مذہب کی کتابوں میں ذکر تک نہیں۔

ہر قسم کے مذہبی تعصبات سے خالی الذہن ہو کر ایک بار پھر صفحات گذشتہ پر نظر ڈالئے۔ تو صاف نظر آئے گا کہ شیعہ بھائیوں کا طریق کار عناد برائے عناد کے سوا کچھ بھی نہیں۔

شیعیت کی تاریخ پر ایک بار پھر ایک نظر ڈالیے۔ تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ اس وقت عالم اسلام کے تمام مسائل بلا واسطہ بھی اور بالواسطہ بھی جس طرح نصرانیت یہودیت اور ہندوبیت کے پیدا کردہ ہیں۔ اسی طرح شیعیت بھی ان میں برابر کی حصہ دار ہے۔

پاکستان کے موجودہ المیہ کی بنیاد سکندر مرزا کے ہاتھ سے رکھی گئی اور یحییٰ خان نے اُسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ مشرق وسطیٰ کے تمام مسائل شیعوں کے مشہور فرقہ دروزی کے پیدا کردہ ہیں۔ اور یہاں یحییٰ خان یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی سُنی اکثریت سے پیچھا چھڑا کر مغربی پاکستان کو ایران کی جھولی میں ڈال دیا جائے۔ چہ عجب کہ مستقبل کا کوئی مورخ برصغیر کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت کو دو حصوں میں بانٹ کر بے دست و پا بنانے کے پس منظر کی کڑیوں کو اسی ذہن کی پیداوار قرار دینے پر قلم اٹھائے۔

لہ اور اب مسلمانوں کی وہ عظیم اقلیت پانچ حصوں میں بٹ کر اپنے تمام ملی وقار سے محروم ہو چکی ہے نصف سے زیادہ بنگلہ دیش میں، بارہ کروڑ بھارت میں، ۸ کروڑ پاکستان میں، ساٹھ لاکھ مقبوضہ کشمیر میں اور بیس لاکھ کے قریب آزاد کشمیر میں۔ اگر یہ تمام مسلمان اپنا کوئی مرکز رکھتے تو آئے روز بھارتی مسلمانوں کا یوں قتل عام نہ ہوتا +

مؤلّف کی دیگر تحقیقی تالیفات

۱۔ اختلافِ اُمّت کا المیہ ۱۹۶۹ء: یہ تالیف مسلک اہل حدیث کی حقانیت اور مذاہب اربعہ پر تفصیلی بحث نیز مروجہ مذاہب کے بانیوں کے حالات اور حاملین کتاب و سنت کی دینی و جہادی سرگرمیوں کے واقعات پر مشتمل ہے نیز اس تالیف میں منکرین حدیث، مرزائیت اور سوشلزم، کمیونزم پر تحقیقی بحث کی گئی ہے۔

۲۔ حقیقت مذہب شیعہ ۱۹۷۰ء: شیعہ مذہب کی مکمل انسائیکلوپیڈیا شیعیت کا آغاز، اس کی عہد بعہد ترقی اور ترقی کے اسباب، شیعہ حکمرانوں کی اسلام دشمن سرگرمیاں، شیعی عقائد، مفروضہ ائمہ اور اہل بیت، بد کردار علویوں کے حالات، خلافت امیر یزیدؒ پر بیعت کرنے والے صحابہ کرام کے حالات، واقعہ کربلا کے صحیح خد و خال غرضیکہ شیعہ مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔ دوسرا ایڈیشن مجلد ۱۹۶۹ء قیمت ۲۶ روپیہ

۳۔ بنات الرسول ۱۹۷۱ء: یہ کتاب بنات الرسول کے موضوع پر ملک بھر کے شیعہ زعماء کی خط و کتابت پر مختصر ہے جو ایک شیعہ ڈاکٹر کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات کے دوران ہوئی اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین اصل مسئلہ کے علاوہ دنیائے شیعیت کی تضاد بیانیوں سے بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں

۴۔ مقامِ صحابہؓ ۱۹۷۲ء: اس تالیف کا تمام مواد شیعہ مذہب کی امہات الکتب پر مشتمل ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ امہات المومنینؓ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق شیعہ مذہب کی امہات الکتب میں فضائل ہی فضائل ہیں اور نہ معلوم سب صحابہؓ کے قائلین کس دور میں پیدا ہوئے اور پھر انہوں نے سب صحابہؓ کے ساتھ اپنے مفروضہ و مزعومہ کو بھی نہیں بخشا۔ ان لوگوں کی زبان و قلم سے صحابہ کرامؓ تو درکنار نبی اکرمؐ اور اللہ تعالیٰ بھی محفوظ نہیں رہ سکے یہ کتاب امریکن یونیورسٹیوں کے کیٹیلاگ پر آ چکی ہے دوسرا ایڈیشن زیر طبع۔

۵۔ واقعہ کربلا کتب شیعہ کی روشنی میں ۱۹۷۳ء: بغیر کوئی وجہ بتلائے صوبہ سرحد اور پنجاب نے ضبط کر لی۔

۶۔ عترت رسول ۱۹۷۴ء: عترت۔ آل اور اہل کا مطلب۔ اپنے موضوع پر اپنی نوعیت کی اولین تالیف اہل بیت صرف ازواج النبیؐ ہیں۔ مگر یہاں ایسے بدقماش بھی اہل بیت ہیں جنہوں نے کعبہ کا وقفی خزانہ لوٹا، مسجد نبوی کے سایہ میں [illegible] شراب، اور حرامکاری کا علی الاعلان ارتکاب کیا۔ قیمت دس [illegible]

۷۔ شہادت ذوالنورین رضؓ پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۹ء: ملک کے تمام مکاتیب فکر کے جرائد نے سیر حاصل تبصرے لکھ کر مولف کی محنت کی داد دی ہے قیمت ۹ روپے

۸۔ امیر المومنین امیر مروان بن حکم ۱۹۷۶ء: آپ کی سیرت، علم وفضل، سیاست ملکی اور علمی خدمات اور ان صحابہ کرامؓ کے حالات جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی قیمت ۲ روپے

۹۔ مشکوٰۃ جلد ۳/۴ کے فوائد غزنویہ پر نظر ۱۹۷۶ء: مولف کو حواشی لکھنے پڑے جو نسا مع یاد ہول ہوا۔ اس کا تعاقب قیمت ۲ روپے۔

۱۰۔ اہلحدیث ہی حقیقت میں اہل سنت والجماعت ہیں ۱۹۷۶ء: قیمت ایک روپیہ

۱۱۔ سیدنا حسن بن علیؓ ۱۹۷۸ء: سیدنا حسنؓ کی زندگی کے نہایت محققانہ حالات۔ اپنی نوعیت کی اولین تالیف قیمت ۲۵ روپے۔

۱۲۔ ٹیپو شہید ۱۹۷۸ء: برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے سلطان شہید تک کے ... ۲۵ روپے۔

۱۳۔ صدیقہ کائنات ۱۹۷۹ء: اپنی نوعیت کی اولین منفرد تالیف جس میں عام ڈگر سے ہٹ کر حضرت صدیقہ کائناتؓ کی زندگی کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ تین ماہ میں دو ایڈیشن ختم۔ قیمت ۲۵ روپے

۱۴۔ راجوری۔ مولف نے اپنے وطن کے سیاسی نیز کے حالات لکھے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ

مولف کے تعلیقات و مقدمات

افادات بنگش، التفقہ فی الدین، مودودی صاحب کی غلط بیانیوں کا جواب۔ امہات المومنین۔ امیر حجاج بن یوسف

مزید لکھنے منظر ۲/۱/۱

زیر طبع تالیفات

دافع الظنون فی رد جلاء العیون۔ الاسماء الحسنیٰ۔ فلسفہ جہاد اور قرآن

۱۔ محمود احمد عباسی کی تالیف! سیرت امام اعظم

۲۔ وحدت ملت: مفتی محمد شفیع

۵۔ تاریخ الخلفا سیوطی

[illegible handwritten notes] ۱۹۷۸